رسائل محرم

مصنفین

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت علامہ مولانا حسنین رضا خان بریلوی

مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ

شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی

مصنفین

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت علامہ مولانا حسنین رضا خان بریلوی

مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ

شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی

مرتب

محمد زاہد قادری

داتا دربار مارکیٹ لاہور۔پاکستان

0300-7259263,0315-4959263

کتاب	رسائل محرم
مصنفین	علامہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی۔ حضرت علامہ مولانا حسنین رضا بریلوی۔ شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی۔ علامہ مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ
مرتب	حسن محمد زاہد قادری
سرورق	اے، ڈی گرافکس
ناشر	**والضحیٰ** پبلی کیشنز، داتا دربار مارکیٹ، لاہور
لیگل ایڈوائزر	محمد صدیق الحسنات ڈوگر؛ ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
تاریخ اشاعت	ذی القعدہ 1434ھ / اکتوبر 2013ء
تعداد	1100
قیمت	300 روپے

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرمانِ باری تعالیٰ

درود وسلام پڑھنے سے اللہ عزوجل کے حکم کی تعمیل ہوتی ہے

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ؕ

فرمانِ حبیبِ ربّ العالمین ﷺ

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

وَعَلٰی اٰلِکَ وَاَصْحٰبِکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ

وہ شخص بخیل ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے۔ اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے

فہرست

شہادتِ حسنین رضی اللہ عنہما ترجمہ سرّ الشہادتین

تصنیف: حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: مولانا ریاض احمد صمدانی

وہ تمام کمالات اور خوبیاں جو علیحدہ علیحدہ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام میں پائی جاتی ہیں وہ سب ہمارے نبی مصطفیٰ ﷺ کی ذات گرامی صفات میں یکجا جمع ہیں چنانچہ آپ کو خلافت عطا کی گئی جیسے حضرت آدم اور حضرت داؤد علیہما السلام کو ملی تھی اور حکومت و فرمانروائی بخشی جیسی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو دی گئی تھی حضرت یوسف علیہ السلام جیسا آپ کو حسن و جمال دیا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی طرح آپ کو مقام خلّت پر فائز کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ کو شرف ہمکلامی سے نوازا اور حضرت یونس علیہ السلام کی طرح عبادت گزار اور حضرت نوح علیہ السلام کی طرح شکرگزار بنایا۔

اس کے علاوہ کچھ ایسے اوصاف اور مخصوص کمالات بھی آپ کو عطا کیے گئے ہیں (جو اور کسی نبی و رسول کو حاصل نہیں) جیسے ہر قسم کی ولایت محبوبیت مطلقہ، مقامِ مصطفائی، دیدارِ الٰہی، کامل قربِ ربانی، شفاعتِ کبریٰ اور دشمنانِ خدا تعالیٰ کے ساتھ جہاد، ان کمالات کے علاوہ وسعتِ علمی، عرفانِ کامل، فیصلے صادر کرنا، مسائل و احکام بتانا، منصبِ اجتہاد و احتساب اور آیاتِ قرآنی کی تلاوت وغیرہ ایسے مناصب رفیعہ بھی آپ کو حاصل ہیں۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آں چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

لیکن ابھی ایک کمال باقی رہ گیا تھا جس کے ساتھ آپ کی ذات گرامی موصوف نہیں تھی اور وہ ہے شہادت، یعنی راہِ حق میں جامِ شہادت نوش کرنا، اور اس وصف شہادت

سے آپ کو براہِ راست موصوف نہ کرنے میں یہ راز مخفی تھا کہ اگر آپ کسی معرکہ میں شہید ہو جاتے تو عوام کی نظروں میں اس واقعہ سے اسلام کی شان و شوکت کم ہو جاتی اور دینِ حق کی اشاعت میں خلل پڑتا اور اگر آپ کو ناگہانی طور پر کسی خفیہ منصوبے سے شہید کر دیا جاتا جیسے آپ کے بعض خلفاء راشدین کو شہید کیا گیا، تو اس طرح آپ کی شہادت مشہور نہ ہوتی بلکہ آپ کی شہادت، شہادت کاملہ ہی نہ ہوتی، کیونکہ شہادت کاملہ یہ ہے کہ بندۂ مومن راہِ خدا میں مسافرت اور انتہائی کرب والم میں قتل کیا جائے اس کے گھوڑے کی ٹانگیں کاٹ دی جائیں اس کی لاش میدانِ کارزار میں خاک وخون میں غلطان ہو، صرف یہی نہیں بلکہ اس کے آگے پیچھے اس کے اکثر عزیزوں، دوستوں اور قریبی رشتہ داروں کی کٹی پھٹی لاشوں کا انبار لگا ہو، اس کا مال واسباب لوٹ لیا جائے اس کی بیویوں اور یتیم بچوں کو قیدی بنا لیا جائے۔ پھر شرط یہ ہے کہ یہ تمام آلام و مصائب صرف اور صرف رضائے الٰہی (اور دین اسلام کی سربلندی) کے لیے برداشت کیے جائیں۔

---

۱ صحیح روایات سے یہ ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام کو نبوت و رسالت کے مناصب رفیعہ کے ساتھ منصب شہادت بھی عطا فرمایا گیا ہے، جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر محققین جن میں علامہ سیوطی بھی شامل ہیں کی یہی رائے ہے ان کا ماخذ یہ حدیث ہے جس کو امام بخاری نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں:

كان النبى ﷺ يقول فى مرضه الذى توفى فيه لم ازل اجد ألم الطعام الذى اكلت بخيبر فهذا و ان القطع بهرى من ذالك السم۔

و اخرج احمد و ابن سعد و ابو يعلى والطبرانى والحاكم والبيهقى عن ابن مسعود قال لان احلف تسعًا ان رسول الله ﷺ قتل قتيلًا احب الىّ من ان احلف واحدة انه لم يقتل و ذالك ان الله تعالىٰ اتخذه نبيًا و اتخذه شهيدًا۔ (الخصائص الكبرىٰ للسيوطى)

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ اپنی مرض وصال میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ خیبر میں جو زہر مجھے کھلایا گیا تھا اس کا اثر ہمیشہ محسوس کرتا رہا ہوں اور اب تو یہ حال ہے کہ وہ زہر میری رگِ دل کاٹ رہا ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حکمت الٰہیہ

بنا بریں اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ نے یہ چاہا کہ نبی مصطفیٰ ﷺ کی وفات اور آپ کی ایسی پرشکوہ خلافت کے بعد کہ مغلوب ومحکوم ہونا جن کی شان کے منافی تھا۔ شہادت کا یہ عظیم کمال آپ کے کمالات میں شامل کر دیا جائے لہٰذا (ان جوانمردوں کے واسطہ سے) جو آپ کی اہلبیت واقارب میں سے آپ کے قریب ترین اور آپ کی اولاد میں سے آپ کے عزیز ترین ہیں جو بمنزلہ آپ کے بیٹوں کے ہیں، شہادت کا یہ کمال آپ کے دیگر کمالات کے ساتھ ملا دیا تاکہ ان کا حال آپ کے حال میں شامل ہو جائے اور ان کا یہ کمال حضور علیہ السلام کے کمال میں درج ہو جائے اس لیے خلافتِ راشدہ کے مبارک زمانہ کے اختتام پذیر ہونے کے بعد عنایت ربانی اس الحاقِ کمال کی طرف متوجہ ہوئی سو حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کو ان کے نانا (حضرت محمد رسول اللہ) علیہ افضل الصلوٰت والتحیات کے قائم مقام ٹھہرایا اور جمال محمدی کا ملاحظہ کرنے کے لیے ان دونوں شہزادوں کو آئینہ کی مانند قرار دیا اور دونوں کے وجود مبارک کو رُخِ مصطفیٰ ﷺ کے دیدار کے لیے دو رخسار بنایا۔

اقسام شہادت

چونکہ شہادت دو قسموں کی ہے ایک شہادت سِرّی یعنی پوشیدہ اور دوسری شہادتِ جَہری یعنی ظاہری شہادت لہٰذا ان ہر دو اقسام شہادت کو دونوں شہزادوں کے مابین تقسیم کر دیا گیا۔

(بقیہ حاشیہ) نیز حضرت امام احمد، ابن سعد، ابو یعلیٰ، طبرانی، حاکم اور امام بیہقی روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میرے نزدیک نو بار قسم اٹھا کر یہ کہنا زیادہ محبوب و بہتر ہے کہ رسول اللہ ﷺ شہید ہیں بہ نسبت ایک بار قسم اٹھا کر یہ کہنے کے کہ حضور شہید نہیں ہوئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کے ساتھ منصب شہادت بھی عطا فرمایا ہے۔

شہادتِ سِرّی

شہادت کی قسم اول شہادت سِرّی کے ساتھ سبطِ اکبر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ مخصوص کیے گئے ہیں چونکہ اس شہادت میں تمام اسباب اور معاملات مستور اور صیغۂ راز میں پنہاں رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام حسن رضی اللہ عنہ کی اس شہادت کا ذکر جبریل علیہ السلام نے بھی وحی میں کبھی نہیں کیا بلکہ آپ کی شہادت کے وقت بھی یہ معاملہ مبہم ہی رہا حتیٰ کہ آپ کی شہادت آپ کی بیوی[1] کے ہاتھوں واقع ہوئی حالانکہ بیوی ایک ذریعہ محبت والفت ہے نہ کہ علاقۂ عداوت، یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ یہ شہادت ہی پوشیدگی اور اخفاء پر مبنی تھی۔ اسی حقیقت کے پیشِ نظر مخبر صادق نبی اکرم ﷺ نے بھی آپ کی شہادت کی اطلاع نہ دی اور نہ ہی امیر المومنین حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق کچھ بتایا نہ کسی اور نے ہی امام حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے کچھ خبر دی۔

شہادتِ جہری

شہادت کی دوسری قسم جہری ہے۔ اس کے ساتھ سبطِ اصغر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مخصوص ہیں۔ چونکہ یہ شہادت شہرت واعلان پر مبنی ہوتی ہے (یعنی اس شہادت کے تمام معاملات واسباب بالکل ظاہر وباہر ہوتے ہیں اس میں کوئی خفاء وابہام نہیں ہوتا) اس لیے اول تو امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا ذکر وحی میں جبریل علیہ السلام اور دیگر فرشتوں کے ذریعے نازل ہوا۔ پھر مقامِ شہادت کا تعین اور نشاندہی کی گئی۔ اس جگہ کا نام بتایا گیا پھر شہادت کا وقت زمانہ اور تاریخ بھی بتادی کہ وہ ۶۰ھ کے آخر اور ۶۱ھ کے شروع میں واقع ہوگی۔

شہادتِ امام حسین کی شہرتِ عام

اس کے بعد آپ کی شہادت کا چرچا عام ہوتا گیا۔ حضرت امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہٗ نے (اپنے دورِ خلافت میں) جنگِ صفین کے سفر کے دوران اپنی زبانِ

۱ اس روایت کا کوئی مستند حوالہ دستیاب نہیں۔ تفصیل آئندہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔

مبارک سے شہادتِ حسین کا کھلم کھلا ذکر واعلان فرمایا۔ پھر جب آپ کی شہادت واقع ہوتی ہے تو اس وقت بھی ایسے خلاف عادت واقعات اور آپ کی کرامات ظاہر ہوئیں جس کی بدولت آپ کی شہادت کی شہرت مزید پھیل گئی مثلاً مٹی کا خون ہوجانا، آسمان سے خون برسنا، غائبانہ مرثیوں کی آوازیں سنائی دینا، جنوں کا رونا اور نوحہ خوانی کرنا، جنگلی درندوں کا آپ کا لاشۂ اقدس کی حفاظت ونگہبانی کے لیے اس کے اردگرد طواف کرنا، اور آپ کے قاتلوں کے نتھنوں میں سانپوں کا گھسنا، اس قسم کے اور بھی بے شمار واقعات ظہور پذیر ہوئے۔ جو سب شہیدِ کربلا کی شہادت کو شہرتِ عام اور ذکر دوام بخشنے والے اسباب اور موجبات سے تعلق رکھتے ہیں تاکہ تمام حاضرین و غائبین اس اندوہناک حادثہ کے وقوع پذیر ہونے سے باخبر ہوجائیں بلکہ قیامت تک نبی مصطفیٰ ﷺ کی امت میں اس واقعہ ہائلہ پر ہمیشہ آہ وبکاء اور رنج والم کے اظہار کو جاری رکھنا اور (ریگزار کرب وبلا میں اہلِ بیت پر توڑے جانے والے قیامت خیز مصائب وآلام) کے دردناک واقعات کا متواتر ذکر ہوتے رہنا شہادت جہری کا ہی نتیجہ ہے تو اب امام عالی مقام کی شہادت کا چرچا اور شہرہ ہر اعتبار سے ملاء اعلیٰ میں ارض وسماء میں، عالمِ غیب وشہادت میں، جنوں اور انسانوں میں عالم حیوانات و جمادات میں الغرض پوری پوری کائنات میں اپنی انتہا کو پاچکا ہے۔

اشاراتِ مقدمہ کی تشریح[1]

مقدمہ کی اس تمہید کے بعد اب ہم ان ضروری باتوں کا ذکر کرتے ہیں جن کا تعلق اس باب سے ہے اور ساتھ ہی ان مضامین کی طرف ذرا وضاحت سے اشارہ کردیا جائے گا جن کا ہم نے مقدمہ میں بطور تمہید ذکر کیا ہے۔

حسین کو ابنِ رسول کہنے کی وجوہات

حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کو رسول اللہ ﷺ کا بیٹا کہنے کی دو وجہیں اور

۱ مقدمہ میں حسنین کو ابن رسول اور جمال نبوی کے ملاحظہ کے لیے دو آئینے قرار دیا ہے۔ اشارات مقدمہ سے یہی مراد ہے آگے وضاحت آرہی ہے۔

دلیلیں ہیں۔ دلیل اوّل یہ ہے کہ نواسہ یعنی دوہتا بیٹے کے جا بجا ہوتا ہے اسی لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل (اولادِ یعقوب) میں شمار کیا جاتا ہے حالانکہ آپ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے اور نسب باپ سے چلتا ہے نہ کہ ماں سے۔

دلیل ثانی تَبَنِّیْ ہے کسی کو اپنا بیٹا (مَتَبَنّٰی) کہنا ہے تو یہ بھی متعدد روایتوں سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے کئی بار امام حسن اور امام حسین کے متعلق فرمایا کہ یہ دونوں میرے بیٹے ہیں چنانچہ امام احمد اپنی مسند میں ابو اسحاق سبیعی سے اور یہ ہانی ابن ہانی سے اور یہ امیر المومنین حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہٗ سے روایت کرتے ہیں کہ

لَمَّا وُلِدَ الْحَسَنُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ جَآءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اَرُوْنِیْ اِبْنِیْ مَا سَمَّیْتُمُوْهُ قُلْتُ سَمَّیْتُهٗ حَرْبًا قَالَ هُوَ حَسَنٌ فَلَمَّا وُلِدَ الْحُسَیْنُ قَالَ اَرُوْنِیْ اِبْنِیْ مَا سَمَّیْتُمُوْهُ قُلْتُ حَرْبًا قَالَ بَلْ هُوَ حُسَیْنٌ فَلَمَّا وُلِدَ الثَّالِثُ قَالَ اَرُوْنِیْ اِبْنِیْ مَا سَمَّیْتُمُوْهُ قُلْتُ حَرْبًا بَلْ هُوَ مُحَسِّنٌ ثُمَّ قَالَ اِنِّیْ سَمَّیْتُهُمْ بِاَسْمَآءِ وُلْدِ هَارُوْنَ شَبَّرَ وَ شَبِیْرٌ وَ مُشَبِّرٌ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے تشریف لا کر فرمایا: مجھے میرا بیٹا دکھاؤ۔ تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟ میں نے عرض کی: حرب نام رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا حرب نہیں بلکہ اس کا نام حسن ہے پھر جب امام حسین پیدا ہوئے تو آپ نے فرمایا مجھے میرا بیٹا دکھاؤ۔ تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟ میں نے عرض کی: حرب نام رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ اس کا نام حسین رکھو۔ جب تیسرے شہزادے کی ولادت ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا: مجھے میرا بیٹا دکھاؤ۔ تم نے اس کا کیا نام رکھا ہے؟ میں نے عرض کی: حرب نام رکھا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: حرب نہیں بلکہ اس کا نام محسن ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: میں نے ان کے نام حضرت

ہارون علیہ السلام کے بیٹوں کے نام پر رکھے ہیں ان کے بیٹوں کے نام شبر، شبیر اور مبشر تھے۔

اس روایت کو طبرانی نے اپنی کتاب معجم کبیر میں، دارقطنی نے اپنی تصانیف کتاب الافراد اور حاکم، بیہقی اور ابن عساکران سب نے حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے اور اسی کے ہم معنی ایک دوسری روایت امام محی السنہ بغوی اور طبرانی نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کی ہے۔

لغت کی مشہور کتاب قاموس میں ہے کہ شَبَّرٌ، بَقَّمٌ کے وزن پر شَبِیْرٌ، قُمَیْرٌ کے وزن پر اور مُشَبِّرٌ مُحَدِّثٌ کے وزن پر ہے یہ تینوں حضرت ہارون علیہ السلام کے بیٹوں کے نام ہیں۔

آئینہ جمالِ مصطفوی

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کو جمالِ محمدی ﷺ کے مشاہدہ کے لیے دو آئینوں کی مثل قرار دینے کی دو دلیلیں ہیں دلیل اوّل سیادت مطلقہ ہے (یعنی امامین کریمین کو ہر طرح کی سرداری حاصل ہے بالخصوص آپ کا تمام جنتی نوجوانوں کا سردار اور سید ہونا) چنانچہ امام نسائی، رویانی اور ضیاء مقدسی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے اور ابو یعلی ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے اور ابن ماجہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ابن عدی، عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے، ابو نعیم علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اور امام طبرانی اپنی معجم کبیر میں، حضرت عمر فاروق، حضرت جابر، حضرت براء، حضرت اسامہ بن زید اور حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہم سے، دیلمی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے، ابن عساکر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے، حضرت عبداللہ ابن عمر، حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت ابورمثہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَ زَادَ ابْنُ مَاجَةَ وَغَیْرُهٗ وَ اَبُوْهُمَا خَیْرٌ مِّنْهُمَا وَ عِنْدَ الطَّبَرَانِیْ وَ اَبُوْهُمَا اَفْضَلُ مِنْهُمَا وَ زَادَ الْحَاكِمُ ؛ نٌ

حَسَّانَ وَغَيْرُهُمَا اِلَّا ابْنَیِ الْخَالَةِ عِيْسٰی ابْنَ مَرْيَمَ وَ يَحْيٰی بْنَ زَكَرِيَّا.

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: حسن اور حسین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔ ابن ماجہ وغیرہ نے یہ الفاظ زیادہ کیے ہیں کہ ان کا باپ (علی کرم اللہ وجہہٗ) ان دونوں سے بہتر ہے طبرانی کے نزدیک یہ الفاظ ہیں کہ ان کے والد ان دونوں سے افضل ہیں۔ حاکم اور ابن حبان نے اتنا اور زیادہ نقل کیا ہے کہ حسن وحسین دو خالہ زاد بھائیوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام کے سوا باقی سب جنتی نوجوانوں کے سید وسردار ہیں۔

یہ حسنین رضی اللہ عنہما کے آئینہ جمالِ نبوی ہونے کا ہی اثر ہے کہ ان کی محبت رسولِ مصطفیٰ ﷺ کی محبت ہے اور ان سے بغض وعداوت رکھنا رسولِ خدا ﷺ کی ذات سے بغض و عداوت رکھنے کے مترادف ہے جیسا کہ ابن عساکر وغیرہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ اَحَبَّهُمَا فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَ مَنْ اَبْغَضَهُمَا فَقَدْ اَبْغَضَنِیْ.

ترجمہ: جس نے حسنین سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے ان سے عداوت ودشمنی رکھی اس نے مجھ سے عداوت ودشمنی رکھی۔

شکل وصورت میں مشابہت

دوسری دلیل حسنین کی رسولِ خدا ﷺ سے شکل وصورت میں ظاہری مشابہت ہے۔ اس اعتبار سے آپ نبی اکرم ﷺ کے ظاہری محاسن، خدوخال اور شکل وشباہت میں گویا آپ کی دو تصویریں تھے چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ

لَمْ يَكُنْ اَحَدٌ اَشْبَهَ بِالنَّبِيِّ ﷺ مِنَ الْحَسَنِ ابْنِ عَلِيٍّ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ وَ قَالَ فِي الْحُسَيْنِ اَيْضًا كَانَ اَشْبَهَهُمْ

بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ.

ترجمہ: ظاہری شکل وصورت میں نبی اکرم ﷺ کے ہم شکل حسن ابن علی سے زیادہ کوئی نہ تھا اور حضرت حسین کے بارے کہا کہ وہ بھی شکل وشباہت میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔

مذکورہ بالا حدیث کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بڑی تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس حدیث کو صحیح کہتے ہوئے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسن تو سینہ سے سر تک رسول اللہ ﷺ کے زیادہ مشابہہ تھے اور حضرت حسین سینے سے تا قدم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بہت مشابہ تھے۔ (اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا ہے)

اس نور کی جلوہ گاہ تھی ذات حسنین
آدھے سے حسن بنے آدھے سے حسین

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ روایت نقل فرماتے ہیں کہ (ایک بار) نبی اکرم ﷺ نے حضرت حسن اور حسین دونوں کو اٹھا کر فرمایا:

مَنْ اَحَبَّنِیْ وَ اَحَبَّ هٰذَيْنِ وَ اَبَاهُمَا وَ اُمَّهُمَا كَانَ مَعِیَ فِیْ دَرَجَتِیْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. وَ قَالَ هٰذَا حديث منكر.

ترجمہ: جس نے مجھ سے محبت رکھی اور ان دونوں سے بھی اور ان کے ماں باپ سے بھی محبت رکھی وہ قیامت کے روز میرے ساتھ ہوگا۔ امام ترمذی اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ حدیث منکر[1] ہے۔

سیرت امام حسن رضی اللہ عنہ

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اپنے والد ماجد حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ سے روایت

---

1 حدیث منکر ضعیف احادیث کی ایک قسم ہے اور محدثین کے نزدیک فضائل میں ضعیف حدیث قابل اعتماد ہے۔

کرتے ہیں کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے پندرہ حج پیدل کیے۔ حالانکہ ان کے اپنے بہترین عمدہ گھوڑے آگے آگے چلتے تھے۔ آپ نے دو بار اپنا تمام مال واسباب اللہ کی راہ میں لٹا دیا اور تین بار اپنا آدھا مال فی سبیل اللہ محتاجوں اور غریبوں میں تقسیم کر دیا اور تمام مال واسباب کی تنصیف اور آدھا کرنے میں یہاں تک احتیاط فرماتے کہ اپنا ایک جوتا راہِ خدا میں دے دیتے اور دوسرا پاس رکھ لیتے اسی طرح ایک موزہ دے دیتے اور ایک اپنے پاس رکھ لیتے۔

صحیح ترین قول کے مطابق آپ کی تاریخ وصال وشہادت ۴۹ھ یکم ربیع الاول یا ماہِ صفر کی آخری تاریخ ہے اور یہی زیادہ مشہور ہے۔

امام حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت

آپ کی وفات اور شہادت کا سبب یہ ہے کہ آپ کی زوجہ[1] جعدہ بنت اشعث بن قیس نے یزید پلید کے اکسانے پر آپ کو زہر کھلایا۔ یزید نے اس کے صلہ میں جعدہ سے نکاح کرنے کا وعدہ کر رکھا تھا۔ چنانچہ اس نے اس لالچ میں آپ کو زہر دیا۔ جس کے باعث حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے چالیس روز شدید بیمار رہنے کے بعد وفات پائی۔

امام حسن کے وصال کے بعد جعدہ نے یزید کو پیغام بھیجا اور اس کو اپنا وعدہ پورا کرنے کا کہا۔ تو یزید نے جواب دیا کہ ''ہم تو تجھے امام حسن کے گھر دیکھنا گوارا نہیں کرتے تھے اپنے لیے تجھے کب پسند کرتے ہیں۔'' اس طرح وہ ان لوگوں میں جا شامل ہوئی جن کی

---

1 مورخین نے زہر دہندہ کے متعلق دو روایتیں لکھی ہیں ایک یہ کہ آپ کو زہر باغوائے یزید آپ کی زوجہ جعدہ بنت اشعث نے دیا ہے۔ دوسرا یہ کہ آپ کو بایماءِ امیر معاویہ زہر دیا گیا ہے۔ یہ دونوں روایتیں موضوع اور خلاف واقعہ ہیں چنانچہ حافظ ابن کثیر نے ان دونوں روایتوں کو غیر صحیح قرار دیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

و عندی انه لیس بصحیح و عدم صحته عن ابیه معاویة بطریق الاولی والاحری۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸، صفحہ ۴۳)

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے زہر خورانی کی مذکورہ روایت پر بڑا ناقدانہ تبصرہ لکھا ہے۔ جو بلفظہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

''مورخین نے زہر خورانی کی نسبت جعدہ بنت اشعث بن قیس کی طرف کی ہے اور اس کو حضرت امام کی زوجہ بتایا ہے اور یہ بھی کہا ہے یہ زہر خورانی باغوائے یزید ہوئی ہے اور یزید نے اس سے نکاح کا وعدہ کیا تھا اس طمع میں آ کر اس نے حضرت امام کو زہر دیا لیکن اس روایت کی کوئی سند صحیح دستیاب نہیں ہوئی اور بغیر کسی سند صحیح کے کسی مسلمان پر قتل کا الزام اور ایسے عظیم الشان قتل کا الزام کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ قطع نظر اس بات کے کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ) روایت کے لیے کوئی سند نہیں ہے اور مورخین نے بغیر کسی معتبر ذریعہ یا معتمد حوالہ کے لکھ دیا ہے۔

یہ خبر واقعات کے لحاظ سے بھی ناقابلِ اطمینان معلوم ہوتی ہے واقعات کی تحقیق خود واقعات کے زمانہ میں جیسی ہو سکتی ہے مشکل ہے کہ بعد کو ویسی تحقیق ہو۔ خاص کر جب کہ واقعہ اتنا اہم ہو، مگر حیرت ہے کہ اہلِ بیت اطہار کے اس امام جلیل کا قتل اس قاتل کی خبر غیر کو تو کیا ہوتی۔ خود حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو پتہ نہیں ہے یہی تاریخیں بتاتی ہیں کہ وہ اپنے برادرِ معظم سے زہر دہندہ کا نام دریافت فرماتے ہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو زہر دینے والے کا علم نہ تھا۔ اب رہی یہ بات کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کسی کا نام لیتے۔ انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ تو اب جعدہ کو قاتل ہونے کے لیے معین کرنے والا کون ہے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو یا امامین کے صاحبزادوں میں سے کسی صاحب کو اپنی آخر حیات تک جعدہ کو زہر خورانی کا کوئی ثبوت نہ پہنچا نہ ان میں سے کسی نے اس پر شرعی مواخذہ کیا۔

ایک اور پہلو اس واقعہ کا خاص طور پر قابلِ لحاظ ہے وہ یہ کہ حضرت امام کی بیوی کو غیر کے ساتھ ساز باز کرنے کی شنیع تہمت کے ساتھ متہم کیا جاتا ہے۔ یہ ایک بدترین تبرا ہے۔ عجب نہیں کہ اس حکایت کی بنیاد خارجیوں کی افتراءات ہوں۔'' (سوانح کربلا صفحہ ۶۴، ۶۵ از مولانا نعیم الدین مراد آبادی)

دنیا اور دین دونوں تباہ و برباد ہو گئے ہیں یہی خسرانِ مبین اور نقصانِ عظیم ہے کہ

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم

امام حسن نے قاتل کا نام نہیں بتایا

زہر خورانی سے آپ کو اسہالِ کبدی کا مرض لاحق ہو گیا جس کے باعث دستوں میں جگر اور آنتیں کٹ کٹ کر نکلنے لگیں۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے آ کر پوچھا کہ

اَیْ اَخِیْ صَاحِبُکَ؟ قَالَ تُرِیْدُ قَتْلَهٗ؟ قَالَ نَعَمْ. قَالَ لَئِنْ كَانَ صَاحِبِیَ الَّذِیْ اَظُنُّ، اَللّٰهُ اَشَدُّ نِقْمَةً. وَ اِنْ لَمْ یَكُنْهُ. مَا اُحِبُّ اَنْ تَقْتُلَ لِیْ بَرِیْئًا.

ترجمہ: بھائی جان! آپ کو زہر کس نے دیا ہے؟ پوچھا: کیا تم اسے (میرے قصاص میں) قتل کرو گے؟ امام حسین علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ امام حسن نے فرمایا: اگر میرا قاتل وہی ہے جس کو میں گمان کرتا ہوں تو اللہ تعالیٰ سخت ترین انتقام لینے والا ہے۔ اور اگر میرا قاتل وہ نہیں جس کو میں خیال کرتا ہوں تو پھر میں یہ نہیں چاہتا کہ تم میری خاطر کسی بے گناہ کو قتل کرو۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا: مجھے تو اس سے پہلے بھی کئی بار زہر دیا گیا لیکن وہ اتنا سخت اور تیز نہیں تھا جتنا کہ اس بار خطرناک زہر مجھے دیا گیا ہے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر شریف کچھ دن کم ساڑھے پینتالیس سال تھی۔ صحیح روایت کے مطابق آپ کی تاریخ پیدائش ۱۵ شعبان ۳ھ ہے۔ بعض مورخین کے نزدیک آپ کی ولادت ماہِ رمضان المبارک میں ہوئی تھی۔

یہاں تک جو واقعات لکھے جا چکے ہیں ان کا تعلق شہادتِ سرّی سے ہے۔ جس کے ساتھ سبطِ اکبر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ مخصوص کیے گئے ہیں۔ اب رہی شہادتِ جہری جس کے ساتھ سبطِ اصغر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو سرفراز کیا گیا ہے تو یہ ایک عظیم سانحہ ہے جس

کے دلدوز واقعات بہت مشہور ہیں اور اس قدر زیادہ شہرت کا باعث بھی یہی ہے کہ یہ شہادت جہری اور ظاہری ہے۔

خونی طوفان کا آغاز

(امام حسین رضی اللہ عنہ) کی اس شہادت کا نقطۂ آغاز اور سبب یہ ہے کہ جب دمشق میں یزید تختِ حکومت پر قابض ہو کر شہنشاہ بن بیٹھا یہ ماہ رجب ۶۰ھ کا واقعہ ہے تو اس نے تمام مسلم ریاستوں اور صوبوں (کے عاملوں اور گورنروں) کو عوام سے اپنی بیعت لینے کے لیے خطوط لکھے۔ (اسی سلسلہ میں) اس نے مدینہ منورہ کے عامل ولید بن عقبہ کو بھی حضرت امام حسین علیہ السلام سے بیعت لینے کے لیے ایک خط لکھا (جب ولید یزید کا یہ پیغام لے کر آپ کے پاس حاضر ہوا تو)

فَامْتَنَعَ الْحُسَیْنُ عَلَیْهِ السَّلَامُ مِنْ بَیْعَتِهٖ لِاَنَّهٗ كَانَ فَاسِقًا مُدْمِنًا لِلْخَمْرِ ظَالِمًا.

ترجمہ: حضرت امام حسین علیہ السلام نے بیعت سے انکار کر دیا۔ کیونکہ یزید فاسق، شرابی اور ایک ظالم انسان تھا۔

امام الشہداء کی مدینہ منورہ سے روانگی

یزید کی بیعت مسترد کرنے کے بعد آپ نے ماہِ شعبان کی چار تاریخ (۶۰ھ) کو مکہ مکرمہ کی طرف کوچ کرنے کا عزم فرمایا۔ یہاں پہنچ کر آپ نے مکہ شریف میں مستقل طور پر اقامت اختیار کر لی۔

کوفیوں کے خطوط

جب کوفہ والوں کو امام حسین کے (یزید کی بیعت ٹھکرا دینے کے بعد مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ پہنچنے) کی اطلاع ملی تو ان کے بہت سے قبیلوں اور گروہوں نے بالاتفاق آپ کی طرف ایک خط لکھا جس میں انہوں نے آپ کو اپنے ہاں کوفہ آنے کی دعوت دی کہ آپ

یہاں تشریف لائیں ہم جان و مال سے آپ کی مدد و نصرت اور خدمت و حمایت کے لیے تیار ہیں اور اپنے اس مطالبہ پر انہوں نے شدید اصرار کیا۔ حتیٰ کہ پے در پے کوفہ کے ہر قبیلہ اور جماعت کی طرف سے کوئی ڈیڑھ سو کے لگ بھگ چٹھیاں آپ کو موصول ہوئیں۔

امام مسلم کی کوفہ آمد

چنانچہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے کوفیوں کے ان پیہم تقاضوں اور درخواستوں کے پیشِ نظر اپنے چچازاد بھائی امام مسلم بن عقیل کو ان کے پاس کوفہ بھیجا اور اہلِ کوفہ کو ان کی حمایت اور مدد و نصرت کی تاکید بلیغ فرمائی۔ حضرت امام مسلم نے کوفہ پہنچ کر مختار بن عبید کے گھر قیام فرمایا اور بارہ ہزار سے بھی زائد کوفیوں نے آپ کے ہاتھ پر امام حسین علیہ السلام کی بیعت کی۔

جب یہ خبر یزید کی طرف سے مقرر کردہ کوفہ کے گورنر نعمان بن بشیر کو ملی، یہ نعمان رسول اکرم ﷺ کے صحابی تھے تو انہوں نے لوگوں کو اس (تحریک کے نتائج و انجام اور یزید کی برہمی) سے ڈرایا دھمکایا، لیکن انہوں نے صرف تہدید و تنبیہ پر ہی اکتفا کیا اور کسی کے خلاف کوئی تعرض اور انتقامی کارروائی وغیرہ نہ کی۔

نعمان کی معزولی

مسلم بن یزید حضرمی اور عمارہ بن ولید بن عقبہ نے یزید کو ایک خط لکھا جس میں انہوں نے یزید کو امام مسلم کی آمد، اہل کوفہ کا ان کے ساتھ محبت و عقیدت سے پیش آنے، ان کے ہاتھ پر امام حسین کی بیعت کرنے اور ان حالات میں گورنر کوفہ نعمان بن بشیر کا ان سے تغافل برتنے کی مفصل اطلاع دی۔ یہ خط ملتے ہی یزید نے نعمان بن بشیر کو کوفہ کی گورنری سے معزول کر دیا۔

ابن زیاد کا تقرر

اور اس کی جگہ بصرہ کے حاکم عبید اللہ ابن زیاد کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا چنانچہ یہ اپنے نئے عہدہ کا تقرر نامہ ملتے ہی بصرہ سے کوفہ کی طرف چل پڑا۔ یہ مکار کوفہ شہر میں رات کی

تاریکی میں عربی لباس پہن کر جنگل کے اسی راستہ سے آیا جو حجاز سے کوفہ آتا ہے۔ تاکہ اہلِ کوفہ کو اپنے حسین ہونے کا دھوکا دے سکے (چنانچہ اس مکار نے رات کے اندھیرے سے پورا پورا فائدہ اٹھایا) اور کوفیوں نے (جو پہلے ہی حضرت امام حسین کے انتظار میں چشم براہ تھے۔ اندھیرے میں عربی لباس میں ملبوس حجازی راستہ سے آنے والے اس) ابن زیاد کو امام حسین سمجھ کر اس کا والہانہ اور پرجوش استقبال کیا اور اس کو سلامی دی اس کے آگے آگے شاداں و فرحاں مَرْحَبًا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ، قَدِمْتَ خَيْرًا مَقْدَمٍ۔ اے فرزند رسول خوش آمدید، آپ کا آنا مبارک ہو، کے نعرے لگاتے ہوئے چلنے لگے۔ ابن زیاد اس دوران بالکل خاموش چلتا رہا۔ حتیٰ کہ کوفہ کے دارالامارت (گورنر ہاؤس) جا داخل ہوا (اس وقت اہلِ کوفہ کو یہ معلوم ہوا کہ یہ تو ابنِ زیاد ہے جو اس مکاری اور چالاکی سے یہاں آیا ہے اگر ابنِ زیاد اعلانیہ آتا تو کوفی اس کو کبھی شہر میں داخل نہ ہونے دیتے)

ابنِ زیاد کی سازش

جب صبح ہوئی تو ابن زیاد نے تمام لوگوں کو جمع کیا اور پہلے ان کو یزیدی حکومت کی طرف سے اپنا تقرر نامہ پڑھ کر سنایا۔ اس کے بعد ان کو یزید کی مخالفت سے روکنے کے لیے ڈرایا دھمکایا۔ الغرض ابنِ زیاد نے مختلف حیلوں اور تدبیروں کے ساتھ امام مسلم بن عقیل کے طرف داروں اور حامی جماعت میں پھوٹ اور اختلاف پیدا کر کے ان کو منتشر کر دیا۔ امام مسلم یہ دگرگوں حالات دیکھ کر ہانی ابن عروہ کے گھر جا کر روپوش ہو گئے۔ ابن زیاد نے محمد بن اشعث کو ایک دستہ فوج کا دے کر ہانی کے گھر روانہ کیا اور ہانی کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا۔ اسی طرح کوفہ کے باقی تمام بڑے بڑے سرداروں اور بااثر لوگوں کو بھی پکڑ کر اپنے پاس محل میں ہی نظر بند کر دیا۔

کوفیوں کی بے وفائی

حضرت امام مسلم کو جب یہ اطلاع موصول ہوئی تو آپ نے اپنے تمام حامیوں اور طرف داروں کو ندا دے کر بلایا جس پر آپ کے پاس چالیس ہزار کوفی اکٹھے ہو گئے اور

ان کو لے کر آپ نے محل کا محاصرہ کرلیا۔ اس صورتِ حال کو دیکھ کر ابن زیاد نے محل میں نظر بند کوفی سرداروں کو حکم دیا کہ (اگر انہیں اپنی جان عزیز ہے) تو اپنے عزیزوں، رشتہ داروں اور زیر اثر لوگوں کو امام مسلم کی حمایت اور رفاقت سے روکیں۔ چنانچہ ان کوفی سرداروں نے اپنی جان بچانے کی خاطر آپ کے حامیوں اور محل کا محاصرہ کرنے والے لوگوں کو سمجھا بجھا کر اور ان کو طرح طرح سے ڈرا دھمکا کر امام مسلم کی رفاقت سے منع کیا (یہ حیلہ کارگر ہوا) اور تمام کوفی منتشر ہوکر بھاگنے لگے۔ حتیٰ کہ شام تک آپ کے ساتھ صرف پانچ سو کوفی رہ گئے جب رات کا اندھیرا بڑھا تو وہ بھی آپ کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ گئے اور اب امام مسلم بالکل تنہا اور اکیلے رہ گئے۔

حضرت امام مسلم اس عالمِ بے کسی میں پریشان ہوکر راہ میں سوچنے لگے کہ اب کہاں جائیں۔ پھر (طوعہ نامی) ایک خاتون کے گھر گئے اور اس سے پانی مانگا۔ اس نیک دل خاتون نے آپ کو پانی پلایا اور نہایت احترام سے آپ کو اپنے گھر ٹھہرالیا اس خاتون کا بیٹا محمد ابن اشعث کا ملازم تھا۔ اس نے جاکر اپنے مالک محمد بن اشعث کو بتادیا اس نے فوراً ابن زیاد کو اطلاع دی۔ ابن زیاد نے کوفہ کے کوتوال عمرو ابن حریث اور محمد بن اشعث کو امام مسلم کے گرفتار کرنے کے لیے بھیجا۔ انہوں نے آکر اس مکان کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔

امام مسلم کی شہادت

یہ حالات دیکھ کر امام مسلم تلوار برہنہ کئے گھر سے باہر نکل آئے اور محاصرین سے لڑنے لگے۔ محمد ابن اشعث نے آپ کو امان دی اور آپ کو پکڑ کر ابن زیاد کے پاس لے گیا اس ظالم نے آپ کا سر کٹوا کر لاشِ مبارک محل سے باہر کوفیوں کے سامنے پھینک دی اور ہانی کو سولی دے دیا۔ یہ افسوسناک واقعہ ۳ ذوالحج ۶۰ ھ میں رونما ہوا۔ ابن زیاد بدنہاد نے امام مسلم رضی اللہ عنہ کے دو کمسن شہزادوں محمد اور ابراہیم کو بھی آپ کے ساتھ شہید کردیا۔

امام عالی مقام کا عزم کوفہ

اسی روز (بتاریخ ۳ ذوالحج) جس میں حضرت امام مسلم اور ان کے شہزادوں کو

شہید کیا گیا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام مکہ معظمہ سے کوفہ کی جانب کوچ فرماتے ہیں۔ بعض سیرت نگاروں نے آپ کی تاریخ روانگی آٹھ ذوالحج لکھی ہے۔ آپ کی روانگی کا سبب یہ تھا کہ حضرت امام مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت سے پہلے آپ کی طرف ایک خط لکھ دیا تھا جس میں انہوں نے آپ سے کوفہ تشریف لانے کی درخواست کی تھی۔

دوستوں کی بے قراری اور مشورے

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے جب سفر کوفہ کی مکمل تیاری کرلی تو حضرت عبداللہ ابن عباس، عبداللہ ابن عمر، جابر، ابوسعید خدری اور ابوواقد لیثی رضی اللہ عنہم نے آپ کو اس ارادہ سے روکا لیکن آپ ان حضرات کے منع کرنے کے باوجود نہ رکے اور اپنے ارادۂ سفر پر قائم رہے اور فرمانے لگے کہ میں نے اپنے والد بزرگوار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ كَبْشًا يُسْتَحَلُّ بِهٖ مِلَّةٌ.
فَلَا اَكُوْنُ اَنَا ذَالِكَ الْكَبْشُ.

ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایک مینڈھا کے باعث کعبۃ اللہ کی عزت وحرمت پامال کی جائے گی۔ لہٰذا مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ مینڈھا میں ہی نہ بن جاؤں۔

یعنی کعبۃ اللہ کی عزت وحرمت ایک آدمی کے قتل کے باعث پامال ہوگی یہ فرمانے کے بعد آپ اپنے اہلِ بیت، دیگر ساتھیوں، خادموں اور غلاموں سمیت کل ۸۲، افراد کے ہمراہ کوفہ کی طرف چل پڑے۔

اندوہناک خبر

راستہ میں ہی آپ نے یہ افسوسناک خبر سنی کہ حضرت امام مسلم رضی اللہ عنہ کو شہید کردیا گیا ہے اور ان کے حامی کوفیوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا ہے تو آپ نے وہاں سے ہی مکہ مکرمہ پلٹ آنے کا ارادہ کرلیا۔ لیکن حضرت امام مسلم کے بھائیوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم

جب تک اپنے بھائی (کے ناحق قتل) کا انتقام اور بدلہ نہ لے لیں واپس نہیں جائیں گے یا پھر ہم بھی ان ہی کی طرح شہید ہو جائیں گے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: تمہارے بغیر تو زندگی میں کوئی لطف نہیں۔

حُر کی مزاحمت

اس گفتگو کے بعد آپ نے سفر جاری رکھنے کا فیصلہ کیا اور عراق کی جانب چل پڑے جب کوفہ دو منزل کے فاصلہ پر دور رہ گیا تو آپ کو حُر بن یزید ریاحی آملا۔ اس کے ہمراہ ابن زیاد کی فوج کے ایک ہزار مسلح سپاہی اور لشکری تھے یہ حضرت امام حسین علیہ السلام سے کہنے لگا مجھے ابن زیاد نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ اس نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ آپ کو واپس نہ جانے دوں اور اس وقت تک آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں جب تک کہ آپ کو ابنِ زیاد کے سامنے پیش نہ کر دوں اور اللہ کی قسم! میں یہ جرأت اور گستاخی مجبوراً بادلِ نخواستہ کر رہا ہوں۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا جواب

حر بن یزید ریاحی کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا۔ میں از خود اپنی مرضی اور ارادہ سے تمہارے اس شہر کوفہ میں نہیں آیا اور نہ ہی میں نے اس طرف آنے کا کوئی اقدام کیا تا آنکہ اہلِ کوفہ کے میرے پاس خط آئے ان کے قاصد اور پیغام آئے (جس میں انہوں نے مجھے کوفہ آنے کی با اصرار دعوت دی) اے حاضرین! تم بھی تو کوفہ کے رہنے والے ہو، پس اگر تم اپنے اس عہد و پیمان پر قائم ہو جو تم نے بیعت کی صورت میں (حضرت امام مسلم کے ہاتھ پر) مجھ سے کیا تھا تو میں تمہارے شہر میں داخل ہوتا ہوں اور اگر تم اپنے وعدہ پر قائم نہیں رہے تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔

حُر نے آپ کو جواب دیا: خدا کی قسم! مجھے ان خطوں اور قاصدوں جن کا آپ نے ذکر فرمایا ہے کوئی علم نہیں اور میں آپ کو چھوڑ کر کوفہ واپس بھی نہیں جا سکتا۔ بلکہ میں آپ کے ساتھ ساتھ رہوں گا یہاں تک کہ آپ کو ابن زیاد کے روبرو پیش کر دوں۔ اس طرح کی طویل گفتگو امام حسین اور حُر کے مابین ہوئی (ابن زیاد نے اس نیک دل جرنیل کو حضرت

امام کو حراست میں لے کر اپنے سامنے پیش کرنے کے لیے روانہ کیا تھا)

دشتِ کربلا میں نزولِ اجلال

اس گفتگو کے بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کا راستہ چھوڑ کر ایک دوسرے راستہ پر چل پڑے اور اکسٹھ ہجری محرم کی دوسری تاریخ کو میدانِ کربلا میں پڑاؤ ڈالا۔ اس جگہ اترنے کے بعد آپ نے اس جگہ کا نام دریافت کیا تو بتایا گیا کہ اس جگہ کو کربلا کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا: واقعی یہ جگہ کرب و بلا یعنی رنج اور مصیبت والی جگہ ہے۔ پھر آپ کے تمام ہمراہی اتر پڑے اور اپنا مال و اسباب نیچے رکھ دیا۔ حُر نے بھی اپنے لشکر سمیت کربلا میں ہی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے ڈیرہ لگا دیا۔

ابنِ زیاد کا خط

ابنِ زیاد نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں ایک خط لکھ بھیجا جس میں آپ سے یزید کی بیعت قبول کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا جب یہ خط آپ کو موصول ہوا تو آپ نے اس خط کو پڑھنے کے بعد پھینک دیا اور قاصد سے فرمایا: اس خط کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔ قاصد نے واپس جا کر ابن زیاد کو آپ کے خط پھینک دینے کا ماجرا سنایا تو وہ غصہ سے آگ بگولا ہو گیا اور لوگوں کو اکٹھا کر کے حضرت امام حسین علیہ السلام کے مقابلہ کے لیے ایک بڑا لشکر تیار کیا اور عمرو ابن سعد کو اس کا سپہ سالار متعین کیا۔

بدنصیب سپہ سالار

ابنِ سعد قبل ازیں رے (موجودہ نام تہران) کا حاکم تھا۔ ابتداء میں تو اس نے فرزندِ رسول حضرت امام حسین علیہ السلام کے مقابلہ میں نکلنے سے خود کو بچانے کی بڑی کوشش کی مگر جب ابن زیاد نے اس کو یہ کہا کہ یا تو حضرت امام سے لڑنے کے لیے باہر نکلو یا رے کی حکومت سے دستبردار ہو کر اپنے گھر جا بیٹھو۔ ابن سعد نے حکومت رے کو اختیار کیا اور کوفیوں کی کثیر التعداد فوج لے کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے مقابلہ اور جنگ کرنے کے

لیے چل پڑا۔ ابن زیاد پیچھے سے ابنِ سعد کی کمک اور امداد کے لیے متواتر اور مسلسل ایک ایک سردار کی قیادت میں کوئی فوج کے دستے روانہ کرتا رہا حتیٰ کہ ابنِ سعد کے پاس بائیس ہزار سوار اور پیادہ فوج جمع ہو گئی۔

اہلِ بیت کا پانی بند کر دیا

بائیس ہزار کے اس لشکرِ عظیم نے نہر فرات کے کنارے اپنا کیمپ لگا دیا۔ اور حضرت امام حسین اور ان کی اہلِ بیت اور ان کے ساتھیوں پر فرات سے پانی بند کر دیا۔ ابن سعد کی قیادت میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے میدان میں آنے والی اس یزیدی فوج میں اکثریت ان ہی کوفیوں کی تھی جنہوں نے آپ کو خط لکھے تھے اور (امام مسلم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر) آپ کی بیعت بھی کی تھی۔

جب حضرت امام حسین کو پورا یقین ہو گیا کہ اب یہ لوگ میرے ساتھ جنگ کرنے اور لڑنے کی ٹھان چکے ہیں، تو آپ نے اپنے ساتھیوں کو اپنے لشکر کے اردگرد ایک خندق نما کھائی کھودنے کا حکم دیا اور اس کا صرف ایک طرف دروازہ رکھا جہاں سے نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا جا سکے۔

حق و باطل کا خونچکاں معرکہ

(جب دسویں محرم کا سورج طلوع ہوا) تو ابن سعد کا لشکر جنگ کے لیے سوار ہوا اور حضرت امام حسین علیہ السلام کو گھیرے میں لے کر ان پر یکبارگی حملہ کر کے لڑائی کا آغاز کر دیا۔ حضرت امام کے اہلِ بیت کے نوجوان اور ساتھی بھی دادِ شجاعت دیتے ہوئے یکے بعد دیگرے شہادت پانے لگے حتیٰ کہ جب آپ کے پچاس سے زائد جوانمرد ساتھی شہید ہو گئے۔

حُر بارگاہِ حسینی میں

تو اس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام نے نہایت اندوہناک آواز میں یہ صدا دی کہ

اَمَا مِنْ مُّغِيْثٍ يُّغِيْثُنَا لِوَجْهِ اللّٰهِ اَمَا مِنْ ذَآبٍّ يَذُبُّ عَنْ حَرَمِ

رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

ترجمہ: ہے کوئی مددگار اللہ کے لیے ہماری مدد کرنے والا ہے کوئی رسول اللہ ﷺ کے حرمِ پاک کو دشمنوں سے بچانے والا۔

حُر بن یزید ریاحی، جس کا پیچھے ذکر گزر چکا ہے، نے حضرت امام عالی مقام کی اس دلدوز پکار کو سنا تو فوراً بے تابانہ انداز میں گھوڑے پر سوار یزیدی فوج سے نکل کر حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور عرض کی: اے فرزندِ رسول اللہ ﷺ میں ہی وہ پہلا شخص ہوں جس نے آپ کے مقابلہ میں آنے کی جرأت اور گستاخی کی تھی۔ اب میں آپ کے غلاموں میں شامل ہو گیا ہوں۔ مجھے حکم دیجیے تاکہ میں آپ کی حمایت اور نصرت میں لڑتے ہوئے اپنی جان قربان کر دوں۔ شاید اس طرح کل قیامت کے روز مجھے آپ کے نانا کی شفاعت نصیب ہو جائے اور میری یہ جاں نثاری میرے گذشتہ گناہ کا کفارہ بن جائے۔

حُر کی فداکاری

اس کے بعد حُر ابن سعد کے لشکر پر ٹوٹ پڑا اور ان دشمنانِ اہلِ بیت سے بڑی بہادری سے لڑتا رہا یہاں تک کہ اس مردِ حق نے راہِ خدا میں اپنی جان قربان کر دی۔ صرف ایک اپنی جان ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ اس کے بھائی، بیٹے اور اس کے غلام نے بھی اپنی جانِ عزیز کا نذرانہ پیش کر کے مرتبۂ شہادت پایا۔ پھر فریقین میں انتہائی خونریز لڑائی ہوئی۔ حتیٰ کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے تمام اعوان و انصار اور ساتھی جن میں آپ کے بیٹے، بھائی اور چچازاد بھائی سب ایک ایک کر کے شہید ہو گئے۔

تنہا است امام در صفِ اعداء

اب صرف حضرت امام عالی مقام تنہا باقی رہ گئے تھے۔ چنانچہ آپ بذاتِ خود ہاتھ میں برہنہ تلوار لے کر دشمن کے مقابلہ کے لیے نکلے اور ان سے لڑنے لگے جو سامنے آیا آپ اس کو تہِ تیغ کرتے گئے یہاں تک کہ بے شمار یزیدی مارے گئے کشتوں کے پشتے لگا

دیئے۔ (بائیس ہزار دشمنوں کا مقابلہ تین دن کے بھوکے پیاسے اور پھر تنہا آپ کب تک کرتے) بالآخر زخموں سے جسم اقدس چُور چُور ہو گیا اور آپ بالکل نڈھال ہو گئے ادھر چاروں طرف سے دشمنوں کے تیر بارش کی طرح آپ پر برسنے لگے۔

شمر ذی الجوشن شکونی نے جب دیکھا کہ اب حضرت امام میں مقابلہ اور جنگ کرنے کی سکت نہیں رہی تو وہ فوج کا ایک دستہ لے کر آگے بڑھا اور حضرت امام حسین اور خیمۂ اہلِ بیت کے درمیان حائل ہو گیا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اس صورتِ حال کو دیکھ کر ان کو ڈانٹا اور فرمایا: اے شیطان کے چیلو! جنگ تو میری اور تمہاری ہے (بزدلو!) تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ مستورات کے کیوں درپے آزار ہو۔ وہ تو تم سے جنگ اور مقابلہ نہیں کر رہیں یہ سن کر شمر نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا مستورات کی طرف نہ جاؤ بلکہ پہلے اس شخص (امام حسین) کی طرف بڑھو۔

شہید گلگوں قباء

چنانچہ شمر کے سپاہیوں نے تیروں اور نیزوں سے چاروں طرف سے آپ پر یکبارگی حملہ کر دیا اور حضرت امام شہید ہو کر گھوڑے سے نیچے گر پڑے پھر آپ کا سر اقدس کاٹنے کے لیے پہلے تو نصر ابن خرشہ آگے بڑھا لیکن آپ کی ہیبت سے مرعوب ہو گیا اور سر کاٹنے پر قدرت نہ پا سکا تو خولی بن یزید گھوڑے سے اترا اور اس ظالم نے آپ کا سر مبارک تن اقدس سے کاٹ کر جدا کیا۔

اے کربلا کی خاک تو اس احسان کو نہ بھول
تڑپی ہے تجھ پہ نعش جگر گوشۂ رسول

ایک دوسری روایت میں آپ کی شہادت اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام زخموں سے نڈھال ہو گئے اور قوتِ مقابلہ بالکل جواب دے گئی اس حالت میں بھی کسی کو آپ کے قریب آنے کی جرأت نہیں پڑتی تھی، تو شمر نے اپنے سپاہیوں

کو ڈانٹ پلاتے ہوئے کہا تم پر سخت افسوس ہے۔ تم کیا انتظار کر رہے ہو یہ شخص تو اب زخموں سے چور چور ہے مقابلہ کی ہمت نہیں رکھتا۔ شمر کے ابھارنے پر یزیدی فوج نے حضرت امام عالی مقام پر تیروں اور نیزوں کی بوچھاڑ کر دی۔ کسی ایک بدبخت ظالم کا تیر آیا جو آپ کے تالو مبارک میں پیوست ہو گیا جس کے صدمہ سے آپ چکرا کر گھوڑے سے نیچے گر پڑے گرتے ہی شمر نے بڑھ کر آپ کے منہ پر وار کیا اور اوپر سے سنان ابن انس نخعی نے آپ کو نیزہ گھونپ دیا (اور آپ شہید ہو گئے) پھر آپ کا سر اقدس کاٹنے کے لیے خولی بن یزید گھوڑے سے اترا لیکن حضرت امام کی ہیبت سے اس کے ہاتھ کانپ گئے یہ منظر دیکھ کر اس کا بھائی شبل ابن یزید اترا تو اس نے آپ کا سر کاٹ کر اپنے بھائی خولی کو دیا۔

سرداد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ فدائے لا الہ است حسین

ستم بالائے ستم

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد دشمن اہلِ بیت کے خیموں میں جا گھسے اور بارہ ہاشمی بچوں اور جتنی وہاں خواتین اور حرم اہل بیت تھیں ان سب کو گرفتار کر کے قیدی بنا لیا۔ پھر ابن سعد اور شمر ذی الجوشن کے حکم سے یزیدی فوجوں نے گھوڑوں پر سوار ہو کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی لاش مبارک کو گھوڑوں کے سموں سے روند ڈالا۔ اس کے بعد آپ کا سر اقدس بشیر ابن مالک اور خولی ابن یزید کے ہاتھ ابن زیاد کے پاس کوفہ بھجوا دیا۔

شہدائے اہلِ بیت

حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ آپ کے اہلِ بیت میں سے درج ذیل حضرات نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔

حضرت عباس، حضرت عثمان، حضرت محمد، حضرت عبداللہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہم یہ پانچوں حضرت علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں (اور حضرت امام عالی مقام کے سوتیلے بھائی)

حضرت امام حسن ابن علی رضی اللہ عنہ کے چار صاحبزادے حضرت قاسم، حضرت عبداللہ، حضرت عمر، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہم۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے اپنے دولختِ جگر ایک تو حضرت علی اکبر ہیں جو اپنے والد بزرگوار کے سامنے ہی دشمنوں سے بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے اور دوسرے حضرت عبداللہ (ان کا مشہور نام علی اصغر ہے) انہوں نے میدانِ کربلا میں شیر خوارگی میں ہی شہادت پائی۔ یہ اپنے والد بزرگوار کی گود میں تھے کہ اچانک کسی ظالم کا تیر آلگا اور اس ننھے شہید نے باپ کے ہاتھوں میں ہی تڑپ کر جان دے دی۔

اس کے علاوہ آپ کے ساتھ حضرت عبداللہ ابن جعفر کے دو صاحبزادوں حضرت محمد اور حضرت عون رضی اللہ عنہم نے بھی آپ کے ہمراہ راہِ حق میں جان دے کر مرتبۂ شہادت پایا۔

بوقتِ شہادت حضرت امام کی عمر

آپ نے یومِ عاشورہ یعنی محرم کی دسویں تاریخ (بروز جمعہ) ۶۱ھ میں شہادت پائی۔ اس وقت آپ کی عمر شریف چھپن سال پانچ ماہ اور پانچ دن تھی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔

سرِ امام نیزے کی نوک پر

ابن زیاد بدنہاد نے حکم دیا کہ حضرت امام کے سر مبارک کو کوفہ کے گلی کوچوں میں پھیرا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ پھر اس نے شمر ذی الجوشن کی نگرانی میں سرِ اقدس کو دوسرے شہیدوں کے سروں اور اسیرانِ اہلِ بیت کے ساتھ یزید کے پاس بھیج دیا۔ یزید اس وقت اپنے دارالحکومت دمشق میں تھا۔ وہاں سے پھر اس نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی اہلِ بیت اور آپ کے سر مبارک کو حضرت زین العابدین علی ابن حسین رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مدینہ منورہ کی طرف روانہ کر دیا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون۔

ترجمہ: ہم سب اللہ کے ہی ہیں اور ہم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

آپ کی شہادت کے متعلق احادیث وروایات

نبی اکرم ﷺ نے شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ کے اس ہولناک واقعہ کے متعلق جن احادیث میں بذریعہ وحی، حضرت جبرائیل علیہ السلام یا دیگر فرشتوں کے واسطہ سے خبر دی ہے وہ احادیث مشہور و معروف اور متواتر ہیں۔ ان احادیث وروایات سے ایک یہ ہے جس کو ابن سعد اور طبرانی نے نقل کیا ہے کہ

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ اَخْبَرَنِيْ جِبْرَئِيْلُ اَنَّ ابْنِيْ الْحُسَيْنَ يُقْتَلُ بَعْدِيْ بِاَرْضِ الطَّفِّ وَ جَآءَنِيْ بِهٰذِهِ التُّرْبَةِ فَاَخْبَرَنِيْ اِنَّهَا مَضْجَعُهٗ۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے حضرت جبرائیل نے آ کر بتایا کہ میرا بیٹا حسین میرے بعد طف (کربلا) کی زمین پر شہید کر دیا جائے گا۔ جبرائیل نے مجھے اس مقام کی یہ مٹی لا کر دی اور بتایا کہ یہ زمین حسین کا مقتل بنے گی۔

دوسری حدیث

اس حدیث کو امام ابوداؤد اور حاکم نے حضرت ام فضل بنت حارث رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے آپ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

اَتَانِيْ جِبْرَئِيْلُ فَاَخْبَرَنِيْ اَنَّ اُمَّتِيْ سَتَقْتُلُ ابْنِيْ هٰذَا يَعْنِي الْحُسَيْنَ وَ اَتَانِيْ بِتُرْبَةٍ مِنْ تُرْبَتِهٖ حَمْرَآءَ۔

ترجمہ: میرے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور مجھے یہ خبر دی کہ میری امت عنقریب میرے اس بیٹے حسین کو شہید کر دے گی اور جبرائیل نے مجھے اس جگہ (مقام شہادت) کی تھوڑی سی سرخ رنگ مٹی بھی لا کر دی۔

تیسری حدیث

وَ اَخْرَجَ اَحْمَدُ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ لَقَدْ دَخَلَ عَلَیَّ الْبَیْتَ مَلَكٌ لَمْ یَدْخُلْ عَلَیَّ قَبْلَهَا فَقَالَ لِیْ اِنَّ ابْنَكَ هٰذَا یَعْنِیْ حُسَیْنًا مَقْتُوْلٌ وَ اِنْ شِئْتَ اَرَیْتُكَ مِنْ تُرْبَةِ الْاَرْضِ الَّتِیْ یُقْتَلُ بِهَا فَاَخْرَجَ تُرْبَةً حَمْرَآءَ.

ترجمہ: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میرے گھر میں ایک فرشتہ آیا جو اس سے پہلے کبھی میرے پاس نہیں آیا تھا اس فرشتے نے مجھے بتایا کہ آپ کا یہ بیٹا حسین شہید کیا جائے گا اور اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو اس جگہ کی مٹی دکھا دوں جہاں ان کو شہید کیا جائے گا۔ پھر اس فرشتہ نے تھوڑی سی سرخ مٹی نکال کر دکھائی۔

چوتھی حدیث

حضرت امام محی السنہ بغوی اپنی کتاب ''معجم'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کرتے ہیں حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ بارش کے فرشتہ نے اللہ تعالیٰ سے نبی اکرم ﷺ کی زیارت کے لیے اجازت طلب کی اللہ تعالیٰ نے اس کو اجازت عطا فرما دی وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نبی اکرم ﷺ اس وقت حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر رونق افروز تھے۔ آپ نے فرمایا: اے امِ سلمہ! دروازے کا اچھی طرح خیال رکھنا کوئی اندر نہ آنے پائے۔ چنانچہ حضرت امِ سلمہ دروازے پر نگہبانی فرما رہی تھیں کہ اتنے میں حضرت امام حسین علیہ السلام آئے اور زبردستی نبی اکرم ﷺ کے پاس اندر چلے گئے اور آپ کے اوپر کھیلنے کودنے لگے تو نبی اکرم ﷺ ان کو اپنی گود میں لے کر چومنے اور پیار کرنے لگے یہ منظر دیکھ کر اس فرشتہ نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا:

اَتُحِبُّهٗ؟ قَالَ نَعَمْ، قَالَ اِنَّ اُمَّتَكَ سَتَقْتُلُهٗ وَ اِنْ شِئْتَ اُرِیْكَ

الْمَكَانَ الَّذِیْ یُقْتَلُ بِهٖ، فَاَرَاهُ فَجَآءَ بِسَهْلَةٍ اَوْ تُرَابٍ اَحْمَرَ فَاَخَذَتْهُ اُمُّ سَلَمَةَ فَجَعَلَتْهُ فِیْ ثَوْبِهَا.

ترجمہ: حضور! کیا آپ ان سے محبت رکھتے ہیں آپ نے فرمایا: ہاں، میں ان سے محبت رکھتا ہوں۔ فرشتے نے عرض کی: انہیں تو آپ کی اُمت عنقریب شہید کر دے گی۔ اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو وہ جگہ دکھا دوں جہاں ان کو شہید کیا جائے گا اس کے بعد اس نے آپ کو ایک باریک سرخ مٹی دکھائی حضرت ام سلمہ نے وہ مٹی لے کر اپنے کپڑے میں محفوظ رکھ لی۔

حضرت ثابت کہتے ہیں کہ ہم برملا کہا کرتے تھے کہ وہ مٹی میدانِ کربلا کی ہے۔

اس روایت کو ابو حاتم نے اپنی کتاب ''صحیح'' میں بھی نقل کیا ہے اور ابن احمد نے اپنی کتاب ''زیادۃ المسند'' میں اس روایت کو اس طرح نقل کیا ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:

ثُمَّ نَاوَلَنِیْ كَفًّا مِنْ تُرَابٍ اَحْمَرَ.

ترجمہ: حضور علیہ السلام نے فرمایا: پھر اس فرشتہ نے مجھے مٹھی بھر سرخ رنگ کی مٹی دی۔

پانچویں حدیث

امام حاکم اور بیہقی روایت کرتے ہیں کہ حضرت ام فضل رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ایک دن حضرت امام حسین کو اٹھائے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور حضرت امام کو آپ کی گود میں رکھ دیا۔ پھر کچھ دیر بعد اچانک میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں دریافت کرنے پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

اَتَانِیْ جِبْرَئِیْلُ فَاَخْبَرَنِیْ اَنَّ اُمَّتِیْ تَقْتُلُ اِبْنِیْ هٰذَا وَ اَتَانِیْ بِتُرْبَةٍ مِنْ تُرْبَتِهٖ حَمْرَآءَ.

ترجمہ: حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھے آ کر خبر دی ہے کہ میری امت میرے اس بیٹے (حسین) کو شہید کر دے گی اور جبرئیل نے مجھے اس جگہ کی

سرخ مٹی بھی لا کر دی ہے۔

چھٹی حدیث

اسحاق ابن راہویہ، بیہقی اور ابو نعیم ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ آپ فرماتی ہیں کہ

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اضطَجَعَ ذَاتَ یَوْمٍ فَاسْتَیْقَظَ وَھُوَ حَاسِرٌ وَ فِیْ یَدِہٖ تُرْبَةٌ حَمْرَآءُ یُقَلِّبُھَا قُلْتُ مَا ھٰذِہِ التُّرْبَةُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَخْبَرَنِیْ جِبْرَئِیْلُ اَنَّ ھٰذَا یَعْنِیْ الْحُسَیْنُ یُقْتَلُ بِاَرْضِ الْعِرَاقِ وَ ھٰذِہٖ تُرْبَتُھَا.

ترجمہ: رسولِ خدا ﷺ ایک روز سو رہے تھے کہ آپ فوراً جاگ اٹھے اور آپ غمگین اور پریشان تھے آپ کے ہاتھ میں تھوڑی سی سرخ مٹی تھی جسے آپ الٹ پلٹ رہے تھے، میں نے عرض کی: یارسول اللہ! یہ مٹی کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا: مجھے جبرائیل علیہ السلام نے یہ خبر دی ہے کہ یہ (میرا بیٹا) حسین عراق کی زمین پر شہید کیا جائے گا اور یہ اس مقام کی مٹی ہے۔

ساتویں حدیث

امام بیہقی اور ابو نعیم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ بارش برسانے والے فرشتے نے اللہ تعالیٰ سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری دینے کی اجازت طلب کی تو اس کو اجازت مل گئی (اور وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا) اتنے میں حضرت امام حسین اندر تشریف لائے اور آ کر نبی اکرم ﷺ کے دوشِ مبارک پر چڑھنے لگے۔ اس فرشتے نے پوچھا: کیا آپ ان سے محبت کرتے ہیں؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ فرشتے نے عرض کی: انہیں تو آپ کی امت شہید کر دے گی اور آپ چاہیں تو میں آپ کو وہ جگہ دکھا دوں جہاں ان کو شہید کیا جائے گا۔ پھر اس نے زمین پر ہاتھ مارا اور آپ کو سرخ رنگ کی تھوڑی سی مٹی دکھائی۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے وہ مٹی لے کر اپنے کپڑے میں باندھ کر محفوظ

رکھ لی۔ حدیث کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم یہ بات لوگوں سے اکثر سنتے تھے یعنی یہ مشہور تھا کہ حضرت امام حسین کربلا میں شہید ہوں گے۔

آٹھویں حدیث

ابو نعیم ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں۔ آپ بیان فرماتی ہیں کہ حضرت حسن اور حسین میرے گھر میں کھیل رہے تھے کہ جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر نازل ہوئے اور عرض کی:

یَا مُحَمَّدُ اَنَّ اُمَّتَكَ تَقْتُلُ اِبْنَكَ ھٰذَا مِنْ بَعْدِكَ وَ اَوْمٰی اِلَی الْحُسَیْنِ وَ اَتَاہُ بِتُرْبَةٍ فَشَمَّھَا ثُمَّ قَالَ رِیْحُ کَرْبٍ وَّ بَلَآءٍ وَ قَالَ یَا اُمَّ سَلَمَةَ اِذَا تَحَوَّلَتْ ھٰذِہِ التُّرْبَةُ دَمًا فَاعْلَمِیْ اَنَّ اِبْنِیْ قَدْ قُتِلَ فَجَعَلَتْھَا فِیْ قَارُوْرَةٍ.

ترجمہ: یارسول اللہ ﷺ آپ کے بعد آپ کی امت آپ کے اس بیٹے کو شہید کر دے گی اور ہاتھ سے حضرت حسین کی طرف اشارہ کیا اور پھر آپ کی خدمت میں تھوڑی سی مٹی پیش کی جس کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سونگھ کر فرمایا اس مٹی سے رنج و مصیبت کی بو آتی ہے اس کے بعد آپ نے فرمایا: اے ام سلمہ! جب یہ مٹی خون بن جائے تو اس وقت جان لینا کہ میرے بیٹے کو شہید کر دیا گیا ہے حضرت ام سلمہ نے وہ مٹی لے کر ایک شیشی میں محفوظ رکھ لی۔

نویں حدیث

ابن عساکر روایت کرتے ہیں کہ حضرت محمد ابن عمر ابن حسن رضی اللہ عنہم سے بیان ہے کہ ہم کربلا میں نہر فرات پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ موجود تھے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے شمر ذی الجوشن کو دیکھ کر فرمایا:

صَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ. قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی

كَلْبٍ اَبْقَعَ يَلَغُ فِىْ اَهْلِ بَيْتِىْ.

ترجمہ: اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے۔ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا تھا: میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک ابلق رنگ کا کتا میرے اہلِ بیت کے خون میں منہ مار رہا ہے۔

حضور ﷺ نے قاتلِ اہلِ بیت کو ابلق رنگ یعنی سفید داغ والا قرار دیا ہے۔ آپ کے ارشاد کے مطابق قاتلِ امام، شمر ذی الجوشن کے جسم پر کوڑھ برص کی بیماری کے باعث سفید داغ تھے۔

دسویں حدیث

ابنِ سکن اور محی السنہ بغوی نے کتاب ''الصحابہ'' میں اور ابو نعیم نے طریق سُخیم کے مطابق نقل کیا ہے کہ حضرت انس ابن حارث ؓ فرماتے ہیں کہ

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ اَنَّ ابْنِىْ هٰذَا يُقْتَلُ بِاَرْضٍ يُقَالُ لَهَا كَرْبَلَاءُ فَمَنْ يَشْهَدُ ذَالِكَ مِنكُمْ فَلْيَنْصُرْهُ.

ترجمہ: میں نے رسول خدا ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ میرا یہ بیٹا حسین) جس جگہ شہید کیا جائے گا اس کا نام کربلا ہے۔ لہٰذا جو شخص تم میں سے اس وقت وہاں موجود ہو وہ ان کی مدد کرے۔

حضرت انس ابن حارث ؓ معرکہ کربلا میں حاضر ہوئے اور حضرت امام حسین ؓ کے ساتھ جامِ شہادت نوش فرمایا۔

گیارھویں حدیث

امام بیہقی حضرت ابو سلمہ ابنِ عبد الرحمٰن سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام حسین نبی اکرم ﷺ کے پاس تشریف لائے، آپ اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کے دولت کدہ میں جلوہ افروز تھے اور حضرت جبرائیل امین بھی حضور کی خدمت میں حاضر تھے۔ حضرت جبرائیل امین نے عرض کی: یارسول اللہ! عنقریب آپ کی امت ان کو شہید کردے

گی اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو وہ جگہ بتادوں جہاں ان کو شہید کیا جائے گا۔ پھر جبرائیل ؑ نے ہاتھ سے عراق کی جانب طف کی طرف اشارہ کیا اور اس جگہ کی سرخ مٹی بھی اٹھا کر آپ کو دکھائی۔

امام بیہقی نے یہی حدیث ایک دوسرے طریق کے ساتھ حضرت ابو سلمہ سے اور انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے موصولاً بھی روایت کی ہے۔

بارھویں روایت

امام بیہقی، شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ ابن عمر ؓ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ کو بتایا گیا کہ حضرت امام حسین (مکہ مکرمہ) سے عراق روانہ ہو گئے ہیں آپ ان کے پیچھے چل پڑے اور ربذہ سے دو میل ادھر ہی ان سے جا ملے ملاقات کے بعد حضرت عبد اللہ بن عمر نے حضرت امام عالی مقام سے فرمایا:

اِنَّ اللهَ تَعَالٰى خَيَّرَ نَبِيَّهٗ بَيْنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَاخْتَارَ الْاٰخِرَةَ وَلَمْ يُرِدِ الدُّنْيَا وَ اِنَّكُمْ بُضْعَةٌ مِنْهُ وَاللهِ لَايَلِيْهَا اَحَدٌ مِنْكُمْ اَبَدًا وَمَا صَرَفَهَا اللهُ عَنْكُمْ اِلَّا الَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ لَكُمْ فَارْجِعُوْا فَاَبٰى فَاعْتَنَقَهٗ اِبْنُ عُمَرَ وَ قَالَ اَسْتَوْدِعُكَ اللهَ تَعَالٰى مِنْ قَتِيْلٍ.

ترجمہ: اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مصطفیٰ ﷺ کو دنیا و آخرت میں سے کسی ایک کو پسند کرنے کا اختیار دیا تھا اور آپ نے آخرت کو پسند فرمایا اور دنیا کو پسند نہ کیا اور اے (امام حسین) تم بھی ان ہی کے لختِ جگر ہو۔ بخدا تم میں سے کسی کو یہ دنیا نہیں ملے گی اور اللہ تعالیٰ نے تمہاری بہتری ہی کے لیے دنیا کو تم سے دور رکھا ہے۔ اس لیے تم واپس چلو۔ (لیکن حضرت امام نے آپ کا مشورہ قبول نہ فرمایا) اور واپس جانے سے انکار کر دیا۔ تو حضرت عبد اللہ

ابن عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو گلے لگا کر فرمایا: اے شہید! میں تجھے اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔

تیرھویں روایت

امام حاکم روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس بات میں قطعاً کوئی شک نہیں تھا حالانکہ اہلِ بیت رسول بھی بکثرت موجود تھے کہ حضرت امام حسین طف یعنی کربلا میں شہادت پائیں گے۔

چودھویں روایت

ابونعیم، یحییٰ حضرمی سے روایت نقل کرتے ہیں۔ یحییٰ حضرمی کا بیان ہے کہ جنگِ صفین کے سفر میں حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ساتھ تھا۔ جب آپ نینویٰ (کربلا) کے برابر پہنچے تو آپ نے بلند آواز سے فرمایا:

صَبْرًا اَبَا عَبْدِاللهِ بِشَطِّ الْفُرَاتِ قُلْتُ مَاذَا، قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ حَدَّثَنِيْ جِبْرَائِيْلُ اَنَّ الْحُسَيْنَ يُقْتَلُ بِشَطِّ الْفُرَاتِ وَ اَرَانِيْ قَبْضَةً مِنْ تُرْبَتِهٖ.

ترجمہ: اے ابوعبداللہ حسین! فرات کے کنارے صبر کرنا میں نے عرض کیا۔ کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا: نبی اکرم ﷺ نے مجھے فرمایا تھا کہ جبرائیل امین نے بتایا ہے کہ حسین کو نہر فرات کے کنارے پر شہید کیا جائے گا اور جبرائیل نے مجھے اس جگہ کی مٹھی بھر مٹی بھی دکھائی۔

پندرھویں روایت

ابونعیم اصبغ ابن بنانہ سے نقل کرتے ہیں ان کا بیان ہے کہ ہم ایک بار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ اس جگہ آئے جہاں آج حضرت امام حسین کی قبر انور ہے تو آپ نے فرمایا:

هٰهُنَا مُنَاخُ رِكَابِهِمْ وَ مَوْضِعُ رِحَالِهِمْ وَ مُهْرَاقُ دِمَائِهِمْ

فِتْيَةٌ مِنْ اٰلِ مُحَمَّدٍ ﷺ يُقْتَلُوْنَ بِهٰذِهِ الْعَرْصَةِ تَبْكِيْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ.

ترجمہ: یہاں شہدائے کربلا کے اونٹ باندھے جائیں گے۔ اس جگہ ان کے کجاوے رکھے ہوں گے اور اس جگہ ان کا خون بہے گا۔ محمد مصطفیٰ ﷺ کی آلِ پاک کی ایک جماعت اس میدان میں قتل کی جائے گی اور ان کے غم میں ان پر زمین و آسمان روئیں گے۔

سولھویں روایت

امام حاکم، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں اور اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ

اَوْحَى اللهُ تَعَالٰى اِلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ اِنِّيْ قَتَلْتُ بِيَحْيٰى ابْنِ زَكَرِيَّا سَبْعِيْنَ اَلْفًا وَ اِنِّيْ قَاتِلٌ بِابْنِ بِنْتِكَ سَبْعِيْنَ اَلْفًا وَ سَبْعِيْنَ اَلْفًا.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف وحی فرمائی کہ میں نے حضرت یحییٰ ابن زکریا کے انتقام میں ستر ہزار قتل کیے تھے اور اے حبیب! میں تمہارے نواسے کے بدلہ میں ایک لاکھ چالیس ہزار قتل کروں گا۔ (یعنی دوگنا زیادہ)

شہادتِ امام کا اثر دلِ مصطفیٰ پر

امام احمد اور بیہقی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں آپ کا بیان ہے کہ میں ایک روز دوپہر کے وقت خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا میں نے دیکھا کہ آپ کے سراقدس کے بال بکھرے ہوئے اور گرد آلود ہیں۔ آپ کے ہاتھ میں خون سے لبالب بھری ہوئی ایک بوتل ہے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس بوتل میں یہ

خون کیسا ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

دَمُ الْحُسَیْنِ وَ اَصْحَابِہٖ لَمْ اَزَلْ اَلْتَقِطُہٗ مُنْذُ الْیَوْمِ. فَاُحْصِیْ ذَالِکَ الْوَقْتَ فَوَجَدْتُ قَدْ قُتِلَ ذَالِکَ الْیَوْمَ.

ترجمہ: یہ حضرت امام حسین اور ان کے ساتھیوں کا خون ہے جو آج کے دن صبح سے میں جمع کرتا رہا ہوں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے اس وقت اور دن کو یاد رکھا بعد میں مجھے خبر ملی تو معلوم ہوا کہ حضرت امام حسین کو اسی روز شہید کیا گیا۔

حضرت ام سلمہ کا بیان

حاکم اور بیہقی ام المومنین حضرت ام سلمہ ؓ سے روایت نقل کرتے ہیں۔ آپ فرماتی ہیں کہ

رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ فِی الْمَنَامِ وَ عَلٰی رَاْسِہٖ وَ لِحْیَتِہٖ التُّرَابُ فَقُلْتُ مَالَکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ. قَالَ شَہِدْتُ قَتْلَ الْحُسَیْنِ اٰنِفًا.

ترجمہ: مجھے خواب میں رسولِ خدا ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی دیکھا کہ آپ کے سرِ اقدس اور داڑھی مبارک پر گرد و غبار پڑا ہوا ہے میں نے عرض کی: یارسول اللہ! یہ کیا حال ہے۔ آپ نے فرمایا: میں ابھی امام حسین کی شہادت گاہ کربلا میں گیا تھا۔

لہو کی فراوانی

بیہقی اور ابونعیم بصرہ ازدیہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جب کہ حضرت امام حسین ؓ شہید ہوئے تو (رات کو) آسمان سے خون کی بارش برسی۔ صبح کو ہم نے دیکھا کہ ہمارے گھڑے اور مٹکے خون سے لبریز تھے اور ہماری ہر چیز خون آلود تھی۔

زُہری سے بیہقی اور ابونعیم روایت کرتے ہیں۔ زہری کا بیان ہے کہ مجھے یہ خبر ملی

ہے کہ جس روز حضرت امام حسین ؑ کو شہید کیا گیا اس دن بیت المقدس میں جو پتھر بھی اٹھایا جاتا تھا اس کے نیچے سے تازہ اور انتہائی سرخ خون برآمد ہوتا تھا۔

کائنات تاریک ہوگئی

امام بیہقی، اُمِ حبان سے روایت کرتے ہیں کہ جس روز حضرت امام حسین شہید ہوئے تین دن متواتر ہم پر اندھیرا چھایا رہا اور کوئی شخص اپنے منہ پر زعفران اور غازہ وغیرہ نہ لگا سکا۔ بلکہ جس نے منہ پر زعفران لگایا اس کا منہ جل کر سیاہ ہوگیا۔

گوشت زہر آلود ہوگیا

بیہقی، جمیل ابن مرہ سے روایت کرتے ہیں کہ یزیدی سپاہیوں نے لشکر امام حسین ؓ کے چند اونٹ پکڑ لیے اور ان کو ذبح کر کے پکایا تو ان کا گوشت اندرائن کی طرح کڑوا ہوگیا۔ چنانچہ ان کی ایک بوٹی بھی کوئی نہ کھا سکا۔

بیہقی اور ابونعیم سفیان سے روایت کرتے ہیں۔ سفیان بیان کرتے ہیں کہ مجھے میرے دادا نے بتایا کہ جس دن حضرت امام حسین ؓ شہید ہوئے میں نے دیکھا کہ ورس راکھ بن گئی اور گوشت کو میں نے دیکھا تو وہ آگ کے انگارے کی طرح تھا۔

آسمان رویا

بیہقی، علی ابن مسہر سے روایت کرتے ہیں۔ علی ابن مسہر بیان کرتے ہیں کہ میری دادی نے مجھے بتایا کہ میں حضرت امام حسین ؓ کی شہادت کے وقت نوجوان لڑکی تھی آپ کی شہادت کے غم میں کئی روز آسمان (خون کے آنسو) روتا رہا۔ یعنی سرخ رنگ بارش برستی رہی۔

قاتلین امام حسین کا عبرت ناک انجام

ابونعیم بطریق سفیان روایت کرتے ہیں۔ سفیان روایت بیان کرتے ہیں کہ دو آدمی تھے جو حضرت امام حسین ؓ کے شہید کرنے میں شامل تھے ان میں سے ایک کا عذاب الٰہی کے باعث مقام ستر سوج کر اتنا بھاری ہوگیا تھا کہ وہ اس کو کمر کے ساتھ

باندھے رکھتا تھا اور دوسرا شخص پانی سے بھری ہوئے مشکیزے کو منہ لگا کر پی جاتا اور اس طرح دوسرا مشکیزہ بھی منہ لگا کر پی جاتا تھا مگر پھر بھی اس کی پیاس ختم نہیں ہوتی تھی۔

شہادت امام پر جنوں کی آہ وزاری

ابونعیم، حبیب ابن ثابت سے روایت کرتے ہیں۔ حبیب کہتے ہیں کہ میں نے جنوں کو حضرت امام حسین کی شہادت کے غم میں روتے ہوئے سنا اور وہ نہایت غمناک آواز میں روتے ہوئے یہ شعر پڑھتے تھے:

مَسَحَ النَّبِیُّ جَبِیْنَهٗ
فَلَهٗ بَرِیْقٌ فِی الْخُدُوْدِ
اَبَوَاهُ مِنْ عُلْیَا قُرَیْشٍ
وَجَدُّهٗ خَیْرُ الْجُدُوْدِ

ترجمہ: ان کی پیشانی کو نبی اکرم چوما کرتے تھے ان کے چہرے کی نہایت نورانی چمک ہے ان کے ماں باپ قریش میں سربرآوردہ تھے اور ان کے نانا جان تمام کائنات سے افضل تھے۔

ابونعیم بطریق حبیب ابن ثابت روایت نقل کرتے ہیں کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے وصال مبارک کے بعد کبھی جنوں کو روتے نہیں سنا سوائے آج رات کے تو مجھے معلوم ہوگیا کہ میرے بیٹے حسین کو شہید کر دیا گیا ہے میں نے اپنی خادمہ کو باہر جا کر لوگوں سے صورت حال معلوم کرنے کا کہا۔ اس نے واپس آ کر بتایا کہ حضرت امام حسین شہید ہو گئے ہیں۔ جن حضرت امام کی شہادت پر روتے ہوئے یہ شعر پڑھتے تھے:

اَلَا یَا عَیْنُ فَابْتَهِلِیْ بِجُهْدٍ
وَ مَنْ تَبْکِیْ عَلَی الشُّهَدَاءِ بَعْدِیْ

عَلٰی رَهْطٍ تَقُوْدُهُمُ الْمَنَایَا
اِلٰی مُتَجَبِّرٍ فِیْ مُلْكِ عَهْدِیْ

ترجمہ: اے آنکھ جتنا ہو سکے رو لے اور آج کے بعد پھر شہیدوں پر کون روئے گا ان پر رو لے جنہیں موت ایک ظالم بادشاہ کے پاس کھینچ لے گئی۔

ابونعیم، مزیدہ ابن جابر حضرمی سے اور وہ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے خود جنوں کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر روتے ہوئے سنا۔ جن رو رو کر یہ شعر پڑھتے تھے:

اَنْعٰی حُسَیْنًا هَبَلًا
کَانَ حُسَیْنًا جَبَلًا

ترجمہ: میں اشکبار آنکھوں سے امام حسین کی شہادت کی خبر دیتا ہوں وہ حسین جو صبر واستقامت کا ایک عظیم پہاڑ تھے۔

زندۂ جاوید حسین

ابن عساکر، منہال ابن عمر سے روایت نقل کرتے ہیں۔ منہال کا بیان ہے کہ اَنَا وَاللهِ رَاَیْتُ رَاْسَ الْحُسَیْنِ حِیْنَ حُمِلَ وَاَنَا بِدِمَشْقَ وَ بَیْنَ یَدَیِ الرَّاْسِ رَجُلٌ یَقْرَاُ سُوْرَةَ الْکَهْفِ حَتّٰی بَلَغَ قَوْلَهٗ تَعَالٰی. اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحَابَ الْکَهْفِ وَالرَّقِیْمِ کَانُوْا مِنْ اٰیَاتِنَا عَجَبًا فَاَنْطَقَ اللهُ الرَّاْسَ بِلِسَانٍ ذَرْبٍ فَقَالَ اَعْجَبُ مِنْ اَصْحَابِ الْکَهْفِ قَتْلِیْ وَ حَمْلِیْ.

ترجمہ: اللہ کی قسم! میں نے حضرت امام حسین کے سر اقدس کو دیکھا جب یزیدی اس کو اٹھائے لے جا رہے تھے۔ میں اس وقت دمشق میں تھا۔ آپ کے سر اقدس کے سامنے ایک آدمی سورت کہف پڑھتا جا رہا

تھا۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد، اس آیت پر پہنچا:

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا.

ترجمہ: کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ اصحاب کہف میری قدرت کی عجیب نشانیوں میں سے تھے۔

تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے سر اقدس کو قوت گویائی عطا کی اور وہ نہایت صاف اور شستہ زبان میں بول اٹھا۔

وَ اَعْجَبُ مِنْ اَصْحٰبِ الْكَهْفِ قَتْلِيْ وَ حَمْلِيْ.

ترجمہ: اصحاب کہف سے بھی زیادہ تعجب خیز واقعہ تو میرا قتل ہونا اور میرے سر کا اٹھائے پھرنا ہے۔

عجیب واقعہ

ابونعیم طریق ابن لہیعہ سے اور وہ ابوقبیل سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی اور یزیدی آپ کا سر مبارک تن اقدس سے جدا کر کے شام کی طرف روانہ ہوگئے جب وہ پہلی منزل پر پہنچ کر نبیذ پینے کے لیے بیٹھے تو قدرتِ الٰہی سے ایک آہنی قلم ظاہر ہوا جس نے خون سے یہ عبارت لکھی:

اَتَرْجُوْ اُمَّةٌ قَتَلَتْ حُسَيْنًا
شَفَاعَةَ جَدِّهٖ يَوْمَ الْحِسَابِ

ترجمہ: کیا حضرت امام حسین کے قاتل یہ امید رکھتے ہیں کہ قیامت کے دن ان کے نانا جناب محمد مصطفیٰ ﷺ ان کی شفاعت کریں گے۔

حکومتِ یزید پلید

مصنفہ

علامہ مولانا مفتی شریف الحق امجدی دامت برکاتہم العالیہ

....

خلافت معاویہ و یزید پر ایک تحقیقی نظر

۱- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حضرت علی کی خلافت صحیح ہے یا نہیں؟ انہوں نے حضرت عثمان کا قصاص کیوں نہیں لیا؟

۲- یزید فاسق و فاجر تھا یا زاہد و متدین؟ اس کی خلافت درست تھی یا نہیں؟

۳- حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ حق پر تھے یا خطا پر؟ وہ شہید فی سبیل اللہ ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب بعون الملك الوهاب

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدنا حذیفہ الیمان رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ "فتنوں کے متعلق کچھ بتاؤ" انہوں نے معمولی قسم کے چند فتنوں کا ذکر فرمایا۔

حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دوبارہ پوچھا: "یہ نہیں ان فتنوں کو بتاؤ جو سمندر کی موجوں کی طرح امنڈیں گے۔"

حضرت سیدنا حذیفہ الیمان رضی اللہ عنہ نے کہا:

دونك باب مغلق.

ترجمہ: آپ میں اور ان میں دروازہ بند ہے۔

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا۔

یفتح ام یکسر.

ترجمہ: دروازہ کھولا جائے گا یا توڑا جائے گا؟

حضرت سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''توڑا جائے گا۔''

اس پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اذا لا یغلق الٰی یوم القیامة.

ترجمہ: اب قیامت تک فتنوں کا سدباب نہ ہوگا۔

چنانچہ تاریخ اسلام اٹھا کر دیکھو۔ حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم کی شہادت کے بعد ابن سبا کی سازشوں سے جب فتنے اٹھنے شروع ہوئے تو تقریباً چودہ صدیاں گزرنے پر آئیں مگر فتنے بند نہ ہوسکے۔ وہ ابن سبا ہی کی ذریت تھی جنہوں نے حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ حضرت علی، حضرت طلحہ و زبیر اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کو آپس میں لڑا دیا۔ وہ بھی ابن سبا ہی کی ذریعت تھی جو نہروان میں حضرت علی سے خروج کر کے شیر خدا کی ذوالفقار کی شکار ہوئی۔ وہ بھی ابن سبا ہی کی ذریت تھی جنہوں نے ریحانۂ رسول خانوادۂ بتول کو کربلا کے میدان میں تہ تیغ کیا اور یہ بھی ابن سبا ہی کی کرشمہ سازیوں کا اثر ہے کہ آج بھی سیدنا علی مرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ اور ان کے نور دیدہ، لخت جگر فاطمہ ریحانۂ رسول سید الشہداء شہید کربلا کے خلاف اپنا زور قلم دکھانے کی جرأت کی جارہی ہے۔

''خلافت معاویہ و یزید'' کوئی نئی بات نہیں۔ اسی نہروانی خارجیت کے مہلک جراثیم سے پھر دنیائے اسلام کے امن و امان کو برباد کرنے کی ایک شرمناک جدوجہد ہے۔

امروہوی صاحب نے اس کتاب میں حضرت سیدنا علی اور حضرت سیدنا حسین شہید کربلا پر نکتہ چینیاں کی ہیں اس کے جواب میں رافضی کو جرأت ہوگی۔ وہ دیگر صحابۂ کرام خصوصاً

حضرت امیر معاویہ، عمرو بن عاص اور حضرات شیخین پر تبرا کرے گا۔

انی عذت بربی و ربکم ان ترجمون.

امروہوی صاحب نے پہلے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی خلافت مکمل نہیں، اس کی دلیل میں تین چیزیں پیش کی ہیں۔

''ایک یہ کہ یہ خلافت ابن سبائیوں کی تائید و اصرار اور ان کے اثر سے قائم کی گئی تھی اس خلافت نے باوجود قدرت کے حضرت عثمان کا قصاص نہیں لیا۔ اکابر صحابہ نے بیعت کرنے سے گریز کیا۔''

صفحہ نمبر ۲ پر لکھتے ہیں:

''یہ بیعت چونکہ باغیوں اور قاتلوں کی تائید بلکہ اصرار سے قائم ہوئی تھی اور یہ خلافت ہی حضرت عثمان ذوالنورین جیسے محبوب اور خلیفہ راشد کو ظلماً اور ناحق قتل کر کے سبائی گروہ کے اثر سے قائم کی گئی تھی۔ نیز قاتلین سے قصاص جو شرعاً واجب تھا نہیں لیا گیا اور نہ قصاص لیے جانے کا کوئی امکان باقی تھا۔ اکابر صحابہ نے بیعت کرنے سے انکار کیا اس لیے بیعت خلافت مکمل نہ ہوسکی۔'' ملخصاً

پہلی بات

آپ کا یہ کہنا اگر بجا ہے کہ یہ خلافت سبائیوں کے اثر سے قائم کی گئی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت میں ان تمام لوگوں کا ہاتھ تھا جو حضرت علی کی خلافت قائم کرنے والے ہیں اور ایک پہلو یہ بھی نکل سکتا ہے کہ اپنی خلافت خود حضرت علی نے قائم کی لہٰذا وہ بھی اس خون ناحق میں شریک ہیں۔ اب آیئے میں آپ کو بتاؤں کہ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کس نے قائم کی اور اسی سے یہ بھی ظاہر ہو جائے گا کہ اکابر صحابہ نے حضرت امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی یا نہیں۔

علامہ ابن حجر مکی ''صواعق محرقہ'' میں فرماتے ہیں:

علم مما مران الحقیق بالخلافة بعد الائمة الثلثة هو الامام المرتضی والولی المجتبی علی ابن ابی طالب باتفاق اهل الحل والعقد علیه کطلحة والزبیر و ابی موسٰی و ابن عباس و خزیمة بن ثابت و ابی الهیثمة بن التهان و محمد بن سلمة و عمار بن یاسر و فی شرح المقاصد عن بعض المتکلمین ان الاجماع العقد علی ذالك و وجه انعقاده فی زمن الشوریٰ علی انها له و لعثمان و هذا اجماع علی انه لو لا عثمان لکانت لعلی فحین خرج عثمان بقتله من البین بقیت لعلی اجماعًا.

(صفحہ ۱۷)

ترجمہ: گزشتہ باتوں سے معلوم ہوا کہ اہلِ حل وعقد کے اجماع سے خلفاء ثلاثہ کے بعد خلافت کے مستحق امام مرتضٰی ولی مجتبٰی حضرت علی ابن ابی طالب تھے۔ یہ اہلِ حل وعقد حضرات طلحہ وزبیر وابوموسیٰ وابن عباس و خزیمہ بن ثابت وابوالہیثمہ بن تہان ومحمد بن سلمہ وعمار بن یاسر ہیں۔ شرح مقاصد میں بعض متکلمین سے ہے کہ خلافت مرتضوی پر اجماع ہے اس طرح کہ حضرت عمر کی مشاورتی کمیٹی میں باتفاق طے ہوا تھا کہ خلافت حضرت علی یا حضرت عثمان کے لیے ہے اس سے ثابت کہ جب حضرت عثمان نہ ہوں تو خلافت حضرت علی کا حق ہے جبکہ عثمان نہ رہے تو حضرت علی اس کے مستحق اجماعاً رہے۔

امام جلیل اجل خاتم الحفاظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تاریخ الخلفاء میں ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ سے ناقل ہیں:

بویع علی بالخلافة بعد الغد من قتل عثمان بالمدینه فبایعه جمیع من کان بها من الصحابة.

ترجمہ: حضرت عثمان کی شہادت کے دوسرے دن مدینہ طیبہ میں حضرت علی کی خلافت پر بیعت ہوئی۔ مدینہ میں جتنے بھی صحابہ تھے سب نے بیعت کی۔

لیکن امروہوی صاحب کہہ دیں گے کہ تاریخ الخلفاء کا کیا اعتبار یہ تو تاریخ کی ادنیٰ کتاب ہے شاید ان کے نزدیک کتاب کی عظمت کا دارومدار کتاب کے حجم پر ہے لیکن یہ منطق انہیں کو مبارک ہو کتاب کا ادنیٰ ہونا اعلیٰ ہونا حجم پر نہیں بلکہ مصنف کی جلالت علمی پر ہے۔ امام اجل جلیل علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا علماء میں جو مرتبہ ہے وہ اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں ان کی کتاب تاریخ الخلفاء اگرچہ بہت مختصر ہے مگر نہایت ہی مستند ہے۔ اگر کتاب کی حیثیت کا دارومدار حجم پر ہو تو وہ دن دور نہیں کہ آپ کہیں کہ قرآن کریم کا حجم بہت چھوٹا ہے لہٰذا یہ ادنیٰ ہے اور ہماری مبسوط کتاب کا حجم بہت بڑا ہے لہٰذا یہ بہت اعلیٰ ہے۔ پھر کوئی آریہ آپ سے سیکھ کر یہ کہہ دے کہ چونکہ ویدوں کا حجم قرآن سے بڑھا ہوا ہے لہٰذا وہ قرآن سے اعلیٰ ہے۔ نعوذ بالله من شرور انفسنا۔ آیئے دیکھئے یہ امام ابوجعفر طبری اپنی کتاب الریاض النضرۃ میں کیا فرماتے ہیں:

و خرج علی فانی منزله و جاء الناس کلهم الی علی لیبایعوه فقال لهم لیس هٰذا الیکم انما هو الی اهل بدر فمن رضی به اهل بدر فهو الخلیفة فلن یبقی احد من اهل بدر الاقال ما نری احق له منك فلما رایٰ علی ذلك جاء المسجد فصعد المنبر و کان اول من صعد الیه و بایعه طلحة والزبیر و سعد و اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم.
(۱۳۶/۲)

ترجمہ: حضرت علی وہاں سے اپنے گھر آئے سب لوگ حضرت علی کے پاس آئے کہ ان سے بیعت لے لیں حضرت علی نے فرمایا: یہ تمہارا حق نہیں اہلِ بدر جسے پسند کریں وہ خلیفہ ہے پھر تمام اہلِ بدر نے کہا کہ

(اے علی) آپ سے زیادہ خلافت کا حق دار کوئی نہیں۔اب حضرت علی مسجد میں آئے منبر پر چڑھے سب سے پہلے حضرت طلحہ، زبیر، سعد اور دیگر صحابہ نے بیعت کی۔(صفحہ ۱۲۶ جلد۲)

ان تمام جلیل القدر محدثین وعلماء راسخین کی تصریحات سے واضح ہو گیا کہ حضرت علی کو مسند خلافت پر بٹھانے والے اصحاب بدر و دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جن سے حضرت طلحہ اور زبیر بھی شامل ہیں اس کے برخلاف امروہوی صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ یہ خلافت سبائیوں قاتلانِ عثمان کے اثر سے قائم ہوئی۔ یہ تو کہنا خلاف تہذیب ہوگا کہ امروہوی صاحب نے غلط لکھا لہٰذا مہذب رہنے کے لیے یہ ماننا ہی پڑے گا کہ امروہوی صاحب کے نزدیک اہلِ بدر اور وہ اصحاب رسول اللہ جنہوں نے حضرت علی کو خلیفہ بنایا سبائی، باغی اور قاتلِ حسین ہیں۔امروہوی صاحب کے نزدیک یہ کوئی بڑی بات بھی نہیں ہوگی۔ بنی امیہ کی محبت میں سب کچھ گوارا ہے۔

ہر ستم ہر جفا گوارا ہے
صرف کہہ دے کہ تو ہمارا ہے

حضرت عثمان کے قصاص کے معاملہ میں بات بالکل صاف ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اس معاملہ میں کبھی انکار نہ کیا اور نہ پہلو تہی کی قانون اسلام کے مطابق قصاص اس وقت لیا جاتا جبکہ حضرت عثمان کے وارثین بارگاہِ خلافت میں قاتلوں کو متعین کر کے ان پر دعویٰ کرتے کہ فلاں فلاں نے حضرت خلیفہ مظلوم کو شہید کیا ہے اور اس پر شرعی گواہ لاتے جب عینی گواہوں کے بیان یا قاتلین کے اقرار سے ثابت ہو جاتا کہ یہ لوگ قاتل ہیں تب کہیں جا کر جرم ثابت ہوتا اور قصاص لینا فرض ہوتا ایسا کبھی نہیں ہوا۔حضرت عثمان کے کسی ولی نے کبھی بھی اس قسم کا نہ دعویٰ دائر کیا اور نہ کوئی ثبوت پیش کیا۔حضرت علی قصاص لیتے تو کس سے لیتے حضرت طلحہ وحضرت زبیر حتی کہ خود حضرت امیر معاویہ نے لشکر کشی تو کی مگر اس قسم کا کوئی دعویٰ بارگاہِ خلافت میں دائر نہیں کیا اگر دائر کیا تو امروہوی صاحب یا ان کے حواریین ثبوت لائیں۔امروہوی صاحب کے سامنے انگریزی قانون ہے جس کے

ماتحت کسی کے قتل کے بعد پولیس فرضی لوگوں کو پکڑتی ہے، شبہہ میں گرفتار کرتی ہے۔ مارتی پیٹتی ہے، پھر کسی پر مقدمہ چلاتی ہے، تیر تکہ پر بیٹھ گیا اور فرضی گواہ جج کی نظر میں جرح و قدح میں سالم رہ گئے تو قاتل کو پھانسی ہوگئی ورنہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ قاتل گل چھرّے اڑاتا ہے اور بے گناہ تختہ دار پر ہوتا ہے۔

امروہوی صاحب چاہتے ہیں کہ حضرت علی بھی ایسا ہی کرتے۔ حضرت علی نے ایسا نہیں کیا۔لہٰذا وہ امروہوی صاحب کی نظر میں مجرم ہوئے۔وہ خلافت کے اہل نہیں رہے۔

لیکن امروہوی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام کا قانون ایسا ظالمانہ نہیں اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے خلیفۂ راشد سے اس کی امید ہوسکتی ہے کہ وہ اسلامی قانون کے برخلاف کسی دوسرے قانون پر عمل کرتے۔ قصاص حد ہے ثبوت کے بعد حد جاری نہ کرنا۔ شدید ترین ظلم اور بہت بڑا فسق ہے۔حدود الٰہی کے ترک کی نسبت مولائے مومنین مہر سید المرسلین کی طرف کرنا ابن تیمیہ جیسے مشہور اور اس کے اندھے مقلدین کا کام ہوسکتا ہے۔کسی سنی صحیح العقیدہ کا ہرگز نہیں ہوسکتا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت حق تھی۔آپ حضرت طلحہ، زبیر اور امیر معاویہ کے مقابلہ میں مصیب تھے اس کی تصریحات احادیثِ کریمہ میں بکثرت موجود ہیں۔

حدیث اول

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا تھا:

تقتلك الفئة الباغية.

ترجمہ: تجھے خلیفہ برحق پر خروج کرنے والی باغی جماعت قتل کرے گی۔

حضرت عمار جنگ صفین میں شہید ہوئے۔ یہ حضرت علی کے ساتھ تھے معلوم ہوا کہ حضرت علی کی خلافت حق تھی۔ حضرت امام نووی فرماتے ہیں:

قال العلماء هذا الحديث حجة ظاهرة في ان عليا كان محقا مصيبا والطائفة الاخرى بغاة لكنهم مجتهدون فلا

اثم علیهم. (جلد۲صفحہ۲۹۶)

ترجمہ: علماء نے فرمایا: یہ حدیث کھلی ہوئی اس بات کی دلیل ہے کہ علی حق و صواب پر تھے اور دوسرے گروہ سے خطاء اجتہادی ہوئی۔ اس لیے ان پر کوئی گناہ نہیں۔

حدیث دوم

امام بخاری نے حضرت ابو درداء ؓ سے روایت فرمایا۔ وہ فرماتے ہیں:

و فیکم الذی اجاره الله من الشیطان علی لسان نبیه یعنی عمارا.

ترجمہ: اور تم میں وہ ہیں جنہیں اللہ عزوجل نے شیطان سے محفوظ رکھا اپنے نبی کے فرمان سے یعنی عمار۔

اسی کو تھوڑے تغیر کے ساتھ امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہ سے روایت فرمایا۔

جب حسبِ فرمان حدیث حضرت عمار شیطان سے محفوظ ہیں تو ان سے خطاء سرزد نہیں ہو سکتی۔ یہ تمام معرکوں میں حضرت علی کے ساتھ رہے لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت علی حق پر تھے۔ حضرت عمار ؓ کی ذات گرامی حق و باطل کا وہ معیار تھی جس کی وجہ سے بہت سے وہ صحابہ کرام جو اس نزاع میں متردد تھے حضرت علی کی حقانیت کے قائل ہو گئے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ فرماتے ہیں:

ما اساء علی شیٔ الا انی لم اقاتل مع علی الفئة الباغية.

(الریاض النضرۃ جلد۲، صفحہ۱۳۲)

ترجمہ: اس سے زیادہ مجھے کوئی بات بری نہیں معلوم ہوئی کہ میں نے حضرت علی کے ساتھ ان کے مخالف سے جنگ نہیں کی۔

حضرت خزیمہ بن ثابت ؓ نے حضرت عمار کی شہادت سے پہلے پہلے معرکۂ کارزار میں ہوتے ہوئے بھی تلوار بے نیام نہیں کی تھی۔ مگر حضرت عمار کی شہادت کے بعد

حضرت علی کی حمایت میں انتہائی جوش کے ساتھ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ حضرت عمار کی شہادت کے بعد خود حضرت عمرو بن عاص، حضرت معاویہ کا ساتھ چھوڑ رہے تھے۔ علامہ ابن حجر مکی ؒ اپنی کتاب تطہیر الجنان واللسان میں فرماتے ہیں:

بعض معتزلی علی ظهر لهم من الاحادیث انه الامام الحق فندموا علی التخلف منه کما مرّ و منهم سعد بن ابی وقاص. (صفحہ۱۵۹)

ترجمہ: حضرت علی سے الگ رہنے والے صحابہ کرام سے بعضوں پر حدیثیں ظاہر ہوئیں تو وہ اس علیحدگی پر نادم رہے۔ جیسا کہ گزر گیا۔ انہیں میں سعد بن وقاص ؓ بھی ہیں۔

حدیث سوم

جنگ جمل میں جب دونوں فریق صف آرا ہو گئے تو حضرت علی ؓ نے حضرت زبیر ؓ کو بلایا۔ انہیں یاد دلایا۔ ایک بار عہد رسالت میں ہم دونوں فلاں جگہ ساتھ ساتھ تھے۔ آنحضور نے ہمیں دیکھ کر فرمایا۔ اے زبیر علی سے محبت کرتے ہو۔ عرض کیا: کیوں نہیں۔ یہ میرے ماموں زاد بھائی واسلامی برادر ہیں۔ پھر مجھ سے دریافت فرمایا: اے علی! بولو کیا تم بھی انہیں محبوب رکھتے ہو۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ اپنے پھوپھی زاد اور دینی بھائی کو کیوں نہ محبوب رکھوں گا۔ حضور اقدس نے ارشاد فرمایا۔ اے زبیر! ایک دن تم ان کے مدمقابل ہو گے اور تم خطاء پر ہو گے۔ حضرت زبیر نے اس کی تصدیق کی۔ فرمایا: میں بھول گیا تھا اور صفیں پھاڑ کر میدان کارزار سے نکل گئے۔

(الریاض النضرۃ جلد۲ صفحہ۲۷۳، وصواعق محرقہ صفحہ۱۰۱ از حاکم وبیہقی)

حدیث چہارم

حضور اقدس ﷺ نے ازواجِ مطہرات سے فرمایا:

ایتکن صاحب الجمل الاحمر یخرج حتی تنجها کلاب

الحواب فیقتل حولها قتلی کثیرۃ.

(صواعق محرقہ صفحہ ۱۷، از بزار وابو نعیم)

ترجمہ: تم میں کون سُرخ اونٹ والی ہے جس پر حواب کے کتے بھونکیں گے اس کے بعد اس کے گرداگرد لاشوں کے ڈھیر ہوں گے۔

چنانچہ حضرت ام المومنین مکہ سے چلیں جب حواب پہنچیں تو کتوں نے بھونکنا شروع کر دیا۔ حدیث یاد آئی۔ دریافت کیا کون سی جگہ ہے۔ لوگوں نے بتایا حواب ہے۔ یہ سن کر اپنا ارادہ فسخ فرما دیا لیکن فتنہ پردازوں نے جب دیکھا کہ سارا معاملہ بگڑ رہا ہے تو فوراً بولے کہ یہ حواب نہیں کسی نے آپ کو غلط بتا دیا ہے۔

حدیث پنجم

حضور نے ارشاد فرمایا ہے:

اللھم ادر الحق معہ حیث دار. (مشکوٰۃ)

ترجمہ: اے اللہ! حق علی کے ساتھ رکھ جہاں بھی جائیں۔

حضور کی یہ دعا یقیناً مستجاب ہوئی اور ہر میدان میں حق حضرت علی کے ساتھ رہا۔ ان احادیث سے خوب واضح ہو گیا کہ حضرت مولائے مومنین صہر خاتم النبیین علی مرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کی خلافت حق تھی اور ان پر قصداً قصاص نہ لینے کا یا قتلِ عثمان میں کسی طرح شریک ہونے کا الزام غلط ہے۔ اس معاملہ میں بھی وہ حق پر تھے۔ ان کے محاربین سے خطاء اجتہادی واقع ہوئی۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا۔ خلفاء کون ہیں؟ ارشاد فرمایا:

ابوبکر و عمر و عثمان و علی قلت فمعاویۃ قال لم یکن احد احق بالخلافۃ فی زمان علی من علی.

ترجمہ: خلفاء ابوبکر و عمر و عثمان و علی ہیں۔ سائل نے امیر معاویہ کے بارے میں دریافت کیا۔ فرمایا: حضرت علی کے زمانہ میں حضرت علی سے

زائد کوئی دوسرا خلافت کا حق دار نہیں تھا۔

اب آیئے اس بحث کو حضرت امام نووی محررِ مذہب شافعی شارح مسلم رحمۃ اللہ علیہ واسعۃ کے بیان پر ختم کر دوں۔ شرح صحیح مسلم شریف جلد دوم صفحہ ۲۷۲ پر فرماتے ہیں:

اما عثمان رضی اللہ عنہ فخلافتہ صحیحۃ بالاجماع و قتل مظلومًا و قتلتہ فسقۃ ولم یشارک فی قتلہ احد من الصحابۃ و انما قتلہ ھمج و رعاء من غوغاء القبائل و سفلۃ الاطراف والارذال و اما علی رضی اللہ عنہ فخلافتہ صحیحۃ بالاجماع و کان ھو الخلیفۃ فی وقتہ لا خلافۃ لغیرہ.

ترجمہ: حضرت عثمان کی خلافت اجماعاً صحیح ہے وہ ظلماً شہید کیے گئے ان کے قاتل فاسق ہیں۔ ان کے قتل میں کوئی صحابی شریک نہیں ہوئے انہیں کمینے چرواہوں، ادھر ادھر کے رزیل اور نیچے درجے کے لوگوں نے شہید کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی بالاجماع صحیح ہے اپنے عہد میں وہی خلیفہ تھے کسی دوسرے کی خلافت نہیں تھی۔

امروہوی صاحب نے اپنی کتاب میں اس پر بہت زور باندھا ہے کہ یزید، متبع سنت، متدین، زاہد، عابد و کبار تابعین میں تھا۔ بڑا مدبر، بیدار مغز اور مجاہد فی سبیل اللہ تھا۔ اس کی طرف فسق و فجور، کفر و الحاد کے بارے میں جتنی روایتیں ہیں سب وضعی ہیں۔ امروہوی صاحب یزید کی محبت میں اس درجہ خود رفتہ ہیں کہ انہیں احادیث صحیحہ اور کبار صحابہ اور تابعین کے ارشادات تک نظر نہیں آتے۔ آپ نے تحریر کیا ہے کہ ”یزید کے معاصرین میں صرف عبداللہ بن زبیر اسے برا بھلا کہتے تھے مگر چونکہ وہ خود آنکھ سے دیکھتے نہیں تھے لہٰذا ان کی بات لائق اعتبار نہیں۔“ لیکن اس کے برخلاف امروہوی صاحب تیرہ سو برس کے بعد یزید کے فضل و کمال کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ گویا آپ یزید کے ہم نوالہ و ہم پیالہ تھے آپ نے اپنی ساری تحقیقات کی بنیاد اس پر قائم کی ہے کہ سوائے ابن تیمیہ اور ابن

خلدون کے سارے مورخین روایت پرست تھے۔ تحقیق وجستجو سے انہیں کوئی غرض نہیں تھی۔
اندھادھند جو کچھ سنا نقل کر دیا۔ سب سے پہلا محقق ابن خلدون ہے اور دوسرے آپ جیسے
فنکار، اسی بنا پر آپ نے جگہ جگہ ابن خلدون کو سراہا ہے اور امام ابن جریر طبری جیسے جلیل القدر
مسلم الثبوت امام کو شیعہ کہہ کر ناقابلِ اعتبار کر دیا ہے۔ طبری اتنے پایہ کے امام ہیں کہ ابن
خزیمہ محدث کہتے ہیں کہ دنیا میں کسی کو ان سے بڑھ کر عالم نہیں جانتا۔ ان پر بعضوں نے یہ
الزام رکھا ہے کہ یہ شیعوں کے لیے حدیثیں وضع کرتے تھے۔ اس کا جواب علامہ ذہبی جیسے
فن رجال کے امام نے ان زوردار الفاظ میں دیا ہے:

هذا رجم بالظن الكاذب بل ابن جرير من كبار ائمة الاسلام المعتمدين.

ترجمہ: یہ جھوٹی بدگمانی ہے ابن جریر اسلام کے معتمد اماموں سے ایک امام کبیر ہیں۔

انتہا یہ ہے کہ موجودہ صدی کے مشہور مورخ جناب شبلی اعظم گڑھی کو سیرت النبی
کے مقدمہ میں طبری کے بارے میں لکھنا پڑا۔ تاریخی سلسلہ میں سب سے جامع اور مفصل
کتاب امام طبری کی تاریخ کبیر ہے۔ طبری اس درجہ کے شخص ہیں کہ تمام محدثین ان کے
فضل وکمال وثوق اور وسعت علم کے معترف ہیں۔ لیکن برا ہو جوش تعصب کا کہ جملہ آئمہ
محدثین کی معتمد علیہ ذات کے بارے میں امروہوی صاحب کی رائے یہ ہے کہ وہ بالکل ہی
غیر معتبر اور ناقابلِ قبول ہیں۔ یقیناً امام طبری کا یہ کارنامہ کہ انہوں نے امروہوی صاحب
کے لائق امیر کے کرتوتوں کو بے نقاب کر دیا ہے۔ یزیدیوں کے نزدیک جرم نابخشیدہ ہے،
رہ گیا ابن خلدون تو چونکہ ان کے یہاں نیچریانہ اسباب پرستی پر بہت زور ہے لہٰذا اس زمانہ
کے روحانیت سے محروم تاریخ داں اسے بہت اچھالتے ہیں۔ مگر حقیقت کیا ہے وہ اس سے
ظاہر ہے کہ وہ خود خارجیوں کا بھائی معتزلی تھا۔ چنانچہ مولوی عبدالحئی لکھنوی اپنے فتاویٰ جلد
اول صفحہ ۲۷ میں لکھتے ہیں:

''علامہ عبدالرحمٰن حضری معتزلی معروف بہ ابن خلدون۔''

سبحان اللہ! کیا خوب تحقیق ہے کہ ابن جریر طبری جیسے امام زماں کی باتیں محض
اس بنا پر مردود کہ وہ یزید کے ہم عصر نہیں تھے۔ شیعہ تھے مگر ان کے صدیوں بعد کے ایک
معتزلی کی بات شیر مادر

تفو بر تو اے چرخ گردان تفو

یہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ امروہوی صاحب نے جس کے بیان کو اپنی
افتادِ طبع کے مطابق پایا اسے محقق، مدقق اور صحیح العقیدہ مانا اور جس کی بات اپنے رجحان طبع
کے خلاف پائی اسے بدمذہب اور سطحی نظر والا کہہ دیا یہی وہ تحقیق ہے۔ یہی وہ ریسرچ ہے
جسکا ڈھنڈورا پیٹا جارہا ہے۔ یزید کے بارے میں جو احادیث وارد ہیں پہلے انہیں سنیں، پھر
اس کے کرتوت دیکھیں پھر امت کا فیصلہ۔

حدیث اول

امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

هلكة امتي على ايدي غلمة من قريش فقال مروان لعنة الله عليهم غلمة فقال ابوهريرة لو شنت ان اقول بني فلان بني فلان لفعلت فكنت اخرج مع جدي الى بني مروان حين ملكوا بالشام فاذا راهم غلمانا احداثا قال لنا عسى هولاء ان يكونو منهم قلنا انت أعلم.

ترجمہ: میری امت کی ہلاکت قریش کے لونڈوں کے ہاتھوں ہوگی۔ مروان نے کہا کہ ''ان پر خدا کی لعنت ہو بہت برے لونڈے ہیں'' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم چاہو کہ میں بتادوں کہ وہ بنی فلاں بنی فلاں ہیں تو میں بتا سکتا ہوں۔ عمرو بن یحییٰ فرماتے ہیں کہ میں شام اپنے دادا کے ساتھ جاتا تھا جب انہوں نے نوخیز چھوکرے دیکھے تو کہا: یہ انہیں میں ہوں گے ہم نے عرض کیا: آپ خوب جانتے ہیں۔

امروہوی صاحب کان کھول کر سنیں یہ ابو مخنف کی روایت نہیں حضور اقدس ﷺ کا فرمان ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سب کا نام لے کر بتا سکتا ہوں اور انہوں نے اشاروں سے بتا بھی دیا کہ وہ کون ہیں۔ حدیث چہارم دیکھیں۔

آپ کے حضرت مروان بن حکم کو عمرو بن یحییٰ جیسے جلیل القدر محدث تابعی فرماتے ہیں کہ مروان انہیں ملعونین میں ہے اور آپ کے ممدوحین بنی امیہ کو اس حدیث کا مصداق ٹھہراتے ہیں۔ بنی مروان نے امت میں جتنی تباہی مچائی ہے۔ وہ سب تقلید ہے آپ کے لائق امیر یزید کی اس لیے یہ کبھی ممکن نہیں کہ اس حدیث کے مصداق یہ ظالمین تو ہوں اور ان کا پیش رو نہ ہو۔ اگر میرا یہ قیاس آپ کو نہ بھاتا ہو تو آیئے شارحین کے ارشادات جلیلہ سنئے:

علامہ کرمانی فرماتے ہیں:

قوله احداثا ای شبانا و اولهم یزید علیه ما یستحق و کان غالبا ینزع الشیوخ من امارة البلدان الکبار و یوالیها الاصاغر من اقاربه. (حاشیہ بخاری صفحہ ۱۰۴۶)

ترجمہ: احداث نو خیز ہوں گے ان کا پہلا یزید علیہ ما یستحق ہے اور یہ عموماً سن رسیدہ بزرگوں کو بڑے بڑے شہروں کی امارت سے اتارتا تھا۔ اپنے کم عمر رشتہ داروں کو والی بناتا تھا۔

ملا علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں:

قوله علی یدی غلمة ای علی ایدی شبان الذین ما وصلوا الی مرتبة کمال العقل و احداث السن الذین لا مبالاة لهم باصحاب الوقار والظاهران المراد ما وقع بین عثمان و قتلته و بین علی والحسین و من قاتلهم قال المظهر لعله ارید بهم الذین کانوا بعد الخلفاء الراشدین مثل یزید و عبدالملک بن مروان وغیرهما.

ترجمہ: غلمہ سے مراد وہ نوجوان ہیں جو کمال عقل کے مرتبہ تک نہیں پہنچے ہیں

اور وہ نو عمر جو وقار والوں کی پرواہ نہیں کرتے ظاہر ہے کہ وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کو قتل کیا اور حضرت علی و حضرت امام حسین سے لڑے۔ مظہر نے فرمایا کہ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو خلفاء راشدین کے بعد تھے جیسے یزید اور عبدالملک بن مروان وغیرہ۔

دیکھئے سارے شارحین اس پر متفق ہیں کہ غلمۃ قریش میں یزید ضرور داخل ہے۔

دوم وسوم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور رحمۃ للعلمین ﷺ نے فرمایا:

تعوذوا باللّٰه من راس السبعین و امارة الصبیان.

(مشکوٰۃ صفحہ ۳۲۳ جلد ۲)

ترجمہ: لوگو ستر ہویں دہائی کی ابتداء اور چھوکروں کے امیر ہونے سے خدا کی پناہ مانگو۔

امارۃ الصبیان کی شرح میں ملا علی قاری فرماتے ہیں:

ای من حکومة الصغار الجهال کیزید بن معاویة و اولاد حکم بن مروان و امثالهم قیل راهم النبی ﷺ فی منامه یلعبون علی منبره علیه الصلوٰة والسلام.

ترجمہ: امارۃ الصبیاں سے جاہل چھوکروں کی حکومت مراد ہے جیسے یزید بن معاویہ اور حکم بن مروان کی اولاد اور ان کے مثل ایک روایت ہے کہ حضور ﷺ نے خواب میں انہیں اپنے منبر پر کھیل کود کرتے ملاحظہ فرمایا ہے۔

منبر پر کھیلنے والی حدیث کو خاتم الحفاظ علامہ اجل سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ الخلفاء میں بھی روایت فرمایا ہے۔

حدیث چہارم

صواعق محرقہ میں علامہ ابن حجر مکی ناقل ہیں:

و کان مع ابی هریرة رضی الله عنه علم من النبی ﷺ بما مر عنه ﷺ فی یزید فانه کان یدعو اللهم انی اعوذ بك من راس الستین و امارة الصبیان فاستجاب الله له فتوفاه سنة تسع و اربعین و کانت وفاة معاویة و ولایة ابنه سنة ستین.

ترجمہ: یزید کے بارے میں مذکورہ بالا باتیں جو حضور اقدس ﷺ نے بتائی ہیں اس کا علم حضور کے بتانے سے حضرت ابو ہریرہ کو تھا وہ دعا فرمایا کرتے۔ اے اللہ! ۶۰ھ کی ابتدا اور چھوکروں کی بادشاہت سے تیری پناہ چاہتا ہوں اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ یہ ۴۹ھ میں فوت ہوگئے۔ امیر معاویہ کا انتقال اور یزید کی حکومت ۶۰ھ میں ہوئی۔

''**هلكة امتی علی یدی غلمة قریش**'' کے ذیل میں گزرا کہ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا تھا کہ اگر کہو تو میں بنی فلاں بنی فلاں کا نام بتا سکتا ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ نے کھلے بندوں تو نام نہیں لیا مگر ۶۰ھ کی ابتداء اور چھوکروں کی امارت سے پناہ مانگ کر نہایت جلی غیر مبہم اشارہ فرما دیا کہ اس ۶۰ھ میں جو امارت قائم ہوگی اس سے پناہ مانگتا ہوں اور وہ یزید کی حکومت تھی۔ لہٰذا ثابت ہوگیا کہ امت کو برباد کرنے والے چھوکروں کا سرگروہ یزید ہے۔ ان احادیث کو نقل فرما کر شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اشارت بزمان یزید بے دولت کرد کہ ہم در سال ستین بر سریر شقاوت نشست واقعہ حرہ در زمان شقاوت نشان او وقوع یافت۔''

(جذب القلوب صفحہ ۳۳)

حدیث پنجم

علامہ اجل سیوطی تاریخ الخلفاء میں اور امام ابن حجر صواعق محرقہ میں شیخ محمد صبغان اسعاف الراغبین میں مسند ابویعلی سے راوی۔

لا یزال امر امتی قائما بالقسط حتی یکون اول من یثلمه رجل من بنی امیة یقال له یزید.

ترجمہ: میری امت کا معاملہ برابر درست رہے گا یہاں تک کہ پہلا جو شخص اس میں رخنہ اندازی کرے گا وہ بنی امیہ کا ایک فرد یزید ہوگا۔

علامہ ابن حجر تطہیر الجنان میں اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

رجاله رجال الصحیح الا ان فیه انقطاعا.

ترجمہ: اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں صرف اس میں انقطاع ہے۔

حدیث ششم

یہی حضرات اپنی اپنی انہیں کتابوں میں بحوالہ مسند رویانی حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے راوی۔ وہ فرماتے ہیں:

سمعت رسول الله ﷺ یقول اول من یبدل سنتی رجل من بنی امیة یقال له یزید.

ترجمہ: میں نے حضور اقدس ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ پہلا شخص جو میری سنت بدلے گا بنی امیہ کا ایک شخص ہوگا جس کا نام یزید ہے۔

ان احادیث میں اگرچہ بعض ضعیف ہیں مگر اس کو دوسری روایات اور تلقی علماء سے تقویت ہے لہٰذا قابل حجت ہیں۔

امروہوی صاحب کے لائق زاہد امیر کے بارے میں خود نبی کریم ﷺ کا فرمان اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی رائے سن چکے اب آیئے خود بنی امیہ ہی کے ایک فرد کی رائے سنئے۔

صواعق محرقہ اور تاریخ الخلفاء میں نوفل بن فرات سے مروی ہے وہ کہتے ہیں:

كنت عند عمر بن عبدالعزيز فذكر رجل يزيد قال امير المومنين يزيد بن معاوية فقال تقول امير المومنين فامر به فضرب عشرين سوطًا.

ترجمہ: میں عمر بن عبدالعزیز کی بارگاہ میں تھا ایک شخص نے یزید کا ذکر کیا: اے امیرالمومنین کہہ دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اسے ڈانٹا اور کہا: امیرالمومنین کہتا ہے، حکم دیا اسے بیس کوڑے مارے گئے۔

یزید کے معاصرین میں حضرت عبداللہ بن حنظلہ غسیل ملائکہ رضی اللہ عنہما ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

والله ما خرجنا على ما يزيد حتى خفنا ان نرمى بالحجارة من السماء انه رجل ينكح امهات الاولاد والبنات والاخوات و يشرب الخمر و يدع الصلوة.

(صواعق محرقہ صفحہ ۱۳۳، تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۴۶)

ترجمہ: ہم نے یزید کی بیعت اس وقت تک نہیں توڑی جب تک ہمیں یہ خوف نہ ہوا کہ کہیں ہم پر آسمان سے پتھر نہ برسائے جائیں وہ ایک ایسا آدمی تھا جو ام ولد اور لڑکیوں اور بہنوں سے نکاح کرتا تھا وہ شراب پیتا تھا۔ نمازیں ترک کرتا تھا۔

شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ابن جوزی سے ناقل ہیں کہ

''۶۲ھ میں یزید نے عثمان بن محمد بن ابوسفیان کو مدینہ منورہ بھیجا کہ وہاں کے لوگوں سے بیعت لے۔ عثمان نے اہل مدینہ کی ایک جماعت کو یزید کے پاس بھیجا۔ یزید کے پاس سے جب یہ جماعت لوٹی تو یزید کی برائیاں کھلے بند کرنے لگی۔ اس کی بے دینی، شراب خوری، مناہی و ملاہی کا ارتکاب، کتے بازی اور دیگر برائیوں کو

واشگاف کرنے لگی۔ ان سے یہ حالات سن کر باقی اہلِ مدینہ یزید کی بیعت واطاعت سے بیزار ہو گئے۔ اس جماعت میں ابن منذر بھی تھے۔ وہ کہتے ہیں بخدا یزید مجھے ایک لاکھ درہم دیتا تھا لیکن میں نے سچائی کو چھوڑ کر اس کے سامنے سر نہ جھکایا، وہ شراب خوار اور تارک الصلوٰۃ ہے۔ نیز یہی شیخ ابن جوزی سے اور وہ ابوالحسن مداہنی سے نقل فرماتے ہیں:

یزید کے فسق وفساد کے دلائل ظاہر ہونے کے بعد اہلِ مدینہ منبر پر آئے اور اس کی بیعت توڑ دی۔ عبداللہ بن عمرو بن حفص مخزومی نے اپنا عمامہ سر سے اتارا اور کہا۔ اگرچہ یزید مجھے انعام واکرام دیتا ہے مگر وہ دشمنِ خدا دائم السکر ہے۔ میں نے اس کی بیعت توڑ دی جیسے کہ اپنی دستار سر سے اتار لی۔ پھر دوسرے اٹھے اور انہوں ے اپنی جوتی پاؤں سے نکالی اور پھینک کر کہا میں نے اس طرح یزید کی بیعت توڑ دی، اتنے زور وشور کے ساتھ بیعت توڑنے کا مظاہرہ ہوا کہ مجلس دستاروں اور جوتوں سے بھر گئی۔''

امروہوی صاحب ابن منذر اور ان کے ہمراہی ابومخنف سے سن کے تو نہیں فرما رہے ہیں یہ تو یزید کے ہمعصر اور اس کے حالات کے چشم دید گواہ ہیں دیکھئے یہ آپ کے لائق زاہد امیر یزید کے بارے میں کیا بتا رہے ہیں یزید کے زہد وورع، علم وفضل کا خطبہ پڑھنے والے امروہوی صاحب یزید کے کارنامے سنیں۔

محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی جذب القلوب میں فرماتے ہیں:

''حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سب سے شنیع اور قبیح جو واقعہ یزید بن معاویہ کے زمانے میں رونما ہوا واقعہ حرہ ہے اس کو حرہ واقم اور حرہ زہرہ بھی کہتے ہیں جس زمانہ میں کہ مدینہ طیبہ آبادی و رونق میں مرتبہ کمال تک پہنچا ہوا تھا۔ بقیہ صحابہ اور انصار و

مہاجرین وعلماء کبار تابعین سے مالا مال تھا۔ یزید نے مسلم بن عقبہ کو شامیوں کے لشکر عظیم کے ساتھ اہلِ مدینہ سے لڑنے کے لیے بھیجا۔ یزید نے حکم دیا کہ اگر وہ لوگ میری اطاعت کرلیں۔ فبہا ورنہ جنگ کرو فتح کے بعد تین دن تک مدینہ تمہارے لیے مباح ہے۔ مسلم بن عقبہ آیا۔ مقام حرہ پر پڑاؤ ڈالا۔ اہلِ مدینہ تاب مقابلہ نہ دیکھ کر خندق کھود کر محصور ہو گئے۔ (امروہوی صاحب کے صحابی مروان کی دسیسہ کاریوں کی بدولت) یزیدی مدینہ میں گھس آئے پہلے پہل حرم نبوی کے پناہ گزینوں نے بڑی شدومد کے ساتھ مدافعت کی، مگر تا بہ کے عبداللہ بن مطیع رئیس قریش مع اپنے سات فرزندوں کے شہید ہو گئے۔ آخر میں شامی درندے اس حرم پاک میں گھس پڑے۔ نہایت بے دردی کے ساتھ قتل عام کیا۔ ایک ہزار سات سو مہاجرین وانصار صحابہ کرام اور کبار علمائے تابعین کو سات سو حفاظ کو اور دو ہزار ان کے علاوہ عوام الناس کو ذبح کیا۔ نہ بوڑھے بچے نہ مرد نہ عورتیں۔ مال و متاع جو کچھ ملا سب لوٹا۔ ہزاروں دوشیزگانِ حرمِ مصطفٰی کی عصمت دری کی۔ مسجد نبوی میں گھوڑے دوڑائے۔ روضۂ جنت میں گھوڑے باندھے۔ گھوڑوں کی لید و پیشاب سے اسے ناپاک کیا۔ تین دن تک کسی اہلِ مدینہ کی یہ جرأت نہ ہوسکی کہ مسجد نبوی میں جا کر نماز و اذان ادا کرے اور نہ ان یزیدی درندوں کو اس کی توفیق ہوسکی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ریش مبارک نوچ لی گئی۔ **تکاد السموات یتفطرن و تنشق الارض و تخر الجبال هدًا۔**
قریب ہے کہ آسمان ٹوٹ پڑے۔ زمین پھٹ جائے پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ جان اسی کی بچی جس نے ان الفاظ میں یزید کی بیعت کی:

ثم دعا الی بیعة یزید و انهم اعبد له فی طاعة الله و معصیته فاجابوه الا واحدا من قریش فقتله.

(تطہیر الجنان صفحہ ۱۳۴)

ترجمہ: مدینہ تین دن لوٹنے کے بعد یزید کی اس بیعت کی دعوت دی کہ یہ لوگ یزید کے غلام ہیں اللہ عزوجل کی طاعت ومعصیت میں ان درندوں کے ظلم وستم سے مرعوب ہوکر سب نے یہ بیعت کرلی۔ ایک قریشی صاحب نے نہیں کی تو اسے قتل کردیا۔
سعید بن مسیب کو جو کبار تابعین اور فقہاء سبعہ میں ہیں پکڑا ان سے یزید کی بیعت لینی چاہی۔ انہوں نے فرمایا؛ حضرت ابوبکر وعمر کی سیرت پر بیعت کرتا ہوں۔ ابن عقبہ نے حکم دیا کہ انہیں قتل کردیا جائے ایک شخص کھڑا ہوا اس نے ان کے جنون کی گواہی دی جب کہیں جا کر ان کی جان بچی۔ پھر یزید کے حکم کے بموجب یزیدی لشکر مکہ معظمہ پر حملہ آور ہوا۔ اس ارض پاک کا جس کے جنگلی جانور کو اڑا کر اس کی جگہ سایہ میں نہیں بیٹھ سکتے محاصرہ کرلیا۔ آتش بازی کر کے کعبۃ اللہ کے پردے اور چھت کو جلا دیا فدیہ اسماعیل کے سینگ جل گئے۔ اسی اثناء میں ان سارے مظالم کے بانی مبانی یزید کو اپنے کیفر کردار تک پہنچنے کا وقت آگیا اور وہ اپنے ٹھکانے گیا۔"

اب آئیے علماء مابعد کے فیصلے یزید کے بارے میں سنئے باپ کے احوال کو بیٹے سے زیادہ تیرہ صدی کے بعد والا نہیں جان سکتا۔ معاویہ بن یزید کو جب یزید کے تخت پر بٹھایا گیا تو انہوں نے جو خطبہ دیا وہ بغیر ابومخنف کی وساطت کے تاریخ کی کتابوں میں یوں درج ہے:

ثم قلد أبی الامر و کان غیر اهل له و نازع ابن بنت رسول الله ﷺ فقصت عمره و انتر عقبه و صار فی

قبره رهينا بذنوبه ثم بكى و قال ان من اعظم الامور علينا علمنا بسوء مصرعه و بئس منقلبه و قد قتل عترة رسول الله ﷺ و اباح الخمر و خرب الكعبة.

(صواعق صفحہ ۱۳۴)

ترجمہ: پھر میرے باپ کو حکومت دی گئی وہ نالائق تھا۔ نواسۂ رسول ﷺ سے لڑا، اس کی عمر کم کردی گئی اور اس کی نسل تباہ کردی گئی۔ وہ اپنی قبر میں گناہوں کے وبال میں گرفتار ہوگیا۔ پھر رویا اور کہا ہم پر سب سے زیادہ گراں اس کی بری موت اور برا ٹھکانہ ہے۔ اس نے عترتِ رسول ﷺ کو قتل کیا۔ شراب حلال کی اور کعبہ کو برباد کیا۔

امام الاولیاء الکرام سید التابعین العظام حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ما ادراك ما وقعة الحرة ذكرها الحسن فقال والله ما كاد ينجو منهم واحد قتل فيها خلق من الصحابة و من غيرهم فانا لله و انا اليه راجعون.

(صواعق صفحہ ۱۳۲، تاریخ الخلفاء ۱۴۶)

ترجمہ: تمہیں پتہ ہے واقعہ حرہ کیا ہے واللہ بہت کم اہلِ مدینہ اس سے بچے۔ صحابہ کرام اور ان کے علاوہ ایک خلق کثیر مقتول ہوئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

امام ذہبی فرماتے ہیں:

لما فعل يزيد باهل المدينة ما فعل مع شربه الخمر و اتيانه المنكرات اشتد عليه الناس و خرج عليه غير واحد ايضًا.

ترجمہ: یزید نے اہلِ مدینہ کے ساتھ جو کچھ کیا شراب پینے منکرات کا ارتکاب کرنے کے ساتھ ساتھ لوگ اس کے خلاف ہوگئے اور اس کی

بیعت بہتوں نے توڑ دی۔

یہی وجہ ہے کہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اور ابنِ جوزی وغیرہ اس پر لعنت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ابن سبط جوزی نے اس موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی ہے جس کا نام الرد على المتعصب العنيد المانع من ذم يزيد ہے۔ صواعق صفحہ ۱۳۲ شیخ احمد صبان اسعاف الراغبین میں تحریر کرتے ہیں:

قال الامام احمد يكفره و ناهيك به ورعا و هو تقتضيان انه لم يقل ذالك الا لما ثبت عنده امور صريحة وقعت منه توجب ذالك و وافقه علىٰ ذالك جماعة كابن الجوزى وغيره و اما فسقه فقد اجمعوا عليه و اجاز قوم من العلماء لعنه بخصوص اسمه و رَوى ذالك عن الامام احمد قال ابن الجوزى صنف القاضى ابو يعلى كتابا فيمن يستحق اللعنة و ذكر منهم يزيد. (صفحہ ۱۶۵)

ترجمہ: امام احمد بن حنبل نے یزید کو کافر کہا اپنے علم و ورع کے اعتبار سے وہ کافی ہیں۔ ان کے علم و ورع اس بات کے مقتضی ہیں کہ یزید کو کافر اسی وقت کہا ہوگا جبکہ ان کے نزدیک ثابت ہوگیا ہوگا کہ صریح موجبِ کفر باتیں اس سے واقع ہوئی ہوں گی ایک جماعت کا جن میں ابن جوزی وغیرہ ہیں۔ یہی فتویٰ ہے۔ یزید کے فسق پر اجماع ہے بہت سے علماء کرام نے یزید کا نام لے کر اسے لعنت کرنے کو جائز رکھا ہے۔ امام احمد سے بھی یہی مروی ہے۔ ابن جوزی نے بتایا کہ قاضی ابو یعلی نے مستحقین لعنت کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے اس میں یزید کا بھی نام ذکر کیا ہے۔

جب حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے یزید کو کافر کہا اس پر لعنت کرنے کو جائز فرمایا تو اس سے امروہوی صاحب کی اس تحقیق کی قلعی کھل گئی جو انہوں نے امام موصوف

کے حوالہ سے اس کے زہد و ورع کے بارے میں کی ہے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ شرح عقائد میں جو درس نظامی کی مشہور و معروف کتاب ہے فرماتے ہیں:

والحق ان رضا يزيد بقتل الحسين و استبشاره بذلك و اهانة اهل بيت النبى عليه السلام مما تواتر معناً و ان كان تفاصيله آحادا فنحن لا نتوقف فى شانه بل فى ايمانه لعنة الله عليه و على انصاره و اعوانه. (صفحہ ۱۱۷)

ترجمہ: حق تو یہ ہے کہ یزید کی رضا قتل حسین پر اور اس کا اس پر خوش ہونا اہلِ بیت نبوت کی توہین کرنا متواتر المعنی ہے اگر چہ اس کی تفصیل آحاد ہے بس ہم اس کے معاملہ میں توقف نہیں کرتے بلکہ اس کے ایمان میں (وہ یقیناً کافر ہے) اس پر اس کے اعوان و انصار پر اللہ کی لعنت ہو۔

اگر چہ علماء محتاطین نے یزید کے معاملہ میں سکوت فرمایا ہے کہ کفر کے لیے جس درجہ کا ثبوت درکار ہے وہ نہیں ہے۔ یہی ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور ہم بھی اسے کافر کہنے سے سکوت کرتے ہیں لیکن عرض یہ ہے جس بدنصیب کے بارے میں اتنے جلیل القدر ائمہ اور علماء کفر کا فتویٰ دیں۔ اسے لائق فائق، زاہد وہی کہے گا جو دینی امور سے غافل و جاہل ہوگا۔ امروہوی صاحب نے اُمِّ حرام بنت لحان کی حدیث سے یزید کے فضل و کمال کو ثابت کرنا چاہا ہے کہ

''قسطنطنیہ پر پہلے حملہ آوروں کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مغفرت کی بشارت دی ہے۔ یہ حملہ یزید کی سرکردگی میں ہوا۔ لہٰذا یزید بھی اس کا مستحق ہوا۔''

چونکہ حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو اس بات پر دلالت کرے کہ یہ بشارت لشکر کے ہر ہر فرد کے لیے ہے لہٰذا انہوں نے طرح طرح کی خیانتیں کی ہیں۔ علامہ ابن حجر کے بارے میں یہ لکھا ہے:

''علامہ ابن حجر نے فتح الباری شرح بخاری میں یہ بیان کرتے ہوئے کہ یہ حدیث حضرت معاویہ اور ان کے فرزند امیر یزید کی منقبت میں ہے۔ محدث المہلب کا یہ قول نقل کیا ہے:

قال المهلب فى هٰذا الحديث منقبة لمعاوية لانه اول من غز البحر و منقبة لولده لانه اول من غزا مدينة قيصر.

ترجمہ: اس حدیث کے بارے میں (محدث) المہلب نے فرمایا کہ یہ حدیث منقبت میں ہے حضرت امیر معاویہ کے کہ انہوں نے ہی سب سے پہلے بحری جہاد کیا اور منقبت میں ہے ان کے فرزند (امیر یزید کے) کہ انہوں نے ہی سب سے پہلے مدینہ قیصر قسطنطنیہ پر جہاد کیا۔

پہلی خیانت اس عبارت میں یہ ہے کہ اس حدیث سے حضرت معاویہ اور ان کے ناخلف بیٹے یزید دونوں کی منقبت ثابت کرنے کی نسبت سند الحفاظ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کی۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ علامہ ابن حجر نے مہلب کا یہ قیاس نقل کر کے اسے رد فرمایا ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ علامہ موصوف یزید کو لائق مغفرت نہیں مانتے۔ بخاری کے حاشیہ پر یوں ہیں متصلاً ہے:

و تعقبه ابن التين و ابن المنير بما حاصله انه لا يلزم من دخوله فى ذالك العموم انه لا يخرج احد بدليل خاص اذ لا يختلف اهل العلم ان قوله صلى الله عليه وسلم مغفورٌ لهم مشروط بان يكونوا من اهل المغفرة حتى لو ارتد احد من غزا بعد ذالك لم يدخل فى ذالك العموم اتفاقا فدل على ان المراد مغفور لهم لمن وجد شرط المغفرة فيه منهم.

ترجمہ: مہلب کے قیاس کو ابن تین اور ابن منیر نے یوں رد کیا کہ عموم کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ دلیل خاص سے کوئی نکل نہ سکے اس لیے

کہ حضور کا ارشاد (مغفور لھم) اس چیز کے ساتھ مشروط ہے کہ اہلِ
لشکر مغفرت کے اہل ہوں اگر کوئی لشکریوں میں سے اس کے بعد
مرتد ہو جائے تو وہ اس بشارت کے عموم میں ہرگز داخل نہیں ہے اس
سے معلوم ہوا کہ مغفور لھم کی بشارت انہیں کو شامل ہے۔ جس
میں مغفرت کی اہلیت ہے۔

اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ مغفور لھم کی بشارت انہیں لوگوں کو شامل ہے
جو لشکر کشی کے وقت مسلمان رہے ہوں اور آخر دم تک ایمان پر ثابت قدم رہے ہوں۔ اگر
کوئی اس جنگ کے وقت مسلمان تھا بعد میں کافر ہو گیا تو باتفاق علماء اس بشارت کا مستحق
نہیں۔ اگر غزوہ کے بعد کوئی ایسا امر پایا گیا جو منافی مغفرت ہو تو وہ محروم رہ جائے گا۔ اور ہم
اوپر ثابت کر آئے کہ یزید سے اس غزوہ کے بعد بہت سے ایسے امور سرزد ہوئے جن پر علماء
نے کفر تک کا فتویٰ دیا ہے لہٰذا وہ اس بشارت کا مستحق نہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ نماز روزہ
اور دیگر اعمال صالحہ کے لیے اعلیٰ اعلیٰ جزاؤں کا بیان ہے کیا جو بھی خواہ بدمذہب، بے دین
ہی کیوں نہ ہو۔ نماز پڑھ لے تو وہ اس اجر کا مستحق ہو جائے گا۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اعمال پر اجر کا
دارومدار، ایمان، حسنِ نیت اور مقبولیت پر ہے۔ ایمان نہیں خالصاً لوجہ اللہ نہیں تو وہ فاعل بھی
اجر کا مستحق نہ ہوگا۔ اسی طرح اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ قسطنطنیہ کے جہاد کا اجر مغفرت
ذنوب ہے لیکن یہ اجر ایمان و خلوص کے بعد ملے گا جس میں دونوں باتیں نہ ہوں وہ یقیناً
محروم رہے گا۔ اس توجیہ کی تائید دوسری حدیث سے ہوتی ہے کہ فرمایا:

ان السیف لا یمحو النفاق.

منافق جہاد میں مار ڈالا جانے والا جہنم میں جائے گا۔

تلوار نفاق نہیں مٹاتی علاوہ اس کے حدیث کا صاف واضح مطلب یہ ہے کہ اس
جنگ میں جہاد کرنے والوں سے جنگ سے پہلے پہلے جو گناہ صادر ہوئے ہوں گے وہ بخش
دیئے جائیں گے۔ یہ مطلب نہیں کہ بعد میں چاہے کچھ بھی ناکردنی کرے وہ پیشگی معاف
کر دیا گیا۔ اگر حدیث میں ماتقدم وما تاخر ہوتا تو ضرور یہ مطلب ہوتا۔ جب ماتقدم وما تاخر نہیں

تو یہی مطلب متعین ہے کہ اس وقت تک جو خطا سرزد ہوئی ہوگی وہ سب بخش دی جائے گی۔

امروہوی صاحب علامہ ابن حجر کی طرف مہلب کا قول منسوب کرنا اور ان کے رد
کو نظر انداز کر دینا بھی آپ کے نزدیک تحقیق کا اعلیٰ معیار ہے۔ رد کرنے والوں کو قائل بتانا
وہ تحقیق ہے۔ جس کی داد آپ کے اکابر مولوی رشید احمد گنگوہی اور خلیل احمد انبیٹھوی ہی دے
سکتے ہیں۔ اے خلافت معاویہ و یزید کو تحقیق بتانے والو۔ دیکھو یہ ہے تمہارے محقق کی کمال تحقیق۔

دوسری خیانت

اسی حدیث کا پہلا حصہ قبرص کے فاتحین کے بارے میں ہے۔ جس میں فرمایا:

قد اوجبوا.

علامہ ابن حجر نے اوجبوا کی شرح میں فرمایا تھا:

ای فعلوا فعلا وجب لھم به الجنة.

انہوں نے ایسا کام کیا جس کی وجہ سے جنت واجب ہوگئی۔ اس میں سے فعلو
فعلا ہضم کر کے صرف وجبت لھم به الجنة کو نقل کیا۔ کتر بیونت سے بھی جب کام چلتا
نظر نہیں آیا تو ترجمہ میں یہ عظیم تحریف کی یعنی ان (سب غازیوں) کے لیے جنت واجب ہوگئی۔
وجبت لھم به الجنة میں کوئی ایسا لفظ نہیں تھا جو کلیت پر دلالت کرتا ہو۔ لہٰذا
آپ نے ترجمہ میں سب غازیوں کی پچر لگا دی تا کہ مغفور لھم کے ترجمہ میں بھی یہ پچر
فٹ ہو جائے۔

اے دین کے دشمنو! تم یزید کی یزیدیت پر اپنا دین و ایمان منڈا بیٹھے ہو تو
منڈائے رہو۔ احادیث و قرآن کو کھیل نہ بناؤ مگر کیا کرو گے تم تو ان کے پیرو ہو جنہیں اللہ
کے رسول جل وعلیٰ ﷺ نے اپنے منبر پر اچھلتے کودتے دیکھا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یزید کے بارے میں امت کا اتفاق ہے کہ وہ فاسق و فاجر
تھا۔ امام احمد بن حنبل اور ابن جوزی وغیرہ اسے کافر بھی کہتے ہیں۔ اس پر لعنت کو بھی جائز
فرماتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے وہ زاہد و عابد تھا۔ تمام تاریخ چھان ڈالیے اس کے زہد و

قناعت کا ایک واقعہ نہیں ملے گا اگر تھا تو امروہوی صاحب نے اسے نقل کیوں نہیں کیا بلکہ خود امروہوی صاحب کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ یزید ہرگز زاہد نہیں تھا۔ صفحہ ۵۰ پر لکھتے ہیں:

> ''حضرت ابوالدرداء جیسے زاہد صحابی سے بہت مانوس تھے ان کی صاحبزادی کو نکاح کا پیغام بھی دیا تھا وہ یزید کو پسند کرتے تھے مگر اپنی بیٹی ایسے گھرانہ میں بیاہنے کو تیار نہ تھے جہاں کام کے لیے خادمہ موجود ہو۔ پھر انہوں نے اپنی بیٹی یزید ہی کے ایک ہم جلیس کے عقد میں دی۔''

امروہوی صاحب ہمیں سردست اس سے بحث نہیں کرنا ہے کہ حضرت ابوالدرداء یزید کو پسند کرتے تھے یا نہیں۔ یہ تو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی مروی حدیث سے ظاہر ہو چکا۔ یزید ان سے مانوس تھا کہ مرعوب اتنا تو ثابت ہو گیا۔ اس زاہد خدا پرست نے اپنی نورِ نظر کو یزید کے گھر جانے دینا اس لیے نہیں گوارا کیا کہ وہاں کام کاج کے لیے خادمہ تھی۔ کام کاج کے لیے خادمہ کا ہونا زہد کے کس درجہ میں داخل ہے۔ اس کو ہر دیندار جانتا ہے۔ بولیے حضرت ابوالدرداء نے گھر میں خادمہ کے ہونے کو زہد کے منافی جانا یا نہیں۔ گھر میں خادمہ رکھ کے آپ کے لائق فائق امیر زاہدین کے زمرے میں رہے یا نہیں۔ خلافت معاویہ و یزید کا اصل موضوع یہ ہے کہ ریحانۂ رسول جگر گوشۂ بتول امام عالی مقام رضی اللہ عنہ خاطی باغی تھے اور یزید اور اس کے لشکر والے حق پر تھے لیکن اسے ثابت کرنا آسان کام نہیں تھا جیسے قاتل ایک قتل چھپانے کے لیے دسیوں قتل کر ڈالتا ہے۔ اسی طرح امروہوی صاحب کو خانوادۂ نبوت کا خون ناحق چھپانے کے لیے سینکڑوں امت مسلمہ کے مسلمات کو ذبح کرنا پڑا ہے، آپ نے بغضِ آلِ رسول وحبِ یزید میں وہ جوش وخروش دکھایا ہے جس کی داد ابن ملجم یا ابن زیاد ہی دے سکتے ہیں۔

آپ نے پہلے یزید کو زاہد و فاضل، مدبر سیاسی اور غازی ثابت کیا۔ پھر اس کی خلافت کو حق بتایا پھر امام عالی مقام کی خطا ثابت کی پھر واقعہ شہادت کی سینکڑوں جزئیات کو غلط بتایا۔ حد یہ کہ واقعۂ شہادت کو اس طرح بیان کیا جیسے یہ کوئی اتفاقی معمولی سا واقعہ ہو جیسے

چلتے چلتے پاؤں تلے چیونٹی مسل جائے۔ مگر یہ سب اس وقت تک ثابت نہیں ہو سکتا تھا جب تک کہ ائمہ سیر و تاریخ پر کیچڑ نہ اچھالا جائے۔ اس کے لیے آپ نے امام ابن جریر طبری کو شیعہ بتایا۔ ابو مخنف کو وضاع کذاب کہا۔ ابن خلدون تک کے تمام ائمہ سیر تک کو اندھا مقلد بتایا۔ جگہ جگہ روایت پر درایت کو ترجیح دی۔ قیاس سے تاریخی واقعات ثابت کیے وغیرہ وغیرہ جب کہیں جا کر ان کے لائق زاہد امیر یزید کا دامن ان کے خیال میں خانوادۂ رسول کے خون ناحق سے صاف ہوا۔

اگر ہم ان تمام باتوں پر الگ الگ سیر حاصل بحث کریں تو اس کے لیے دفتر چاہیے۔ اس لیے ان تمام جزئیات سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف اصولی باتوں پر گفتگو کر کے اس بحث کو ختم کر دینا چاہتے ہیں۔

''یزید خلافت کا اہل نہیں تھا۔'' ہمارے مذکورہ بالا بیان سے واضح ہو گیا کہ یزید فاسق و فاجر تھا۔ جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں اس پر تمام امت کا اتفاق ہے۔ خلافت نیابت رسول ہے۔ خلیفۂ وقت کے ہاتھ میں مسلمانوں کا دین بھی ہوتا ہے۔ دنیا بھی ہوتی ہے۔ فاسق کا فسق و فجور اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے دل میں خدا کا خوف نہیں۔ وہ اپنی ہوس پرستی میں حدود شریعت کا لحاظ نہیں کرتا اس لیے فاسق کو یہ منصب سونپنے میں دین وملت کے برباد ہونے کا خطرہ ہے اس لیے کسی بھی فاسق و فاجر کو یہ منصب سونپنا امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے نزدیک درست نہیں تھا۔ دوسرے یہ کہ فاسق کو خلیفہ بنانے میں فاسق کی تعظیم ہے اور فاسق کی تعظیم وتکریم ناجائز و گناہ ہے اس لیے حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے نزدیک یزید کی خلافت درست نہیں تھی۔ علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہٗ حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں:

> قال اللاقانی فی شرح جوهرته فی شرط الامامة انها خمسة الاسلام والبلوغ والعقل والحرية و عدم الفسق بجارحة لا اعتقاد لان الفاسق لا يصلح لامر الدين ولا يوثق باوامره و نواهيه والظالم يختل به امر الدين والدنيا

فکیف یصلح للولایة و من الوالی لدفع شره الیس بعجیب استرعاء الغنم الذئب. (صفحہ۲۰۱ ملخصاً)

ترجمہ: لاقانی نے شرح جوہرہ میں فرمایا: امامت کبریٰ کی شرطیں پانچ ہیں۔ مسلمان، بالغ، عاقل، آزاد، اعتقاداً عملاً فاسق نہ ہونا اس لیے کہ فاسق امر دین کی صلاحیت نہیں رکھتا اور نہ اس کے اوامر ونواہی پر وثوق کیا جاسکتا ہے ظالم سے دین ودنیا کا امر برباد ہوجائے گا تو کس طرح والی بنانے کے لائق ہے اس کے شر کو دور کرنے کے لیے کون والی ہوگا۔ کیا بھیڑیے سے بھیڑ کی چرواہی تعجب انگیز نہیں؟

حضرت امام عالی مقام نے مقام بیضہ میں جو معرکۃ الآراء خطبہ دیا تھا اسے ناظرین سنیں اور خدا توفیق دے تو حق قبول کریں۔

ان الحسین خطب اصحابه و اصحاب الحر بالبیضة و حمد الله و اثنی علیه ثم قال ایها الناس ان رسول الله ﷺ قال من رأی سلطانا جائرا مستحلا حرم الله ناکثا لعهد الله مخالفا لسنة رسول الله ﷺ یعمل فی عباد الله بالاثم والعدوان فلم یغر علیه بفعل ولا قول کان حقا علی الله ان یدخله مدخله الا ان هؤلاء قد لزموا طاعة الشیطان و ترکوا طاعة الرحمن و اظهرو الفساد عطلو الحدود و استاثروا بالفئ و احلوا حرام الله و حرمو احلال الله و انا احق من غیر.

ترجمہ: امام عالی مقام نے مقام بیضہ میں اپنے اور حر کے ساتھیوں کو خطبہ دیا۔ اللہ کی حمد وثنا کی پھر فرمایا۔ اے لوگو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جس نے ایسے بادشاہ کو دیکھا جو ظالم ہو، اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کرتا ہو عہد الٰہی توڑتا ہو، سنت رسول کی مخالفت کرتا ہو۔ اللہ کے

بندوں میں ظلم وتعدی کے ساتھ حکومت کرتا ہو اور دیکھنے والے کو اس پر قولاً یا عملاً غیرت نہیں آئی تو خدا کو یہ حق ہے کہ اس بادشاہ کی جگہ (دوزخ) میں اس (مداہن) کو ڈال دے۔ میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں ان لوگوں (یزید اور یزیدیوں) نے شیطان کی اطاعت کی رحمٰن کی اطاعت چھوڑ دی۔ فساد مچایا۔ حدود الٰہی کو بیکار کردیا۔ مالِ غنیمت میں اپنا حصہ زیادہ لیا۔ حرام کو حلال اور حلال کو حرام کیا۔ میں غیرت کرنے کا سب سے زیادہ حقدار ہوں۔

صدقت یا سیدی جزاك الله عنی و عن جمیع المسلمین خیر الجزاء.

یہ خطبہ اگرچہ ابومخنف سے مروی ہے لیکن ابومخنف وضاع کذاب غیر مستند نہیں ہیں اگر امروہوی صاحب یا ان کے حوارین ابومخنف پر کبھی جرح کی زحمت گوارا کریں تو ان شاءاللہ المولیٰ تعالیٰ ہم بھی آگے بڑھیں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ امام نے اس خطبہ میں جو حدیث پڑھی ہے اس کی تائید دوسری متفق صحیح حدیثوں سے ہوتی ہے اس لیے اس کے موضوع ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ امام نے اس خطبہ میں یزیدیوں کے ایک ایک کرتوت کو مجمع عام میں بیان فرمایا مگر کسی کو ان باتوں کی تردید کی جرأت نہیں ہوئی جس سے ثابت ہوگیا۔ حرام کو حلال کرنا، حلال کو حرام کرنا، حدود الٰہی کو معطل کرنا، مالِ غنیمت میں اپنا حصہ زیادہ لینا، مختصر یہ کہ شیطان کی اطاعت کرنا، یزید اور یزیدیوں کا شعار ہو چکا تھا۔ ایسی صورت میں حدیث کو سامنے رکھئے کیا اس حدیث کے سامنے ہوتے ہوئے ابن شیر خدا چپکے سے یزید کے ہاتھوں میں ہاتھ دیتے؟ یہی وہ رمز ہے جسے کسی نے اپنی مشہور رباعی میں ظاہر فرمایا ہے۔ رباعی

شاہ است حسین بادشاہ است حسین
دین است حسین دیں پناہ است حسین

سر داد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بناء لا الہ است حسین

ایسے جابر اور فاسق بادشاہ کی عادت بد کے تغیر کے دو طریقے تھے ایک قول سے ایک فعل سے۔ دیگر صحابہ کرام نے قول سے کیا امام عالی مقام نے فعل سے کیا۔ فعل سے کرنا افضل تھا۔ نواسۂ رسول کے شایانِ شان افضل پر عمل کرنا تھا وہی انہوں نے کیا۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ یزید کے جو حالات امام عالی مقام کے علم میں تھے اس کے پیش نظر نہ اس کی خلافت درست تھی اور نہ فرمانِ رسول کے پیش نظر امام کو خاموش رہنا ممکن تھا تو امام نے جو کچھ کیا حق کیا۔ یزیدیوں نے امام کے خلاف جو کچھ کیا وہ سب ظلم و عدوان تھا آیئے اب احادیث کریمہ سے امام عالی مقام کا حق پر ہونا ثابت کروں۔

حدیث اول

مشکوٰۃ شریف میں صفحہ ۵۷۰ پر سلمٰی سے مروی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ میں حضرت ام سلمہ کے پاس حاضر ہوئی انہیں روتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔ آپ کیوں روتی ہیں۔ انہوں نے ارشاد فرمایا:

رأیت رسول اللہ ﷺ تعنی فی المنام و علی راسہ و لحیتہ تراب فقلت مالك یا رسول اللہ قال شهدت قتل الحسین انفا۔

ترجمہ: میں نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ سر اقدس اور ریش مبارک گرد آلود ہیں۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا بات ہے؟ ارشاد فرمایا: ابھی حسین کے مقتل میں تشریف فرما تھا۔

حدیث دوم

رأیت النبی ﷺ فیما یری النائم ذات یوم بنصف النهار اشعث اغبر بیدہ قارورۃ فیما دم فقلت بابی انت و امی

ما ھٰذ قال ھذا دم الحسین و اصحابه و لم ازل التقطه منذ الیوم فاحصی ذالك الوقت فاجد قتل ذالك الوقت۔

(ایضاً صفحہ ۵۷۲)

ترجمہ: میں نے ایک دن خواب میں حضور اقدس ﷺ کو دیکھا دوپہر کے وقت زلف مبارک منتشر چہرہ انور پر گرد ہے دست مبارک میں ایک شیشی ہے جس میں خون ہے میں نے عرض کیا: یارسول اللہ میرے ماں باپ فدا ہوں۔ یہ کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: یہ حسین اور ان کے ساتھیوں کا خون ہے جسے آج جمع کرتا رہا ہوں۔ ابن عباس کہتے ہیں میں نے یہ وقت خیال میں رکھا۔ حضرت حسین اسی وقت شہید ہوئے۔

حضور اقدس ﷺ کا مقتل میں تشریف لانا خون کے قطروں کا جمع فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ امام اور اصحاب امام کا ہر ہر قطرۂ خون حمایت حق و ابطال باطل میں بہا تھا اور اگر یزیدی حق پر ہوتے تو اس نوازش کے مستحق وہ تھے نہ کہ امام۔ اگر آپ کہیں کہ نواسے تھے اس رشتہ سے تشریف لائے تو عرض ہے کہ اللہ کے نبی کی یہ شان نہیں ہوسکتی کہ وہ حق کے مقابلہ میں باطل پرست نواسہ کو نوازے، اس کی حوصلہ افزائی کرے۔ اگر حق یزیدیوں کے ساتھ ہوتا تو یقیناً حضور اقدس ﷺ امام عالی مقام کے حریفوں کے مقتل میں ہوتے اور ان کا خون جمع فرماتے۔ رہ گئے علماء کے نصوص تو آپ نے اوپر پڑھ لیا کہ حضور اقدس ﷺ سے لے کر آج تک تمام ائمہ دین اور علمائے متین نے یزید کے ظلم و ستم فسق و فجور حتیٰ کہ بعضوں نے کفر کی تصریح کی ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ باطل پر تھا اور امام عالی مقام حق پر تھے۔ اطمینان مزید کے لیے تمہید امام ابوشکور سالمی کی سند پیش کروں یہ کتاب عقائد کی اتنی مستند ہے کہ حضرت نظام الدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے درس میں پڑھا ہے:

قال أهل السنة والجماعة ان الحسین رضی الله عنه کان الحق فی یدہ و قد قتل ظلماً۔

ترجمہ: اہل سنت و جماعت نے فرمایا کہ حسین رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور وہ ظلماً

شہید ہوئے ہیں۔

پھر حضرت معاویہ اور یزید میں فرق بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:

ان معاویة کان عالما من غیر فسق و کانت فیه الدیانة ولو لم یکن متدیناً لکان لا یجوز الصلح معه و کان عادلا فیما بین الناس ثم بعد علی کان اماما علی الحق عادلاً فی دین الله و فی عمل الناس و کان یزید بخلاف ھذا لانه روی انه شرب الخمر و امر بالملاھی والغناء و منع الحق علی اھله و فسق فی دینه.

ترجمہ: حضرت معاویہ عالم تھے فاسق نہیں تھے ان میں دینداری تھی اگر یہ دیندار نہ ہوتے تو ان کے ساتھ صلح جائز نہ ہوتی عادل تھے حضرت علی کے بعد امام برحق تھے۔ دین اور معاملات ناس میں عادل تھے برخلاف یزید کے کہ اس کے بارے میں مروی ہے اس نے شراب پی، باجا گاجا بجوایا۔ اہل حق کو حق سے محروم رکھا۔ دین میں فاسق ہوگیا۔

اس عبارت سے ظاہر ہوگیا کہ یزید فسق وفجور اور ظلم وعدوان کی وجہ سے خلافت کا اہل نہیں تھا اور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کا اس کی بیعت نہ کرنا حق تھا۔

امام کی خطاء کے استدلالات اور اس کے جوابات

امروہوی صاحب نے امام کے خطاپر ہونے کے ثبوت میں وہ حدیثیں پیش کی ہیں جن میں امیر کی اطاعت وفرمانبرداری کا حکم وارد ہے۔ ارشاد ہے:

''سنو اور مانو اگرچہ وہ حبشی غلام کیوں نہ ہو وغیرہ وغیرہ۔''

صفحہ ۱۶ پر لکھتے ہیں:

''اولی الامر، امیر کے لیے رنگ ونسل الخ اس عبارت میں آپ نے اہل سنت کے اس اجماعی مسئلہ کا خلاف کیا ہے کہ خلیفہ کے لیے قریشی کا ہونا شرط ہے) حدیث میں

ہے: **الائمة من قریش**۔ یعنی خلفائے اسلام قریش سے ہیں۔ خلافت کے لیے قریشی ہونا شرط ہے۔ اس پر تمام اہلسنت کا اجماع ہے اس کے خلاف معتزلہ نے کہا ہے مگر ابن خلدون معتزلی کی اندھی تقلید نے امروہوی صاحب سے اہل سنت وجماعت کے اس اجماعی مسئلہ کا بھی خون کرادیا ہے۔ معلوم نہیں حب یزید کس کس کھاڑی میں گرائے گی۔

پہلا جواب

ان احادیث میں امیر سے مراد خلیفہ نہیں بلکہ والی ملک یا والی فوج ہے۔ علامہ عینی عمدۃ القاری اور حافظ عسقلانی فتح الباری میں فرماتے ہیں:

ھذا فی الامراء والعمال لا الائمة والخلفاء فان الخلافة فی القریش لا یدخل فیھا لغیره.

ترجمہ: یہ امراء اور عمال کے بارے میں ہے ائمہ اور خلفاء کے بارے میں نہیں اس لیے کہ خلافت قریش کے لیے ہے دوسرے کو اس میں دخل نہیں۔

دوسرا جواب

یہ کہ خلیفہ کی اطاعت اس وقت لازم ہے جبکہ اس کی خلافت شرعاً صحیح ہو۔ اگر اس کی خلافت شرعاً درست نہ ہو تو اس کا حکم وہ نہیں جو ان احادیث میں وارد ہے۔ چنانچہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہے:

و ان لا انازع الامر اھله.

کہ ہم خلافت کے اہل سے منازعت نہ کریں۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ ساری تاکیدیں اس کے لیے ہیں جو خلافت کا شرعاً اہل ہو اور اس کی خلافت شرعی حیثیت سے ثابت ہو پہلے کے بیانات سے ثابت ہے کہ امام کے نزدیک یزید کی خلافت صحیح نہیں تھی لہٰذا اس کی اطاعت لازم نہیں تھی امروہوی صاحب نے یزید کے برحق ہونے کی دلیل پیش کی ہے۔

"یزید کو امیر معاویہ ؓ نے ولی عہد کر دیا تھا جیسا کہ حضرت صدیق اکبر ؓ نے حضرت فاروق اعظم ؓ کو خلیفہ بنا دیا تھا۔ جیسے صدیق اکبر کے استخلاف سے حضرت عمر کی خلافت درست تھی اسی طرح حضرت امیر معاویہ کے ولی عہد کرنے سے یزید کی امارت درست ہو گئی۔"

جواب

حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے حضرت عمر کے بارے میں جب صحابۂ کرام سے مشورہ کیا تو سب نے باتفاق قبول کیا اور اسے سراہا۔ صرف ایک صاحب نے یہ عذر کیا کہ "وہ بہت درشت مزاج ہیں۔" حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اس کا جواب یہ دیا کہ "ان کی درشتی میری نرمی کی وجہ سے تھی۔ جب ساری ذمہ داری ان کے سر آن پڑے گی تو وہ نرم ہو جائیں گے۔"

ابن عساکر نے یسارہ بن حمزہ سے روایت کیا ہے کہ صدیق اکبر نے اپنی علالت میں جھروکے سے سر نکال کر لوگوں سے پوچھا کہ میرے استخلاف پر تم لوگ راضی ہو تو لوگوں نے جواب میں کہا: "اے خلیفۂ رسول اللہ! ہم سب راضی ہیں۔"

حضرت علی کھڑے ہوئے اور کہا: "عمر کے علاوہ کوئی دوسرا ہوگا تو ہم راضی نہ ہوں گے۔"

صدیق اکبر نے جواب دیا: "وہ عمر ہی ہیں۔" حضرت صدیق اکبر کے وصال کے بعد پھر سارے صحابہ اور تابعین نے بلانکیر حضرت عمر کے ہاتھ پر بیعت کی۔

دوسرے یہ کہ حضرت ابوبکر نے اپنے بیٹے کو ولی عہد نہیں کیا تھا برخلاف یزید کی ولی عہدی کے کہ حضرت امیر معاویہ نے جب دمشق میں لوگوں کو اس کے لیے جمع کیا تو لوگوں نے وہاں بھی بڑے شد و مد سے مخالفت کی اس کا اعتراف امروہوی صاحب کو بھی ہے۔ صفحہ ۳۳ پر لکھتے ہیں:

"یہ اجتماع ہوا۔ جس میں ہر خیال کی نمائندگی تھی بعض نے مخالفانہ

تقریریں بھی کیں۔"

"مدینہ آئے تو اعیان صحابہ مثلاً حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر، ابن عمر، ابن عباس، ابن زبیر اور حضرت حسین نے رد در رد اس پر اعتراضات کیے۔ حضرت عبدالرحمٰن نے صاف صاف کہا (اپنے بیٹے کو ولی عہد کرنا) قیصر و کسریٰ کی سنت ہے۔" (تاریخ الخلفاء)

حضرت عبداللہ بن زبیر نے یہاں تک کہہ دیا۔ نبی کریم ﷺ سے لے کر حضرت عمر تک جو طریقے خلیفہ کے تقرر کے تھے اس میں سے کوئی طریقہ اختیار کرو تو ہمیں منظور ہے ان کے علاوہ ہمیں کوئی جدید طریقہ منظور نہیں۔ (ابن اثیر)

حضرت امیر معاویہ کے بعد جب یزید نے اپنی بیعت لینی چاہی تو بھی حضرت حسین اور ابن زبیر نے صاف انکار کر دیا۔

یہی اعیان اہلِ حل و عقد تھے جو یزید کی امارت پر نہ امیر معاویہ کے زمانہ میں راضی ہوئے۔ نہ ان کی وفات کے بعد راضی ہوئے۔ اس لیے یزید کی امارت شرعاً درست نہ ہوئی۔ اس موقع پر امروہوی صاحب نے یہ جھک مارا ہے کہ "یزید کی ولی عہدی کا قصہ ۵۶ھ کا ہے اور حضرت عبدالرحمٰن ۵۳ھ میں وفات پا گئے پھر انہوں نے اس پر اعتراض کب کیا۔ صفحہ ۳۵ پر لکھتے ہیں:

ابن جریر طبری نے بیان کیا ہے کہ یہ واقعہ ۵۶ھ کا ہے حالانکہ ان پانچ قریشی حضرات میں سے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر تو اس وقت زندہ بھی نہ تھے اس سے تین سال قبل ۵۳ھ میں وفات پا چکے تھے۔ یہ اعتراض امروہوی صاحب کے فن تاریخ سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے آپ نے خود لکھا ہے:

حضرت مغیرہ بن شعبہ جیسے مدبر صحابی نے یہ تحریک پیش کی۔ (صفحہ ۳۲)

حضرت مغیرہ بن شعبہ کا وصال ۵۰ھ میں ہو گیا تھا۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ۵۰ھ سے قبل یہ مسئلہ پیش ہو چکا ہو۔ ۵۳ھ میں حضرت عبدالرحمٰن کا وصال ہوا ولی عہدی کا مسئلہ

پیش ہونے کے بعد تین سال تک وہ زندہ رہے اور اس درمیان میں ولی عہدی کا مسئلہ جب پیش ہوا۔ انہوں نے مذکورہ بالا اعتراض کیا۔ پھر یہ طبری کا بیان ہے کہ یہ واقعہ ۵۶ھ کا ہے۔ اور طبری آپ کے نزدیک شیعہ غیر معتبر۔ لہٰذا آپ کا یہ استدلال آپ کے مسلمہ پر باطل۔

تیسرا فرق یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر طرح خلافت کے اہل تھے اور یزید ہر طرح نااہل۔ اس لیے حضرت عمر کا استخلاف درست اور یزید کی ولی عہدی درست نہ تھی۔ علماء نے جہاں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ خلیفہ سابق کے استخلاف سے امارت سے ثابت ہوتی ہے۔ وہاں اہل کی بھی قید لگائی ہے۔ صواعق محرقہ صفحہ ۵ پر ہے۔

الامامة تثبت اما بنص من الامام علی استخلاف واحد من اهلها اما بعقدها من اهل العقد والحل لمن عقدت له من اهلها.

ترجمہ: امامت دو طرح ثابت ہوتی ہے، ایک تو یہ کہ خود امام کسی اہل کے خلیفہ بنانے کی تصریح کر دے دوسرے اہل عقد و حل کسی اہل کو مقرر کر دیں۔

یزید میں اہلیت نہیں تھی جس کا بیان گزر چکا۔ لہٰذا اس کو ولی عہد کرنا درست نہیں تھا۔

تیسری دلیل یہ کہ امت کی اکثریت نے یزید کی بیعت کر لی تھی اور فیصلہ کثرت رائے پر ہوتا ہے۔ لہٰذا یزید کی خلافت حق اور امام کا بیعت نہ کرنا خطا۔

جواب اولاً

یہ قانون اسلام کا نہیں۔ انگریزوں کا ہے اگر آپ کسی انگریز کی ہسٹری لکھنے اور اس قانون سے مدد لیتے تو اسے انگریز مان لیتے مگر آپ بانی اسلام کی جانشینی کے مسئلہ کو اس انگریزی قانون سے نہیں طے کر سکتے۔ اسے خالص اسلامی اصول سے طے کرنا ہوگا۔ علماء ملت تو یہ فرماتے ہیں:

الواحد علی الحق هو السواد الاعظم.

ترجمہ: ایک حق پرست ہی سوادِ اعظم ہے۔

آپ کے اس قانون کو اگر حق مان لیں اور عیسائی یہ کہہ بیٹھے، آیئے آپ کے اس قانون سے اسلام و کفر کا فیصلہ کر دیا جائے اور ووٹ لیا جائے جس کی طرف زیادہ ووٹ ہوں وہ مذہب حق پر ہوگا۔ تو بولیے آپ اس صورت میں اکثریت کے فیصلے کو ماننے کے لیے تیار ہیں۔ سچ ہے: **حب الشی یعمی و یصم**...... حب یزید میں آپ کو کچھ سوجھائی نہیں دیتا۔ آپ کو یزید کی حقانیت کا راگ الاپنے سے کام ہے۔ اگرچہ اس کے رد میں دین و ملت سب بہہ جائیں۔

ثانیاً:

حالت جبر و اکراہ کے احکام اور ہیں، اور اختیار کے اور۔ اسی طرح یزید کی بیعت نہ کرنے میں جان و مال، عزت و ناموس کی بربادی کا اندیشہ تو یہ تھا۔ یزید اس پر قادر بھی تھا۔ واقعہ کربلا، واقعہ حرہ، احصار مکہ معظمہ اور احراق کعبہ مقدسہ اس پر شاہد عدل ہیں۔ ایسی صورت میں رخصت یہ تھی کہ یزید کی بیعت کر لی جاتی۔ عزیمت یہ تھی کہ بیعت نہ کی جائے اس رخصت پر عمل کرنے میں نہ ثواب تھا نہ عذاب، عزیمت پر عمل کرنے میں ثواب تھا۔ نواسۂ رسول کے لیے شایانِ شان عزیمت پر عمل کر کے جنت کا دولہا بننا تھا۔ انہوں نے عزیمت پر عمل کیا۔ دیگر صحابہ کرام اور تابعین عظام نے رخصت پر عمل کیا اس پر ان سے کوئی مواخذہ نہیں جس طرح حالت اکراہ میں کلمۂ کفر زبان پر جاری کرنے کی رخصت ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: **الا من اكره و قلبه مطمئن بالايمان**۔ اور عزیمت یہ ہے کہ جان دے دے مگر کلمۂ کفر زبان پر نہ لائے عزیمت پر عمل کرنا بہتر ہے اور رخصت پر عمل کرنے والا گنہگار نہیں۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین و ملت فاضل بریلوی قدس سرہٗ الحجۃ المؤتمنہ میں فرماتے ہیں:

اب دو صورتیں تھیں یا بخوف جان اس یزید کی وہ ملعون بیعت قبول کر لی جاتی کہ یزید کا حکم ماننا ہوگا۔ اگرچہ خلاف قرآن و سنت ہو۔ یہ رخصت تھی ثواب کچھ نہ تھا۔ قال اللہ تعالیٰ: **الا من اكره و قلبه مطمئن بالايمان**۔ یا جان دے دی جاتی اور وہ ناپاک

بیعت نہ کی جاتی۔ یہ عزیمت تھی اور اس پر ثواب عظیم اور یہی ان کی شان رفیع کے شایاں تھی۔ اسی کو اختیار فرمایا۔ (صفحہ ۹۶)

''چوتھی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے حضرت امام کو خروج سے منع فرمایا۔ ان حضرات کا خروج سے منع فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ خروج ناجائز تھا۔''

جواب

واقعہ صرف اتنا ہے کہ جب حضرت امام نے مکہ سے کوفہ جانے کا عزم محکم فرمالیا تو ان حضرات نے حضرت امام کو کوفہ جانے سے اس بنا پر روکا کہ اہل کوفہ دغاباز بے وفا ہیں، ان پر اعتماد نہ کیجیے، وہ عین موقع پر دغا دیں گے اور آپ کو اکیلے چھوڑ دیں گے۔

امروہوی صاحب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے روکنے کا بڑے شد و مد سے تذکرہ کیا ہے۔ اس لیے اصل واقعہ کے انکشاف کے لیے ان کے الفاظ کریمہ نقل کرتا ہوں:

والله انی لاظنك ستقتل بين نسائك و ابنائك كما قتل عثمان فلم يقبل منه فبكى ابن عباس. (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۴۴)

ترجمہ: باللہ میرا گمان ہے کہ تم اپنی عورتوں اور بچوں کے سامنے شہید کیے جاؤ گے۔ جیسا کہ عثمان شہید ہوئے۔ حضرت امام نے نہ مانا تو ابن عباس روئے۔

جب امام نہ مانے اور کوفہ کے لیے روانہ ہوگئے۔ تو حضرت ابن عمر فرمایا کرتے:

غلبنا حسين بالخروج و لعمرى لقد راى فى ابيه و اخيه عبرة ايضا.

ترجمہ: حسین نہ مانے چلے گئے حالانکہ میری جان کی قسم اپنے والد بھائی کے معاملہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ حج کے وقع پر کسی عراقی نے

آپ سے یہ مسئلہ پوچھا کہ حالت احرام میں مکھی مارنا کیسا ہے تو فرمایا:

اهل العراق يسألون عن قتل الذباب و قد قتلوا ابن بنت رسول الله و قال النبى ﷺ هما ريحانتاى من الدنيا.

(بخاری)

ترجمہ: اہلِ عراق مکھی کے مار ڈالنے کے بارے میں پوچھتے حالانکہ انہوں نے نواسۂ رسول کو شہید کیا۔ حالانکہ حضور ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا، وہ میرے پھول ہیں۔

اگر امروہوی صاحب کی تحقیق کے بموجب حضرت امام کا کوفہ جانا خطا ہوتا اور امام برحق پر خروج ہوتا تو ان کا قتل کیا جانا حق تھا، اس پر ابن عمر عراقیوں پر تعریض نہ کرتے بلکہ انہیں داد دیتے کہ تم نے اچھا کیا۔ تم کو مولیٰ عزوجل جزا دے۔ ایک زبردست باغی کو قتل کرکے امت میں اتحاد و اتفاق قائم کردیا۔ جیسا کہ امروہوی صاحب تیرہ سو سال کے بعد داد دے رہے ہیں۔ اسی سے معلوم ہوگیا کہ یزید باطل پر تھا۔ امام عالی مقام کا اس کی بیعت سے انکار کرنا حق تھا اور امام کی شہادت خون ناحق تھی۔

اب واضح ہوگیا کہ ان حضرات کا کوفہ جانے سے روکنا اس بناء پر نہیں تھا کہ یہ لوگ امام کے اس اقدام کو باطل جانتے تھے اور یزید کی بیعت کو حق بلکہ اس بنا پر تھا کہ کوفی لائق اعتبار نہیں، اس شق کو مزید تقویت ابن عباس کے اس جملہ سے ہوتی ہے۔

''آپ بجائے کوفہ کے یمن چلے جائیں۔ وہاں کے لوگ آپ کے والد کے محب خاص ہیں ایک وسیع ملک ہے۔ وہاں قلعے اور گھاٹیاں ہیں اور وہ بالکل الگ تھلگ ہے۔ وہاں بیٹھ کر لوگوں کو دعوتی خطوط لکھو، ہر طرف داعی بھیجو۔ اس طرح امن و عافیت کے ساتھ تمہارا مقصد پورا ہو جائے گا۔'' (طبری)

اگر ابن عباس کے نزدیک یزید کے خلاف کوئی تحریک بغاوت تھی تو پھر یمن جاکر اس بغاوت کے پھیلانے کا کیوں مشورہ دے رہے تھے، یہ کون سی منطق ہے کہ کوفہ جانا

بغاوت وخروج ہوا اور یمن جانا امن واتحاد۔ یہ ایسی منطق ہے جو اسی دماغ میں آسکتی ہے جو حب یزید اور بغض اہلِ بیت نبوت سے ماؤف ہو چکا ہو۔ پھر یہی ابن عباس امام سے یہ بھی فرماتے ہیں:

''ہاں اگر عراقیوں نے شامی حاکم کو قتل کر کے شہر پر قبضہ کر لیا ہو اور اپنے دشمنوں کو وہاں سے نکال دیا ہو تو بخوشی جاؤ لیکن اگر عراقیوں نے تم کو ایسی حالت میں بلایا ہے کہ ان کا حاکم موجود ہے، اس کی حکومت قائم ہے اور اس کے عمال خراج وصول کرتے ہیں تو یقین مانو کہ انہوں نے تم کو محض جنگ کے لیے بلایا ہے، مجھ کو یقین ہے کہ یہ سب تم کو دھوکا دے جائیں گے تم کو جھٹلائیں گے تمہاری مخالفت کریں گے اور تمہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیں گیا اور جب تمہارے مقابلہ کے لیے بلائے جائیں گے تو تمہارے سب سے بڑے دشمن ثابت ہوں گے۔'' (طبری جلد ہفتم)

کیا کوفہ میں حاکم ہوتے ہوئے جانا خروج و بغاوت ہے اور حاکم کو قتل کرنے کے بعد وہاں جانا بغاوت وخروج نہیں؟ کیا امیر برحق کے مقرر کردہ حاکم کو قتل کرنا اور شہر سے نکالنا بغاوت وخروج نہیں؟

الغرض جن حضرات نے بھی منع کیا۔ کوفہ جانے سے منع کیا اور اس بنا پر منع کیا کہ آپ کے پاس سروسامان نہیں۔ فوج نہیں۔ آپ رخصت پر عمل کریں کوفیوں پر مت اعتماد کریں وہ لائق اعتماد نہیں، بے وفا، غدار ہیں۔

یہ دونوں روایتیں طبری کی ہیں جنہیں آپ نے شیعہ کہہ کر نا قابلِ قبول قرار دیا ہے۔ لیکن یہ حب یزید کے خمار کی ترنگ ہے جیسا کہ ہم پہلے امام ذہبی کے قول سے ثابت کر آئے کہ ان پر شیعہ ہونے کا الزام جھوٹا ہے اور انہیں نا قابلِ اعتماد کہنا غلط۔ وہ کبار ائمہ معتمدین میں سے ہیں۔ لہٰذا ان کی روایات محض اس بناء پر نہیں رد کی جاسکتی ہیں کہ یہ طبری نے بیان کیا ہے لہٰذا قابل قبول نہیں۔ پھر جہاں اپنے مطلب کی بات ہوتی ہے طبری معتبر

ہو جائے۔ یزید کی ولی عہدی پر جب حضرت عبدالرحمٰن کے اعتراض کو ساقط کرنا ہوا۔ طبری ہی کا سہارا لیا۔ جس پر تنبیہ گزر چکی ہے۔

اب جب کہ دلائل قاہرہ سے ثابت ہو چکا کہ یزید کی حکومت شرعاً درست نہ تھی۔ ظالمانہ تسلط تھا اس کے بالمقابل حضرت سید الشہداء حق پر تھے تو یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت امام اور رفقائے امام کے ساتھ یزیدیوں نے جو کچھ کیا۔ ظلم وعدوان تھا اور یہ لوگ شہید فی سبیل اللہ تھے۔

امروہوی صاحب نے شہادت کے سلسلہ میں بہت سی مسلم الثبوت جزئیات سے محض قیاسات فاسدہ سے انکار کر دیا ہے۔ اس پر تفصیلی گفتگو کسی آئندہ ملاقات میں ہوگی۔ اصولی طور پر اتنا عرض ہے کہ تاریخی واقعات کو قیاسات سے نہیں ثابت کیا جاتا بلکہ روایات سے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ واقعات ایسے رونما ہو جاتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ کیسے کیا ہو گیا۔ تقدیر کا ہمیشہ تدبیر کے موافق ہونا ضروری نہیں۔ پھر ہر شخص کے قیاس کا صائب ہونا لازم نہیں اگر تاریخی واقعات کو اپنے قیاسات سے ثابت کرنے کی بدعت پر عمل کریں گے تو بہت سے مسلم الثبوت واقعات کے ثبوت ہی میں دشواری ہو جائے گی۔

کیا یہ ہر عقل میں آنے کی بات ہے کہ مرکز توحید کعبہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے جائیں۔ کیا یہ ہر عقل میں آنے کی بات ہے کہ چھوٹی چھوٹی چڑیوں کی پھینکی ہوئی ننھی ننھی کنکریوں سے ابرہۃ الاشرم کا لشکر پامال ہو جائے؟ کیا ہر شخص کے عقل میں آنے کی بات ہے کہ خاتم النبیین کا چچا ابولہب کافر مرے مگر ان کے ثبوت میں ٹھوس روایات موجود ہیں لہٰذا کسی کی عقل میں آئے یا نہ آئے ماننا پڑے گا۔ مثال کے طور پر آپ نے محض یہ ثابت کرنے کے لیے کہ ''امام عالی مقام پر تین دن تک پانی بند نہیں کیا گیا۔'' اپنا یہ قیاس پیش کیا ہے۔

''امام عالی مقام مکہ معظمہ سے آٹھ ذی الحجہ کو نہیں بلکہ دس ذی الحجہ کو چلے ہیں اور راستے میں تیس منزلیں ہیں۔ لہٰذا امام دس محرم کو کربلا میں جلوہ فرما ہوئے اسی دن شہید ہو گئے نہ تین دن کربلا میں قیام رہا نہ

تین دن تک پانی بند رہا۔''

امروہوی صاحب نے بجائے آٹھ کے دس ذی الحجہ کی روانگی پر قیاس پیش کیا ہے۔

''کیا یہ ممکن تھا کہ امام حج چھوڑ کر کوفہ چل دیتے ایسی کیا جلدی تھی۔

امروہوی صاحب نے ایسی جذباتی دلیل پیش کی ہے کہ عوام اسے فوراً قبول کر لیں گے۔ لیکن اہلِ علم خوب جانتے ہیں کہ آپ نے یہاں کتنی ہوشیاری سے کام لیا ہے۔ حضرت امام حج بارہا ادا فرما چکے تھے۔ حج فرض ذمہ میں نہیں تھا۔ یہ حج اگر ادا فرماتے تو بھی نفل ہوتا۔ دوسری طرف کوفیوں نے یزیدی استبداد کے آزار کے لیے ہر ممکن مدد کا یقین دلایا تھا۔ ایسی صورت میں ازالۂ منکر فرض تھا۔ منیۃ المصلی پڑھنے والا بھی جانتا ہے کہ نفل پر فرض کی ادائیگی کو مقدم رکھیں گے۔ اگر حضرت امام نے اس اہم فرض کی ادائیگی کے لیے ایک نفل ترک کر دیا تو اس میں کیا گناہ لازم آیا۔ پھر یہ کہ امروہوی صاحب بھی یہ کہتے ہیں:

''ابن سعد لڑنا نہیں چاہتا تھا لیکن یزید کی بیعت لینا اس کا مطمع نظر تھا۔''

ایسی صورت میں قیاس یہ چاہتا ہے کہ پانی بند کر دیا جائے تاکہ امام تشنگی سے جاں بلب ہو کر چھوٹے چھوٹے بچوں کو تڑپتے بلکتے دیکھ کر عزیمت چھوڑ کر رخصت پر عمل فرما لیں۔

اسی طرح آپ نے بڑی طولانی بحث کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ

''مکہ سے کربلا کی تیس منزلیں ہیں اور دو منزل اور سہ منزلہ کسی طرح ممکن نہیں، لہٰذا ایک ایک دن میں ایک ایک منزل طے کرتے ہوئے تیس دن میں تیس منزلیں طے کر کے دسویں محرم کو کربلا پہنچے۔''

واقعہ یہ ہے کہ عقل پر محبت یا بغض کا پردہ پڑ جانے کا کوئی علاج نہیں۔ پہلی منزل بستان ابن عامر چوبیس میل ہے۔ دسویں ذی الحجہ کو حج کے مراسم ادا کر کے کوئی شخص کسی طرح چوبیس میل طے نہیں کر سکتا۔ اور امروہوی صاحب کو کیا خبر کہ دسویں ذی الحجہ کو کیا کیا مراسم ہیں۔

دسویں ذی الحجہ کو آفتاب نکلنے سے کچھ پہلے مزدلفہ سے چل کر منیٰ آنا ہے۔ جمرۃ العقبہ پر کنکری مارنا ہے۔ کنکری مار کر حجامت بنوانا ہے۔ قربانی کرنا ہے۔ پھر مکہ معظمہ جا کر

طواف زیارت کرنا ہے۔ پھر صفا و مروہ کی سعی کرنی ہے کیا کسی بھی عقل مند آدمی کی سمجھ میں یہ بات آ سکتی ہے کہ ایک دن میں مزدلفہ سے چل کر منیٰ آئے۔ وہاں کے مراسم ادا کر کے پھر مکہ معظمہ جائے وہاں کے مراسم ادا کر کے اتنا وقت بچے گا کہ حسینی قافلہ چوبیس میل کی مسافت طے کر کے بستان ابن عامر پہنچ سکے۔ یقیناً ایسا ممکن نہیں لہٰذا امروہوی صاحب کی تحقیق کی بنا پر یہ لازم آئے گا کہ امام گیارہ کو مکہ سے چلے اور گیارہ کو کربلا جلوہ فرما ہوئے۔ پھر دس کو شہادت کس طرح ہوئی۔

دوسرے یہ کہ گیارہ بارہ ذی الحجہ کو کنکریاں مارنا حج کے واجبات سے ہے۔ حج اگرچہ نفل ہو۔ گیارہ بارہ کی رمی واجب ہے۔ امام عالی مقام اگر حج نہ کرتے تو صرف ترک نفل لازم آتا اور حج شروع کر کے گیارہ بارہ کی رمی چھوڑتے ہیں ترک واجب لازم آئے گا۔ یہ کہاں کی عقل مندی ہوگی کہ ترک نفل سے بچنے کے لیے ترکِ واجب کے وبال میں مبتلا ہوں۔ لہٰذا آپ کی جغرافیائی ریسرچ کی بنا پر لازم آئے گا کہ امام تیرھویں ذی الحجہ کو مکہ سے روانہ ہوں اور تیرہ محرم کو کربلا میں پہنچیں۔

امروہوی صاحب آپ نے دیکھا۔ آب بندی کی روایت کو غلط ثابت کرنے کے لیے آپ نے جو قواعد مستخرج فرمایا وہ خود آپ کے مسلمات کو ڈھا رہے ہیں۔ روایت پذیری چھوڑ کر درایت پرستی اختیار کرنے سے آدمی یونہی دلدلوں میں پھنستا ہے۔

ناظرین کے اطمینان کے لیے امروہوی صاحب کی ایک درایت کی قلعی کھول دی گئی۔ اسی طرح دیگر درایتوں کو قیاس کر لیں۔ بشرطِ فرصت ان شاء اللہ تعالیٰ ان کی اس قسم کی تمام درایتوں پر بھی مفصل گفتگو ہوگی۔ اس تفصیلی گفتگو کے بعد سوالات مندرجہ بالا کے جوابات یہ ہیں:

۱- یقیناً بلاشبہ یہی اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کی خلافت حق ہے۔ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے بعد یہی خلیفہ برحق تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قصاص نہ لینے اور اس میں کسی قسم کی پہلوتہی کرنے کا الزام حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ پر لگانا قطعاً درست نہیں۔

۲- یزید اپنے فسق، فجور اور دیگر وجوہ شرعیہ کی بنا پر امام عالی مقام رضی اللہ عنہ اور دیگر آئمہ کے نزدیک یقیناً خلافت کا اہل نہیں تھا۔ اس کی خلافت شرعاً درست نہیں تھی۔

۳- اس کے بالمقابل ریحانۂ رسول حضرت امام عالی مقام حق پر تھے اور انہیں اور ان کے رفقاء کا قتل کرنا ظلم عظیم تھا۔ یہ حضرات مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر پر فیصلہ کن بحث

بخاری شریف جلد اول کتاب التہجد باب صلوٰۃ النوافل میں حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث کے ضمن میں سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا تذکرہ یوں آ گیا ہے۔ راوی حدیث حضرت محمود بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث ایسے لوگوں کی موجودگی میں بیان کی جن میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی بھی تھے۔ ارض روم کی اس لڑائی کے موقع پر جس میں ان کی وفات ہوئی، جس کا امیر یزید بن معاویہ تھا۔ اس کی شرح میں اس خادم نے اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر پر نئے رخ سے بحث کی ہے جس سے یزیدیوں کی ساری عمارت ڈھہ جاتی ہے مناسب معلوم ہوا کہ اسے بھی مقالات میں داخل کر دیا جائے۔

غلط فہمی کی بنیاد

عام طور پر ذہنوں میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ اس حدیث میں مدینۃ قیصر سے مراد قسطنطنیہ ہے اور یہ کہ قسطنطنیہ پر پہلا حملہ اس لشکر نے کیا تھا جس کا سپہ سالار یزید پلید تھا۔ یا کم از کم اس میں شریک ضرور تھا۔ حتیٰ کہ چند سال پہلے تک اس خادم کے ذہن میں بھی یہی تھا۔ اسی وجہ سے ''پاسبان کے کربلا کا مسافر نمبر'' میں نیز شرح بخاری جلد اول میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے حالات میں اس سے تعرض نہیں کیا۔

مگر علامہ الحاج مبین الدین امروہوی[1] دامت برکاتہم القدسیہ نے اپنے رسالہ مبارکہ شہید معظم میں اس پر بحث کا نیا رخ اپنایا ہے جو انتہائی محققانہ اور فیصلہ کن ہے۔ اسی کی روشنی میں ہم اب ایک نئے سرے سے اس بحث کو ناظرین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

یہاں بنیادی طور پر دو باتیں غور طلب ہیں۔ اس حدیث میں قسطنطنیہ کا نام نہیں۔ مدینہ قیصر ہے یعنی قیصر کے شہر۔ مدینہ قیصر کا ترجمہ یا مطلب کسی لغت میں قسطنطنیہ نہیں۔ پھر محدثین نے اس سے قسطنطنیہ کیسے مراد لیا۔ لاینحل معمہ ہے۔ قیصر کے حدود سلطنت کا کوئی بھی شہر مدینہ قیصر ہو سکتا ہے۔ اب آیئے دیکھئے کہ قیصر کے شہر پر پہلا حملہ کب ہوا۔

تاریخ و سیر کا ادنیٰ واقف کار جانتا ہے کہ قیصر کے شہر پر پہلا حملہ خود حضور اقدس ﷺ کے عہد مبارک میں ۸ھ جمادی الاولیٰ میں ہوا۔ جس کا نام غزوہ موتہ ہے۔ اب اس بشارت کے مستحق غزوۂ موتہ کے شرکاء ہیں اور اگر مدینہ قیصر سے اس کا دارالسلطنت مراد لیا جائے۔ تو جس وقت حضور اقدس ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا اس وقت قیصر کا دارالسلطنت حمص تھا۔ جو عہد فاروقی ۱۶ھ میں فتح ہوا۔ اب اس بشارت کے مورد فاتحین حمص ہیں۔

دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ اگر کسی کو ضد ہو کہ مدینہ قیصر سے مراد قسطنطنیہ ہی ہے تو اگرچہ ضد کا کوئی علاج نہیں مگر حضرت امام عالی مقام سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی کرامت ہے کہ خاص اس ضد کا علاج موجود ہے۔ حدیث کی یہ بشارت اس لشکر کے لیے ہے جو سب سے پہلے مدینہ قیصر پر حملہ کرے گا۔ اور جس لشکر میں یزید شریک تھا وہ قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والا پہلا لشکر نہیں تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ یزید جس لشکر کا امیر تھا وہ ۵۰ھ یا اس کے بعد ۵۲ھ میں قسطنطنیہ پر گیا تھا۔ اس سے پہلے قسطنطنیہ پر چار بار حملہ ہو چکا تھا۔ پہلی بار ۳۲ھ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت معاویہ کی سربراہی میں حملہ ہوا تھا۔ البدایہ والنہایہ[2] میں ہے:

---

۱ واحسرتاہ کہ حضرت کا اسی سال ۲۴ جمادی الاخرہ م ۱۴ فروری بروز یکشنبہ ۳ بجکر ۳۵ منٹ پر اپنے کاشانہ امروہہ رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

۲ جلد سابع صفحہ ۱۵۹

ثم دخلت سنة ثنتين و ثلاثين و فيها غزا معاوية بلاد الروم حتى بلغ المضيق، مضيق قسطنطنية.

ترجمہ: ۳۲ھ میں معاویہ نے بلادِ روم میں جنگ کی یہاں تک کہ قسطنطنیہ کی گھاٹی تک پہنچ گئے۔

دوسری بار ۴۳ھ میں بسر بن ابی ارطاۃ[1] کی سرکردگی میں اور تیسری بار ۴۴ھ میں چوتھی بار ۴۶ھ میں عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید سیف اللہ کی سرکردگی میں اسی میں ہے؛

سنة ثلث و اربعين فيها غزا بسر بن ابی ارطاة بلاد الروم فوقع فيها حتى بلغ مدينة قسطنطنية سنة اربع و اربعين فيها غزا عبدالرحمٰن بن خالد بن الوليد بلاد الروم و معه المسلمون.[2] سنة ست و اربعين فيها شتى المسلمون ببلاد الروم مع اميرهم عبدالرحمٰن بن خالد و قيل كان اميرهم غيره.[3]

ترجمہ: ۴۳ھ میں بسر بن ابی ارطاۃ نے بلادِ روم میں جنگ کی یہاں تک کہ بڑھتے گئے یہاں تک کہ شہر قسطنطنیہ تک پہنچ گئے۔ ۴۴ھ میں عبدالرحمٰن بن خالد نے بلادِ روم میں جہاد کیا اور ان کے ساتھ بہت سے مسلمان تھے ۴۶ھ میں مسلمانوں نے اپنے امیر عبدالرحمٰن بن خالد کے ساتھ بلادِ روم میں جہاد کیا۔ ایک قول یہ ہے کہ امیر کوئی اور تھا۔

۴۳ھ میں بسر بن ابوارطاۃ نے جو جنگ کی اس کے بارے میں تصریح ہے کہ وہ قسطنطنیہ تک پہنچ گئے۔ ہدایہ نہایہ میں یہ مذکور نہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن سیف اللہ قسطنطنیہ

۱ ایضاً ثامن صفحہ ۳۴

۲ ایضاً صفحہ ۲۷

۳ ایضاً صفحہ ۳۰

تک پہنچے مگر بدایہ اور نہایہ سے بدرجہا راجح کتاب ابوداؤد[1] میں ہے کہ یہ قسطنطنیہ کی فصیل تک پہنچ گئے۔ اور اس کا محاصرہ کرلیا تھا نیز یہ کہ اس میں سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے۔ ابوداؤد میں یہ تفصیل ہے۔ اسلم بن ابوعمران نے کہا: ہم مدینہ سے قسطنطنیہ پر جہاد کے لیے نکلے اور امیر لشکر عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید تھے۔ اور رومی اپنی پیٹھ شہر پناہ سے چپکائے ہوئے تھے۔ ایک صاحب نے دشمن پر حملہ کیا تو لوگوں نے کہا: ٹھہر ٹھہر لا الٰہ الا اللہ۔ اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ اس پر ابوایوب انصاری نے فرمایا: یہ آیت ہم انصار کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جب اللہ نے اپنے نبی کی مدد کی اور اسلام غالب ہوگیا تو ہم نے کہا کہ اب ہم اپنے کاروبار میں لگ جائیں۔ انہیں درست کرلیں۔ تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ ہلاکت میں مت پڑو۔ اپنے کام میں لگ جانا۔ جہاد چھوڑنا، اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ ابن ابوعمران نے کہا: ابوایوب جہاد کرتے رہے یہاں تک کہ قسطنطنیہ میں دفن ہوئے۔

ترمذی[2] میں بھی تھوڑی زیادتی اور کچھ اختصار کے ساتھ یہ روایت موجود ہے۔ اس میں یہ ہے کہ مصر پر عقبہ بن عامر اور ایک جماعت پر فضالہ بن عبید تھے۔ سپہ سالار کون تھا، یہ ترمذی میں نہیں۔ طبری میں البتہ پوری تفصیل ہے۔ ابوداؤد والی سند کے ساتھ ہے کہ اہلِ مصر پر عقبہ بن عامر اور پوری جماعت پر عبدالرحمٰن بن خالد امیر تھے۔ طبری ہی میں دوسری روایت ہے کہ اہلِ مصر پر عقبہ بن عامر اور اہلِ شام پر فضالہ بن عبید تھے۔ ان سب کا حاصل یہ ہوا کہ لشکر کے سپہ سالار حضرت عبدالرحمٰن بن سیف اللہ تھے اور اہلِ مصر کے مجاہدین کے سردار حضرت عقبہ بن عامر اور اہلِ شام کے فضالہ بن عبید اس طرح ابوداؤد اور ترمذی کی روایتوں میں تطبیق ہوجاتی ہے۔

ابوداؤد اور ترمذی میں سن مذکور نہیں۔ مگر چونکہ حضرت عبدالرحمٰن بن سیف اللہ رضی اللہ عنہما کو ۴۶ھ میں زہر دے کر مار ڈالا گیا تھا۔[3] تو ضروری ہے کہ یہ جہاد ۴۶ھ میں یا اس سے

۱ اول الجهاد باب فی قوله عزوجل ولا تلقوا بايديك الى التهلكه، صفحہ ۳۴۰

۲ ثانی تفسیر سورہ بقرہ صفحہ ۱۴۱

۳ بدایہ ونہایہ ثامن سن ۳۱

پہلے ہوا ہو۔ یزید پلید جس لشکر میں شریک ہوا، خواہ وہ سپہ سالار کی حیثیت سے رہا ہو، خواہ کسی ٹولی کے سردار کی حیثیت سے خواہ عام فوجی کی حیثیت سے وہ قسطنطنیہ پر ۴۹ھ یا ۵۰ھ یا اس کے بعد حملہ آور ہوا تھا۔ بدایہ نہایہ میں ہے:

سنة تسع و اربعين فيها غزا يزيد بن معاوية بلاد الروم حتى بلغ قسطنطنية.[1]

ترجمہ: ۴۹ھ میں یزید بن معاویہ نے بلاد روم پر حملہ کیا یہاں تک کہ قسطنطنیہ تک پہنچ گیا۔

عمدۃ القاری[2] وغیرہ میں اسی حدیث کے تحت ہے کہ یہ جنگ ۵۰ھ میں یا اس کے بعد ہوئی تھی۔ خود بدایہ نہایہ میں ۵۲ھ کے واقعات میں ہے کہ حضرت ابوایوب ؓ کا وصال اسی سال یعنی ۵۳ میں ہوا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس کے ایک سال پہلے یا اس کے ایک سال بعد بہرحال یزید جس لشکر میں شریک تھا وہ ۴۹ سے پہلے قسطنطنیہ پر نہیں گیا۔ اور ثابت ہو گیا کہ ۴۹ھ سے پہلے قسطنطنیہ پر کم از کم تین بار ورنہ چار بار حملہ ہو چکا ہے پہلے ۳۲ھ میں حضرت معاویہ نے کیا۔ ۴۳ھ میں بسر بن ابوارطاۃ نے کیا۔ ۴۴ھ میں حضرت عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید نے کیا۔ ۴۶ھ میں حضرت عبدالرحمٰن بن سیف اللہ یا کسی اور صاحب کی سربراہی میں ہوا۔

اب اگر مان بھی لیا جائے کہ اس حدیث میں مدینہ قیصر سے مراد قسطنطنیہ ہی ہے تو اول جیش من امتی متعین کر رہا ہے کہ اس کے مصداق حضرت معاویہ یا بسر بن ابوارطاۃ یا حضرت عبدالرحمٰن بن سیف اللہ اور ان کے ہمراہی ہیں۔ جس لشکر میں یزید تھا وہ اس حدیث کے مصداق ہرگز نہیں۔ اس لیے کہ قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والا یہ پہلا لشکر نہیں تھا۔ بلکہ پانچواں یا چوتھا تھا۔ اور بشارت صرف اس لشکر کے لیے ہے جو پہلی بار حملہ کرے گا۔

---

۱ ایضاً صفحہ ۳۲

۲ سابع صفحہ ۲۴۹

ایک شبہے کا جواب

کوئی اگر یہ کہے کہ چونکہ اس حدیث میں پہلے جزیرہ قبرص (کریٹ) پر جہاد کا تذکرہ ہے اور مدینہ قیصر پر حملے کا ذکر بعد میں ہے۔ نیز ام حرام بنت ملحان ؓ نے جب یہ عرض کیا کہ دعا فرمائیے کہ میں ان میں سے ہوں تو ارشاد فرمایا تو پہلے والے میں ہے۔ ان دونوں سے متبادر ہوتا ہے کہ مراد وہ حملہ ہے جو قبرص کے بعد ہو۔

اقول اولاً یہ وہی کہہ سکتا ہے جو حدیث تو بہت اہم ہے عوام کے بھی کلام کو سمجھنے کی لیاقت نہ رکھتا ہو۔ سب کو معلوم ہے **تقدم فی الذکر تقدم فی الوقوع** کو مستلزم نہیں۔ اور نہ ترتیب فی الذکر، ترتیب فی الوقوع کو مستلزم یعنی یہ ضروری نہیں کہ اگر چند واقعات مذکور ہوں تو جس ترتیب سے مذکور ہوں اسی ترتیب سے واقع بھی ہوں کہ جس کا ذکر پہلے ہو وہ پہلے واقع ہو اور جس کا ذکر بعد میں ہو اس کا وقوع بعد میں ہو۔ ایسا بہت ہوتا ہے کہ واقعات کے رونما ہونے کی ترتیب کچھ اور ہوتی ہے۔ بیان کرنے والا اس کا لحاظ کیے بغیر پہلے رونما ہونے والے کو بعد میں اور بعد میں رونما ہونے والے کو پہلے ذکر کرتا ہے۔ ثانیاً، اگر یہ صحیح بھی مان لیا جائے تو بھی یزید پرستوں کو مفید نہیں۔ اس لیے کہ قبرص ۲۸ھ میں فتح ہو چکا تھا۔[1] یہی صحیح اور یہی جمہور کا قول ہے۔ ابو معشر نے کہا کہ قبرص ۳۳ھ میں فتح ہوا تھا اس تقدیر پر حضرت معاویہ کا ۳۲ھ والا جہاد اس میں داخل نہ ہوگا۔ مگر اس بشارت سے یزید پلید اب بھی خارج ہی رہا۔ کیونکہ اس کے حملے سے پہلے ۴۳ھ میں بسر بن ابوارطاۃ یا ۴۴ھ میں حضرت عبدالرحمٰن بن سیف اللہ اس شرف کو حاصل کر چکے تھے۔

ثم اقول و باللہ التوفیق۔ یہ سطور لکھ چکا تو اس حدیث کے سلسلے میں ایک نیا رخ ذہن میں آ گیا۔ یہ حدیث بخاری جلد اول، باب قتال الروم صفحہ ۴۱۰ پر بطریق عمیر بن اسود عنسی حضرت ام حرام بنت ملحان ؓ سے مروی ہے، یہاں جو کلمات ہیں ان کا ترجمہ یہ ہے۔

---

۱ بدایہ و نہایہ سابع صفحہ ۱۵۳

عمیر بن اسود عنسی کہتے ہیں کہ وہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔وہ حمص کے ساحل پر اپنی عمارت میں اُترے ہوئے تھے۔ان کے ساتھ ام حرام بھی تھیں۔تو ام حرام نے ان سے یہ حدیث بیان کی کہ انہوں نے نبی ﷺ سے سنا، فرماتے تھے، میری امت کے اس لشکر نے جو سمندر پر پہلا حملہ کرے گا۔واجب کرلیا۔ام حرام نے عرض کیا، یارسول اللہ میں ان میں ہوں۔فرمایا: تو ان میں ہے۔اس کے بعد نبی ﷺ نے فرمایا: میری امت کے اس لشکر کو جو سب سے پہلے قیصر کے شہر پر حملہ کرے گا اسے بخش دیا جائے گا۔(ام حرام کہتی ہیں) کہ پھر میں نے عرض کیا، میں ان میں سے ہوں یارسول اللہ تو فرمایا: نہیں۔

اس کے تحت علامہ بدرالدین عینی عمدۃ القاری[1] میں فرماتے ہیں۔اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ام حرام سے، اس سے زیادہ تام (کامل) روایت کیا ہے۔جو اوائل الجہاد باب الدعاء بالجہاد میں مذکور ہے۔بخاری جلد اول صفحہ ۳۹۱ پر یہ حدیث مفصل یوں مذکور ہے۔حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ۔ام حرام بنت ملحان کے یہاں تشریف لے جاتے تھے۔وہ خدمت میں کھانا پیش کرتیں اور ام حرام، عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں۔(ایک مرتبہ) رسول اللہ ﷺ ان کے یہاں تشریف لے گئے۔انہوں نے ماحضر پیش کیا جسے حضور نے تناول فرمایا۔اور حضرت کے سر اقدس سے جوئیں تلاش کرنے لگیں تو رسول اللہ ﷺ سو گئے، پھر بیدار ہوئے اور مسکرا رہے تھے۔ام حرام نے بتایا کہ میں نے دریافت کیا: کیوں مسکرائے یارسول اللہ؟ فرمایا: میری امت کے کچھ فی سبیل اللہ غازی مجھ پر پیش کیے گئے جو اس سبز سمندر کے بیچ میں سوار ہیں جو تخت پر بیٹھے ہوئے بادشاہ ہیں یا تخت پر بیٹھے ہوئے بادشاہوں کے مثل ہیں۔اسحٰق سے شک ہو گیا۔میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! اللہ سے دعا فرمائیں کہ مجھے ان میں کر دے۔تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی۔اس کے بعد حضور اقدس نے سر اقدس رکھا اور پھر سو گئے۔پھر مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے۔میں نے پھر عرض کیا، حضور کس بات پر مسکرا رہے ہیں،

[1] الجزء الرابع عشر صفحہ ۱۹۸

فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ مجھ پر پیش کیے گئے جو فی سبیل اللہ اس (سبز، سمندر) کے بیچ میں جہاد کرنے جا رہے ہیں۔وہ تخت پر بادشاہ ہیں یا تخت پر بادشاہوں کے مثل ہیں۔اسحٰق نے شک کیا۔میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ سے دعا فرمائیں کہ مجھے ان میں کر دے، فرمایا تو پہلے والوں میں ہے۔اس کے بعد ام حرام معاویہ بن ابوسفیان کے زمانے میں سمندر میں سوار ہوئیں۔سمندر پار کرنے کے بعد اپنی سواری سے گر پڑیں اور وفات پا گئیں۔

اس تفصیل کے ساتھ امام بخاری نے اس حدیث کو مزید تین جگہ ذکر فرمایا ہے۔کتاب الجہاد، باب غزوۃ المرأۃ فی البحر صفحہ ۴۰۳، کتاب الاستیذان، باب من زار قوما فقال عندہم صفحہ ۹۲۹، کتاب تعبیر الرویاء، باب الرویا فی النہار صفحہ ۳-۱۰۰۲، علاوہ ازیں بقیہ صحاح ستہ اور دارمی، موطا امام مالک، مسند امام احمد وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔

اس حدیث کے دونوں طریقوں میں سے ہر ایک طریقے میں کچھ باتیں زائد ہیں جو دوسرے میں نہیں۔عمیر بن اسود کے طریقے میں یہ زائد ہے۔

اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لهم.

ترجمہ: میری امت کا وہ پہلا لشکر جو سمندر میں جہاد کرے، جنت کا مستحق ہو گیا۔

مگر حضرت انس رضی اللہ عنہ کے طریقے میں نہ تو۔اول جیش ہے اور نہ اوجبوا ہے۔
اسی طرح عمیر کی روایت میں یہ زائد ہے۔

اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لهم البحر اوجبوا.

ترجمہ: میری امت کے اس پہلے لشکر کو جو قیصر کے شہر پر حملہ کرے گا بخش دیا گیا۔

مگر حضرت انس کی روایت میں یہ نہیں۔اسی طرح حضرت انس کی روایت میں دونوں جگہ یہ تفصیل ہے۔

یرکبون ثبج هذا البحر.

ترجمہ: اس سمندر کے بیچ میں سوار ہوں گے۔

مگر یہ عمیر کی روایت میں نہیں۔مگر یہ راویوں کا عام طریقہ ہے کہ روایت میں کبھی

پوری حدیث ذکر کرتے ہیں اور کبھی اس میں اختصار کر دیتے ہیں جس کی نظیر صدہا ہیں۔ اس اختصار کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ یہ دو حدیثیں ہیں یا دو واقعے ہیں۔ علامہ عینی کی تصریح گزر چکی کہ یہ دونوں ایک ہی حدیث ہیں۔ حضرت انس کی روایت زیادہ تام ہے۔ اب پوری حدیث یہ ہوئی کہ میری امت کا وہ پہلا لشکر جو بحری جہاد کرے گا وہ جنت کا مستحق ہو گیا، اور میری امت کا وہ پہلا لشکر جو سب سے پہلے بحری سفر کر کے مدینہ قیصر پر حملہ کرے گا، بخش دیا جائے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ مغفرت کی بشارت کے لیے تین شرط ہیں، اول وہ بحری سفر کر کے حملہ کرے، دوسرے وہ مدینہ قیصر پر حملہ کرے، تیسرے یہ پہلا لشکر ہو جس حملہ آور لشکر میں یہ تینوں باتیں پائی جائیں گی وہ مغفرت کا مستحق ہے۔ اگر ان تینوں میں سے ایک بھی مفقود ہو تو اس بشارت کا مستحق نہیں۔ یزید میں ان تین باتوں میں سے دو مفقود ہیں۔ نہ تو یہ جس لشکر میں شریک تھا وہ قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والا پہلا لشکر تھا اور نہ اس نے بحری راستے سے حملہ کیا تھا۔ وہ باپ کے جبر و دباؤ سے خشکی کے راستے قسطنطنیہ گیا تھا اس لیے یزید اس بشارت کا کسی طرح مستحق نہیں۔ البتہ عقبہ بن عامر بحری راستے سے قسطنطنیہ گئے تھے وہ اس بشارت کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ یزید پلید کسی طرح نہیں ہو سکتا۔

دشتِ کربلا

مؤلفہ

تلمیذ وخلیفۂ اعلیٰ حضرت استاذ العلماء

حضرت علامہ مولانا حسنین رضا خاں صاحب بریلوی علیہ الرحمہ

....

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

اللہ تعالیٰ نے جو فضائل و کمالات انبیائے سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کو فرداً فرداً عطا فرمائے وہ تمام فضائل ہمارے سرکار سید ابرار احمد مختار ﷺ کی ذات والا تبار میں جمع کر دیے یعنی جناب آدم علیہ السلام جیسی خلافت حضرت سلیمان علیہ السلام جیسی سلطنت سیدنا یوسف علیہ السلام جیسا حسن سیدنا ابراہیم علیہ السلام جیسی خلت جناب موسیٰ علیہ السلام جیسا کلام حضرت یونس علیہ السلام جیسا حسن سیدنا نوح علیہ السلام جیسا شکر عطا فرمایا۔

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اور ان کے علاوہ بہت سے مراتب علیا مرحمت ہوئے جیسے محبوبیت، اصطفا، رویت قرب، شفاعت، علم، عرفان وغیرہ بظاہر صرف فضل شہادت اس بارگاہ عالم پناہ کی حاضری سے محروم رہا اس کی وجہ یہ ہے کہ جو وصف حضور اکرم ﷺ کو عطا ہوا وہ کامل عطا ہوا

اور کمال شہادت یہی ہے کہ آدمی غریب الوطن ہو میدان حرب وضرب قائم ہو اپنے دوستوں
عزیزوں کو تہ تیغ ہوتا دیکھے بعض اقارب کا جگر خراش صدمہ خود اٹھائے اور بعض کو اپنے اوپر
دست تاسف ملنے کے لیے چھوڑ جائے اس کے اہل وعیال دشمنوں کے ہاتھ قید ہوں اور اس
کی لاش بے گور وکفن کھلے میدان میں پڑی رہے دشمنوں کے گھوڑے اُسے پامال کریں اس
کا سر کاٹ کر نیزے پر رکھ کر دیگر دیار وامصار میں تشہیر کی جائے اور یہ تمام مصائب وآلام
محض لوجہ اللہ برداشت کیے ہوں پھر اگر اس شان سے وہ شہنشاہ ذی جاہ ﷺ میدانِ وغا
میں شہید ہوتے تو مسلمانوں کے دل ٹوٹ جاتے اور اسلام میں رخنہ پڑ جاتا تو حکمت الٰہی
اس امر کی مقتضی ہوئی کہ یہ فضیلت اس صاحب لولاک کی ذات پاک کے ساتھ حضرات
حسنین کی وساطت سے ملا دی جائے اس لیے کہ یہ حضور اکرم کے اجزا ہیں اور حضور کو بیٹے
سے زیادہ عزیز ہیں ان کی شہادت بعینہٖ حضور کی شہادت ہے چنانچہ سرکار والا جاہ کا تعلق
خاطر اور دلی محبت جو حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے ساتھ ہے اُس پر غور کیا جائے تو یہ روز روشن کی
طرح ظاہر ہو جاتا ہے کہ امامین مظلومین نے نیابۃً اس شرف کو عزت بخشی ہے تاکہ کوئی شرف
وفضل ایسا نہ رہے جو اس بارگاہ عرش اشتباہ کی حاضری کا دم نہ بھرتا ہو۔

ایک بار حضور اکرم فخر بنی آدم ﷺ تشریف فرما ہیں داہنی زانو پر مظلوم کربلا سیدنا
امام حسین رضی اللہ عنہ اور بائیں پر حضور کے لخت جگر سیدنا ابراہیم بیٹھے ہیں جبریل امیں حاضر ہو کر
عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ (ﷺ) خدا ان دونوں کو حضور کے پاس نہ چھوڑے گا ان
میں سے ایک کو اختیار فرما لیجیے حضور اکرم نے امام حسین کی جدائی گوارا نہ فرمائی چنانچہ تین
روز بعد حضرت ابراہیم کا وصال ہو گیا اس واقعہ کے بعد امام عالی مقام جب حاضر ہوتے آ
پ پیار کرتے اور کمال محبت سے فرماتے:

مَرْحَبًا بِمَنْ فَدَيْتُهٗ بِابْنِيْ

مرحبا اس پر جس پر میں نے اپنا بیٹا قربان کیا سرکار دو جہاں اپنے چاہنے والے
خدا کی جناب میں سربسجود ہیں۔ امام حسن رضی اللہ عنہ باہر سے تشریف لاتے ہیں اور پشت مبارک
سے لپٹ جاتے ہیں۔ حضور اقدس سجدے کو طول دیتے ہیں اس لیے کہ سر اٹھانے سے

لاڈلے بیٹے حسن کے گر جانے کا احتمال ہے اللہ ری محبت کہ خدا کے حبیب نے اپنے محبّ کی
عبادت میں بھی اپنے پیارے بیٹے حسن کے ملال خاطر کو ملحوظ رکھا فرماتے ہیں ہمارے یہ
دونوں بیٹے جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ فرمایا جاتا ہے کہ ان کا دوست ہمارا دوست ہے
اور ان کا دشمن ہمارا دشمن ہے۔

شدنی وہ جو بے ہوئے نہ رہے

دنیا چونکہ عالم اسباب ہے لہٰذا دنیا میں جب کوئی اہم واقعہ ہونے والا ہوتا ہے تو
قدرت اس کے لیے پہلے سے اسباب مہیا کر دیتی ہے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جناب امیر معاویہ
رضی اللہ عنہ کو ملک شام کا والی کیا پہلے ملک شام میں پھر رفتہ رفتہ تمام ممالک اسلامیہ میں ان کا
اقتدار بڑھتا گیا شہادت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد یہ اُن کے ولی جائز تھے ان کے
خون کا مطالبہ انہوں نے چوتھے خلیفۂ برحق امیر المومنین حیدر کرار کرم اللہ وجہہ الکریم کی
سرکار میں پیش کیا اور قاتلوں کو قتل کے لیے مانگا چونکہ ان لوگوں کا بڑا جتھا تھا اور پورا زور تھا
خلیفہ برحق امیر المومنین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو علانیہ بغاوت کر کے ابھی شہید کر چکے تھے
امیر المومنین حیدر کرار نے بخیال فتنہ وہ درخواست قبول نہ فرمائی اس پر باہم شکر رنجی ہوئی
نوبت بہ قتال پہنچی جس میں حق بدست امیر المومنین حیدر تھا اور امیر معاویہ کی خطا اجتہادی
زمانہ کے امتداد اور ان واقعات کے بسط وکشاد سے جناب امیر اپنی امارت میں مستقل ہو
گئے مگر چونکہ وہ ایک جلیل القدر صحابی اور رسول اللہ ﷺ کے سچے جاں نثار تھے انہوں نے
اہل بیت رضوان اللہ علیہم کے مراتب کا لحاظ وپاس رکھا جب جناب موصوف نے ۶۰ ھ ماہ
رجب میں وفات پائی یزید پلید ملک شام کے تخت وتاج کا مالک ہوا پس یہیں سے اُن
واقعات کا آغاز ہو گیا جو ابتک لوح محفوظ میں محفوظ تھے اُسے کامل یقین تھا کہ نبی زادوں
کے ہوتے ہوئے مرجانہ[1] کے جنے کی امارت کوئی نہ مانے گا لہٰذا اُس نے گلزارِ مصطفوی کے

[1] یزید کی ماں کا نام تھا۔۱۲

نوشگفتہ پھولوں کی طرف دستِ ستم دراز کیا پہلے چونکہ سیدنا امام حسن کا قتل اُسے منظور تھا ان
کی بی بی جعدہ سے ساز وباز کیا اور اس شقیہ سے اس ناری نے یہ وعدہ کرلیا کہ اگر وہ امام
حسن رضی اللہ عنہ کا زہر سے کام تمام کردے گی تو میں اُسے اپنے نکاح میں لے لوں گا چنانچہ اُس
نے کئی مرتبہ امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دیا زہر نے اثر نہ کیا آخر کار زیادہ مقدار میں زہر دے کر وہ
اپنے ناپاک ارادے میں کامیاب ہوگئی یہاں تک کہ خاتونِ جنت کے پیارے محبوب خدا
کے جگر پارے کے اعضائے باطنی کٹ کٹ کر نکلنے لگے۔ جب یہ خبر وحشت اثر امام حسین
رضی اللہ عنہ کو پہنچی اپنے پیارے بھائی کے پاس حاضر آئے اور بتولِ زہرا کے جگر گوشوں میں یہ
باتیں ہونے لگیں۔

امام حسین رضی اللہ عنہ: پیارے بھائی آپ کو زہر کس نے دیا۔

امام حسن رضی اللہ عنہ: کیا اُس سے انتقام لینے کا ارادہ رکھتے ہو۔

امام حسین رضی اللہ عنہ: بیشک ضرور انتقام لوں گا۔

امام حسن رضی اللہ عنہ: اگر میرا قاتل وہی ہے جو میرے خیال میں ہے تو منتقم حقیقی پورا
بدلہ لے لے گا اور اگر وہ نہیں تو مجھے یہ پسند نہیں کہ میری وجہ سے ایک بے گناہ قتل ہو نیز یہ کہ
لوگ ہم سے میدانِ حشر میں امید شفاعت رکھتے ہیں نہ کہ ہم ان سے انتقام لیں۔

واہ رے حلم کہ اپنا تو جگر ٹکڑے ہو
پھر بھی ایذائے ستمگر کے روادار نہیں

پھر سیدنا امام حسین کو یوں وصیت فرمائی کہ اے حسین! تم کوفیوں پر کبھی اعتبار نہ
کرنا ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں بُلا کر دھوکہ دیں پھر پچھتاؤ گے اور اعدا کے ظلم و جفا سے محفوظ نہ رہ
سکو گے یہ کہہ کر سکوت فرمایا اور ۴۷ سال کی عمر شریف تھی کہ داعی اجل کو لبیک کہا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کو دنیا سے گزرنے والے بھائی چلتے چلتے وصیت فرما چکے تھے مگر
ہونے والی بات کو کون روک سکتا ہے جس دل ہلا دینے والے واقعہ کا قدرت پہلے سے
انتظام کر چکی ہے اب اُس کا وقت جتنا جتنا قریب آتا جاتا ہے اُتنا ہی زبان خلق پر اُس کی

شہرت ہوتی جاتی ہے ابھی جناب ختم رسالت کی تشریف آوری کو تین سو برس باقی تھے کہ سیدنا
امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا پہلا اشتہار بدیں الفاظ شائع ہوا۔

اَتَرْجُوْا اُمَّةٌ قَتَلَتْ حُسَيْنًا
شَفَاعَةَ جَدِّهٖ يَوْمَ الْحِسَابِ [1]

یہ درد بھرا اعلان ایک جگہ پتھر پر اور دوسری جگہ ارض روم کے ایک گرجا میں لکھا ہوا
ملا مگر لکھنے والا معلوم نہ ہوا۔ پھر عہد رسالت میں تو یہ خبر جن وانس و ملک میں برابر گرم رہی۔
ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ ام المومنین ام سلمہ کے کاشانہ اقدس میں تشریف فرما تھے ایک
فرشتہ (جو پہلے کبھی حاضر نہ ہوا تھا) حاضر ہوا۔ جناب ام سلمہ کو ارشاد ہوا کہ دروازے کی
نگہبانی کرو کہ کوئی آنے نہ پائے اتنے میں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ باہر سے کھیلتے ہوئے آئے
دروازہ کھول لیا اور اپنے چہیتے نانا جان کی گود میں بیٹھ گئے۔ حضور اکرم ﷺ پیار کرنے
لگے۔ فرشتہ نے یوں گفتگو آغاز کی۔

فرشتہ: کیا حضور انہیں چاہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ: ہاں۔

فرشتہ: وہ وقت قریب آتا ہے کہ حضور کی اُمت انہیں بڑی بے دردی سے شہید
کرے گی حضور اگر چاہیں تو میں وہ زمیں حضور کو دکھادوں جہاں یہ شہید کیے جائیں گے۔

پھر تھوڑی دیر میں فرشتہ نے مٹی سرخ حاضر کی اور حضور نے اُسے سونگھ کر فرمایا:

رِيْحُ كَرْبٍ وَّ بَلَاءٍ

یعنی بے چینی اور بلا کی بو آتی ہے۔

پھر وہ مٹی ام المومنین ام سلمہ کو عطا ہوئی اور ارشاد ہوا کہ جب یہ مٹی خون ہو جائے
تو جاننا کہ آج حسین شہید ہوا۔ انہوں نے وہ مٹی ایک شیشی میں رکھ چھوڑی اور اکثر فرماتی
تھیں کہ جس دن یہ مٹی خون ہو جائے گی۔ وہ کیسا سخت دن ہوگا۔ غرض کہ فرشتوں نے یہ

[1] کیا وہ گروہ جس نے حضور کو شہید کیا ہے قیامت کے دن اُن کے جد کریم کی شفاعت کا
امیدوار ہے۔

وحشت اثر خبر دربارِ رسالت میں پہنچائی اور حضور نے جناب مولیٰ علی کو مطلع کیا۔ رفتہ رفتہ یہ
خبر تمام انسانوں میں پھیل گئی۔ اسی بناء پر حضرت مولا علی بھی جنگِ صفین کو جاتے ہوئے
جب زمین کربلا پر گزرے بے انتہا روئے اور فرمایا خاندان نبوت کے چند نونہال یہاں
روکے جائیں گے۔ یہاں ان کی سواریاں بیٹھیں گی۔ یہاں کجاوے رکھے جائیں گے اور
یہاں آلِ محمد کے کچھ نوجوان شہید ہوں گے۔ جن پر زمین و آسمان روئیں گے۔ جب یزید کو
سیدنا امام حسن ؓ کے قتل سے فراغ حاصل ہوگیا اُس نے ولید کو (جو مدینہ منورہ میں اُسی کی
جانب سے والی تھا) لکھا کہ حسین سے، بیعت لے۔ ولید نے امام عالی مقام کو بلا بھیجا امام
ولید کے پاس تشریف لے گئے۔ ولید نے امام عالی مقام کو یزید پلید کا خط سنایا اور بیعت کے
لیے زبانی بھی عرض کیا۔ امام عالی مقام نے یزید کی شراب خوری وزنا کاری وغیرہ فسق وفجور
کے سبب سے صاف انکار کر دیا اور یہاں سے مکہ معظمہ کا ارادہ فرمادیا پھر دوبارہ ولید نے بلا
بھیجا۔ فرمادیا: صبح ہو لینے دو اور یہ ارادہ فرمالیا کہ رات میں مع اہل وعیال کے مکہ معظمہ کو کوچ
کیا جائے جس شب میں امام عالی مقام نے مکہ معظمہ کا عزم فرمایا ہے وہ شعبان کی چوتھی
شب ہے اس خیال سے کہ پھر خدا جانے زندگی میں ایسا وقت ملے یا نہ ملے۔ امام عالی مقام
روضۂ انور میں اپنے جد کریم کے حضور حاضر ہے آنکھ لگ گئی ہے خواب دیکھا کہ حضور پرنور
تشریف لائے ہیں۔ امام کو کلیجے سے لگا لیا ہے۔ فرماتے ہیں: وہ وقت قریب آتا ہے کہ تم
پیاسے شہید کیے جاؤ اور جنت میں شہیدوں کے بڑے درجے ہیں۔ یہ دیکھ کر آنکھ کھل گئی۔
اٹھے اور روضۂ اقدس کے سامنے رخصت ہونے کو حاضر ہوئے ہیں۔ صلاۃ وسلام عرض کر
کے سر جھکا لیا ہے اپنے چاہنے والے جد کریم کا فراق یہ ایک ایسا خیال تھا کہ امام عالی مقام کا
دل بھر آیا اور زار وقطار رونے لگے۔ حُبِ وطن قدموں پر لوٹتی ہے کہ نہ جائے اور غربت
دامن کھینچتی ہے کہ دیر نہ لگایئے مجبوریوں کا تقاضا ہے کہ جلد چلئے رات کے تین پہر گزر چکے
ہیں لوگ اپنے اپنے مکانوں میں بے خبر پڑے سو رہے ہیں سارے شہر میں سناٹا ہے کہیں
کسی کے بولنے کی آواز کان تک نہیں آتی مگر اس وقت اہلِ بیت کے مکانوں میں چہل پہل
ہے جاگ ہو رہی ہے سفر کی تیاریاں ہیں سواریاں کسی جا چکی ہیں امام عالی مقام کے بھانجے

اور اہل وعیال سوار ہو رہے ہیں۔ اُدھر امام عالی مقام مسجد نبوی سے باہر تشریف لائے اِدھر
نبی زادوں کا قافلہ مدینہ منورہ سے روانہ ہوگیا اہلِ بیت رسالت میں سے صرف محمد بن حنفیہ
حضرت مولیٰ علی کے بیٹے اور صغریٰ امام مظلوم کی صاحبزادی یہاں باقی ہیں۔

شعر الٰہی کیسا زمانے نے انقلاب کیا

خدا کی شان

یہ وہی مدینہ طیبہ ہے کہ جب ختم رسالت ﷺ کو کفار قریش نے مکہ معظمہ میں
طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں اور ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا تو یہیں کو ہجرت
فرمائی تھی پھر ہجرت کی اطلاع پانے کا ساکنان شہر کا شوق کیسا کچھ شوق تھا اُن کے دلی
جذبات اُنہیں روزانہ آبادی سے باہر کھینچ لاتے اور وہ مکہ مکرمہ سے آنے والی راہ کو جہاں
تک نظر کام کرتی ٹکٹکی باندھے تکا کرتے جب آفتاب کی تمازت دل ودماغ کو پریشان اور
تار نظر کو منتشر کرنے لگتی تو لوٹ آتے۔ ایک روز ناوقت ہو جانے کے سبب سے لوٹ چکے
تھے کہ ایک یہودی نے بلندی سے کہا کہ اے راہ دیکھنے والو پلٹو تمہاری مراد آئی یہ سنتے ہی
دفعۃً لوٹ پڑے اور انتہائی جوش ومسرت کے ساتھ خدا کے محبوب ﷺ کا استقبال کیا پروانہ
وار قربان ہوتے ہوئے آبادی تک لائے پھر کیا تھا اہلِ مدینہ نے حبیب کردگار کے قدوم
والا کی حد سے زیادہ خوشیاں منائیں دن عید اور رات شب برات سے بڑھا دی اور آج
انہیں کے لاڈلے بیٹے حسین سے مدینہ چھوٹتا ہے اور کیسے کچھ کرب وبلا کے ساتھ کہ جس کا
برداشت کرنا بھی امام عالی مقام ہی کا کام تھا یہ برکت والا قافلہ جس قدر آگے بڑھتا جاتا
ہے۔ اُسی قدر مدینہ طیبہ کی پیچھے رہ جانے والی پہاڑیاں اور مسجد نبوی کے بلند مینار سر اٹھا اٹھا
کر حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے اور زبانِ حال سے عرض کرتے رہ گئے کہ اے عظمت
والے امام محبوب خدا جیسے جد کریم کا قرب اور خاتون جنت جیسی ناز اٹھانے والی ماں کا پڑوس
اور امام حسن جیسے بھائی کی ہمسائیگی کیوں ترک فرمادی مگر یہاں جتنا جتنا رات اپنا تاریک
دامن سمیٹتی جاتی ہے اُسی قدر اہلِ بیت رسالت کا یہ مختصر قافلہ تیزی کے ساتھ مکہ معظمہ جانے

والی راہ پر بڑھتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ صبح ہوتے ہوتے امام عالی مقام مدینہ طیبہ سے دور نکل گئے اور منزلیں طے کرتے ہوئے مکہ معظمہ میں داخل ہوگئے۔ کوفیوں کو جب مدینہ منورہ کے تمام واقعات کی اور امام عالی مقام کے مکہ معظمہ آجانے کی اطلاع ہوئی تو مختلف لوگوں نے پے درپے ڈیڑھ سو خط بھیجے کہ ہم سب آپ پر اپنا جان و مال قربان کردینے کے لیے تیار ہیں آپ یہاں آجایئے اور امام عالی مقام کو اس درجہ یقین دلا دیا کہ امام نے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیج دیا اور یہ فرما دیا کہ تم اگر ان کے ارادوں میں خیر اور نیتوں میں خلوص پاؤ تو مجھے اطلاع کرنا میں بھی آنے کے لیے تیار ہوں اور تم اُن سے میری بیعت لینا اسی مضمون کا خط اہلِ کوفہ کے نام لکھ کر امام مسلم کو دے دیا امام مسلم جب کوفہ میں داخل ہوئے کوفیوں نے نہایت عزت سے لیا ادھر تو کم وبیش اٹھارہ ہزار کوفی امام مسلم کے ہاتھ پر بیعت ہوگئے اور امام مسلم کو اپنی وفاداری کا ایسا کامل ثبوت دیا کہ انہوں نے امام عالی مقام کو لکھ بھیجا کہ کوفی سچے جاں نثار ہیں ہر طرح قربان ہونے کو تیار ہیں آپ بے تکلف تشریف لے آیئے اُدھر یزید کو اطلاع کردی کہ امام حسین نے اپنے چچازاد بھائی مسلم کو کوفہ بھیج دیا ہے وہ برابر لوگوں کو بیعت کررہے ہیں نعمان بن بشیر حاکم کوفہ بظاہر کچھ لوگوں کو اُن کی بیعت سے روکتے اور ڈراتے دھمکاتے ہیں اور باطن میں اُن سے ملے ہوئے ہیں چنانچہ یزید پلید نے فوراً بدنہاد ابن زیاد کو جو اُن دنوں حاکم بصرہ تھا۔ حاکم کوفہ کرکے بھیجا اور نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو معزول کردیا اُس نے کوفہ میں آکے دیکھا کہ امام مسلم کے ساتھ ایک بڑی جماعت ہے اس نے اپنی عیاری سے بعض امرائے کوفہ کو روپیہ دے کر اور بعض کو ڈرا دھمکا کر اپنا ہم خیال بنالیا اب امام مسلم کا کوئی مونس و مددگار نہ رہا ناچار آپ نے ایک مکان میں پناہ لی کوفیوں کے غول امام مسلم پر حملہ کرتے مگر وہ خدا کا شیر اور شیر خدا کا بھتیجا وہ شجاعت کے جوہر دکھاتا کہ کوفیوں کے چھکے چھوٹ جاتے آخر کار لڑتے لڑتے گرفتار ہوگئے ابن زیاد کے پاس پہنچادیے گئے۔ اس بدنہاد نے طرح طرح کی اذیتیں دے کر شہید کردیا۔

بجرم عشق تو مارا اگر کشند چہ باک
ہزار شکر کہ بارے شہید عشق تو ایم

امام مسلم نے صرف یہ وصیت فرمائی کہ میرے ساتھ کوفیوں کے اس طرزِ عمل کی امام عالی مقام کو اطلاع کردینا۔ جس دن امام مسلم کوفہ میں شہید کیے گئے ہیں اسی روز امام عالی مقام مکہ معظمہ سے کوفہ کو روانہ ہوئے جب یہ خبر مکہ معظمہ میں مشہور ہوئی کہ امام حسین نے آٹھویں ذالحجہ کوفہ کا قصد فرمالیا تو عمر بن عبدالرحمٰن نے اس ارادے کا خلاف کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بڑی عاجزی سے ہر چند روکا کوفیوں کی جناب مولا کے ساتھ بے وفائیاں یاد دلائیں اور کہا کہ آپ اہلِ عرب کے سردار ہیں عرب میں رہیے فرمایا: میں آپ کو خیر خواہ جانتا ہوں مگر میں مصمم ارادہ کرچکا ہوں عرض کی تو بیبیوں بچوں کو تو نہ لے جایئے۔ یہ بھی منظور نہ ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عباس ہائے پیارے ہائے پیارے کہہ کر زار زار رونے لگے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے منع کیا نہ مانا انہوں نے پیشانی مبارک پر بوسہ دے کر فرمایا: اے شہید ہونے والے امام میں تمہیں خدا کو سونپتا ہوں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے روکا فرمایا کہ میں نے اپنے والد ماجد رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ ایک مینڈھے کے سبب سے مکہ معظمہ کی بے حرمتی کی جائے گی میں پسند نہیں کرتا کہ وہ مینڈھا میں بنوں۔ اپنے دنیا سے گزر جانے والے بھائی کی وصیت یاد آتی ہے ادھر ان جلیل القدر صحابہ کی منت وسماجت کا بھی لحاظ ہے مگر اس مجبوری کا کیا علاج کہ امام کے ناقہ کو قضا مہار پکڑے اُس میدان کی جانب لیے جاتی ہے جہاں پردیسیوں کے قتل ہونے پیاسوں کے شہید کیے جانے کا سامان جمع کیا گیا ہے۔ امام عالی مقام مکہ معظمہ سے چل دیئے اثنائے راہ میں فرزوق شاعر ملے اُن سے کوفیوں کا حال پوچھا۔ عرض کی کہ اے خاندان نبوت کے چشم و چراغ ان کے دل حضور کے ساتھ ہیں اور تلوار بنو امیہ کے ساتھ ہے۔ حضور نہ جایئے۔ ادھر امام وادی بطحا سے باہر ہوئے اُدھر ابن زیاد بدنہاد کو خبر ہوگئی اس نے کوفہ کے نواح میں مختلف مقامات پر فوجیں اُتار دیں امام عالی مقام نے قیس بن مسہر کو اپنی تشریف آوری کی اطلاع دینے کو کوفے بھیجا یہ قادسیہ پہنچ کر ابن زیاد کے سپاہیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوگئے پھر کوفہ میں ابن زیاد بدنہاد کے پاس بھیج دیئے گئے اُس مردود نے کہا کہ اگر جان کی خیر چاہتے ہو تو اس چھت پر چڑھ کر حسین کو گالیاں دو وہ خاندان رسالت کا سچا جاں نثار چھت پر گیا اور حمد و نعت

کے بعد بلند آواز سے کہنے لگا کہ حسین آج تمام جہان سے افضل ہیں وہ محبوب خدا کے پیارے بیٹے بتول زہرا کے لال اور جناب مولیٰ کے نونہال ہیں میں ان کا قاصد ہوں اُنہیں کا حکم مانو پھر کہا ابن زیاد اور اس کے باپ پر لعنت ہے آخر اُس لعین نے جل کر حکم دیا کہ چھت سے گرا کر شہید کر دیئے جائیں اُسوقت اس بادۂ الفت کے متوالے کا دل امام عالی مقام کی طرف متوجہ ہے اور التجا کے لہجہ میں عرض کر رہا ہے:

بجرم عشق تو ام میکشند غوغائیست
تو نیز برسر مام آ کہ خود تماشائیست

امام عالی مقام اور آگے بڑھے تو زہیر بن قین بجلی ملے وہ حج سے واپس آ رہے تھے مولیٰ علی سے کدورت رکھتے تھے مگر امام عالی مقام نے نہ معلوم کیا فرما دیا کہ ساتھ ہو لیے اور اپنے ساتھیوں سے کہہ دیا کہ جو میرے ساتھ رہنا پسند کرے رہے ورنہ یہ کھلی ملاقات ہے لوگوں نے ساتھ ہو جانے کا سبب پوچھا کہا کہ شہر پر ہم نے جہاد کیا وہ فتح ہوا کثیر غنیموں کے ملنے پر ہم خوش ہوئے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تم جوانانِ آلِ محمد کو پاؤ تو ان کے ساتھ ہو کر دشمن سے لڑنے پر اس سے زیادہ خوش ہونا اب وہ وقت آ گیا ہے میں تم سب کو سپرد بخدا کرتا ہوں پھر اپنی بی بی کو طلاق دے کر کہا گھر جاؤ میں نہیں چاہتا کہ میرے سبب سے تم کو کوئی نقصان پہنچے۔

یہ برکت والا قافلہ اور بڑھا تو ابن اشعث کا بھیجا ہوا آدمی ملا جو حضرت مسلم کی وصیت پر عمل کرنے کی غرض سے بھیجا گیا تھا اُس سے حضرت مسلم کی شہادت کی خبر معلوم ہونے پر بعض ساتھیوں نے امام کو قسم دی کہ یہیں سے پلٹ جایئے مگر مسلم شہید کے عزیزوں نے کہا کہ ہم کسی طرح نہیں پلٹ سکتے یا خون ناحق کا بدلہ لیں گے یا مسلم مرحوم سے جا ملیں گے امام نے فرمایا: تمہارے بعد زندگی بے کار ہے پھر جو لوگ اثنائے راہ میں آ ملے تھے اُن سے ارشاد فرمایا کہ کوفیوں نے ہمیں چھوڑ دیا ہے اب جس کے جی میں آئے پلٹ جائے۔ یہ اس غرض سے ارشاد ہوا تھا کہ لوگ اس لیے ہمراہ ہوئے تھے کہ امام ایسی جگہ تشریف لیے جاتے ہیں جہاں کے لوگ داخل بیعت ہو چکے ہیں یہ سن کر سوا اُن چند بزرگانِ

خدا کے جو مکہ معظمہ سے ہمرکاب تھے سب نے اپنی اپنی راہ لی۔ موضع اشراف سے کچھ ہی بڑھے ہیں کہ ایک سواروں کا لشکر ادھر آتا ہوا نظر آیا جب وہ لوگ قریب آئے تو معلوم ہوا کہ حُر ہیں جو ایک ہزار سواروں کے سردار بنا کر اس غرض سے بھیجے گئے ہیں کہ جوانانِ جنت کے سردار کو بدکردار ابن زیاد کے پاس لے جائیں اس مقام پر چونکہ ٹھیک دوپہر ہو چکا ہے یہاں امام کے ساتھیوں نے سواریوں کو پانی پینے کی غرض سے کھول دیا ہے اور ساتھ ہی نماز ظہر ادا کرنے کا خیال ہے۔ امام عالی مقام نے حر سے دریافت کیا کہ اپنے ہمراہیوں کو تم نماز پڑھاؤ گے۔ انہوں نے عرض کیا: نہیں حضور امام بنیں ہم سب اقتدا کریں گے غرضکہ امام عالی مقام نے یہاں ایک پرزور تقریر کی جس میں حق اپنی طرف ہونا ثابت کر دیا اور ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں نے مجھے بلایا ہے اگر تم مجھے اطمینان دلاؤ تو میں تمہارے شہر کو چلوں ورنہ واپس جاؤں۔ حر نے عرض کیا کہ میں ابن زیاد کی طرف سے اس پر مامور ہوں کہ آپ کو وہاں لے جاؤں لہٰذا دن بھر تو میں آپ کے ہمراہ رہوں گا البتہ شب میں آپ زنانہ خیمہ میں قیام کرنے کے عذر سے جدھر چاہیں چلے جائیں میں تعرض نہ کروں گا۔ ابھی نینوئے پہنچے تھے کہ ایک سوار کوفہ سے آتا ہوا ملا جو حر کے نام ابن زیاد کا اس مضمون کا خط لایا تھا کہ حسین پر سختی کر جہاں ٹھہریں کھلے میدان میں پانی سے دور ٹھہریں اور یہ قاصد تجھ پر برابر مسلط رہے گا تاکہ مجھے تیرے طرز عمل سے مطلع کرے حر نے خط امام کو سنایا اور اپنی مجبوری ظاہر کی یہاں امام کے ساتھیوں میں مشورہ ہونے لگا حتی کہ دن ختم ہو گیا اور محرم کی دوسری رات کا چاند اپنی ہلکی ہلکی روشنی دکھانے لگا دونوں لشکر علیحدہ علیحدہ ٹھہرے اندھیرا بڑھ گیا ہے دونوں طرف شمعیں روشن ہونے لگی ہیں امام عالی مقام کے ہمراہیوں نے امام مظلوم کو اس بات پر تیار کر لیا ہے کہ رات کی تاریکی میں یہاں سے کسی طرف چل دیں تاریک رات خاندانِ نبوت کے چاند تاروں کو اس امر میں مدد دینے کے لیے تیار ہے رات زیادہ آ گئی ہے زمانہ پر نیند کا جادو چل گیا ہے لشکر حُر سے نفیر خواب بلند ہوئی ہے امام جنت مقام جنہوں نے اتنی رات اسی موقع کے انتظار میں جاگ جاگ کر گزاری ہے کوچ کی تیاریاں فرما رہے ہیں اسباب جو شام سے بندھا رکھا تھا بار کیا گیا عورتوں بچوں کو سوار کر دیا گیا ہے اب یہ مقدس

قافلہ اندھیری رات میں فقط اس آسرے پر روانہ ہوگیا ہے کہ رات زیادہ ہے دشمن سوتے رہیں گے اور ہم اُن سے صبح ہونے تک بہت دور نکل جائیں گے باقی رات سواریوں کو تیز چلاتے گزری اب تقدیر کی خوبیاں کہ مظلوموں کو صبح ہوتی ہے تو کہاں کربلا کے میدان میں۔ یہ محرم ۶۱ ھ کی دوسری تاریخ اور پنج شنبہ کا دن ہے عمر بن سعد اپنا ناپاک لشکر لیے ہوئے سامنے پڑا ہے فرات کے گھاٹوں پر پانچ سو سوار بھیج کر ساقی کوثر کے بیٹے پر پانی بند کر دیا ہے امام عالی مقام کے سمجھانے سے ابن سعد نے ایک صلح آمیز خط ابن زیاد کو لکھ بھیجا اس شقی نے ابن سعد کو حلیم مزاج خیال کیا اور گلزار مصطفوی کے نوشگفتہ پھولوں پر سختی کرنے کے لیے شمر ذی الجوشن کو کوفہ سے روانہ کیا اور اس مضمون کا خط ابن سعد کے نام لکھ کر دیا کہ میں نے تجھے اس لیے بھیجا تھا کہ تو حسین پر سختی کر انہیں میرا مطیع بنا کر یہاں بھیج دے نہ کہ نرمی کرنے کے لیے تو اگر میرے حکم کی تعمیل کرے تو انعام پائے گا ورنہ ہمارا لشکر شمر کی کمان میں دے دے شمر نے جب ابن زیاد کو خط دیا اُس نے کہا کہ تیرا بُرا ہو تو نے ہی کام بگاڑا ورنہ میں جانتا تھا کہ صلح ہو جائے گی اور حسین ہرگز اطاعت قبول نہ کریں گے خدا کی قسم ان کے پہلو میں ان کے باپ کا دل ہے شمر نے پوچھا اب تو کیا کرنا چاہتا ہے بولا جو ابن زیاد نے لکھا ہے۔ بالآخر نویں محرم ۶۱ ھ کو پنج شنبہ کے دن شام کے وقت کوفی لشکر حملہ کیا چاہتا ہے اور امام عالی مقام خیمہ اطہر کے سامنے رونق افروز ہیں آنکھ لگ گئی ہے اپنے جدامجد کو خواب میں دیکھا ہے کہ لختِ جگر کے سینۂ اقدس پر ہاتھ رکھ کر فرما رہے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اَعْطِ الْحُسَیْنَ صَبْرًا وَّ اَجْرًا.

الٰہی حسین کو صبر و اجر عطا فرما۔

ارشاد ہوتا ہے کہ تم عنقریب ہم سے ملا چاہتے ہو اپنا روزہ ہمارے پاس آ کر افطار کیا چاہتے ہو جوش مسرت سے آنکھ کھل گئی دیکھا کہ دشمن حملہ آوری کا قصد کر رہا ہے جمعہ کے خیال سے اور پس ماندوں کو وصیت کرنے کی غرض سے امام نے ایک رات کی مہلت چاہی دی گئی امام عالی مقام نے پھر اپنے ساتھیوں کو جمع کیا ہے اور فرما رہے ہیں صبح ہمیں دشمنوں سے ملنا ہے بخوشی تمام اجازت دیتا ہوں کہ رات کی تاریکی میں جہاں پاؤ چلے جاؤ دشمن

جب مجھے پائیں گے تمہارا پیچھا نہ کریں گے یہ سن کر امام کے بھائی بھتیجے عرض کر رہے ہیں کہ خدا ہمیں وہ منحوس دن نہ دکھائے کہ آپ نہ ہوں اور ہم باقی ہوں۔ امام مسلم کے بھائیوں سے ارشاد ہوتا ہے کہ تمہیں مسلم کی شہادت کافی ہے میں اجازت دیتا ہوں تم چلے جاؤ عرض کرتے ہیں کہ ہم لوگوں سے جا کر کیا کہیں یہ کہیں کہ اپنے سردار اپنے آقا اپنے سب سے بہتر بھائی کو دشمنوں کے نرغے میں چھوڑ آئے۔ نہ اُن کی طرف سے کوئی تیر پھینکا نہ نیزہ مارا نہ تلوار چلائی اور ہمیں نہیں معلوم ہمارے چلے آنے کے بعد اُن پر کیا گزری ہم ہرگز ایسا نہ کریں گے بلکہ اپنا جان مال بال بچے سب آپ پر فدا کر دیں گے او آپ پر قربان ہو کر مر جائیں گے۔

خوشا حالے کہ گردم گرد کویت
رُخ پر خوں گریباں پارہ پارہ

امام عالی مقام نے اس رات کچھ ایسے یاس بھرے اشعار پڑھے جن کا مضمون بے کسی اور بے بسی کی ایک پوری تصویر تھا۔ زمانہ صبح و شام خدا جانے کتنے عزیزوں دوستوں کو قتل کرتا ہے اور جس کے قتل کا ارادہ کر لیا ہے اس کے بدلے دوسرے پر راضی نہیں ہوتا ہونے والے واقعہ کی دلخراش آواز حضرت زینب کے کان میں پہنچی صبر نہ ہو سکا۔ آخر بے تاب ہو کر چلاتی ہوئی دوڑیں کاش اس دن سے پہلے مجھے موت آ گئی ہوتی آج میری ماں فاطمہ کا انتقال ہوتا ہے آج میرے باپ علی دنیا سے گزرتے ہیں آج میرے بھائی حسن کا جنازہ اٹھتا ہے اے حسین اے گزرے ہوؤں کی نشانی اور پس ماندوں کی جائے پناہ پھر غش کھا کر گر پڑیں اللہ اکبر آج مالک کوثر کے گھر میں اتنا پانی بھی نہیں کہ بیہوش بہن کے منہ پر چھڑکا جائے جب ہوش آیا تو فرمایا بہن اللہ سے ڈرو اور صبر کرو جان لو سب زمین والوں کو مرنا اور سب آسمان والوں کو گزرنا ہے اللہ کے سوا سب کو فنا ہے۔ میرے ماں باپ بھائی مجھ سے افضل تھے ہر مسلمان کو رسول اللہ ﷺ کی راہ چلنی چاہیے آخر کار یہ مہلت کی رات بھی گزر گئی اور آنے والے تمام دنوں میں زیادہ درد بھرا دن طلوع آفتاب کے ساتھ ہی نمودار ہو گیا۔ محرم ۶۱ ھ کی دسویں تاریخ وہ بلا انگیز تاریخ ہے جس میں آلِ محمد کے چند نونہال تین دن

رات بھوکے پیاسے رہ کر کوفیوں کے جور و جفا کا شکار ہوں گے یہ وہی دن ہے جس میں خاتونِ جنت کے خاندان کا ہر نوجوان ایک ایک کر کے فردوسِ بریں میں داخل ہوگا جمعہ کی سحر محشر زا منہ دکھاتی ہے امام عالی مقام خیمہ سے برآمد ہو کر اپنے بہتر ساتھیوں کا لشکر مرتب فرما رہے ہیں جن میں ۳۲ سوار ہیں اور ۴۰ پیادے ہیں میمنہ پر زہیر بن قیس میسرہ پر حبیب بن مطہر سردار بنائے گئے ہیں اس کے بعد امام عالی مقام گھوڑے پر سوار ہوئے اور اتمام حجت کے لیے لشکر اعداء کی طرف تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اے برادرانِ ملت حق اتباع کرنے کے لائق ہے کیا تم مجھے نہیں جانتے میں وہ ہوں میرے جد امجد نے تمہیں کلمہ طیبہ پڑھایا مسلمان کیا اس کا صلہ تم یہ دے رہے ہو کہ مجھ پر اور میرے اہل وعیال پر پانی بند کر رکھا ہے میرے قتل پر آمادہ ہو خون کے پیاسے ہو رہے ہو تم اگر حق پر آؤ تو سعادت پاؤ ورنہ جو کرنا ہے کر گزرو بس اس تقریر کا ختم ہونا تھا کہ اشقیائے کوفہ کا ٹڈی دل لشکر ان بہتر انفاس قدسیہ پر جھک پڑا اور موت کا بازار گرم ہو گیا۔

نزدیک والے تلوار نیزہ چلاتے اور دور والے تیر برساتے مگر جوانانِ آلِ محمد اور جاں نثارانِ اہل بیت کا ایک ایک آدمی اس جاں بازی اور سر فروشی سے لڑا کہ آج دنیا میں ایک نظیر قائم کر دی اور دفتر شہادت کو اس اصول پر مرتب کیا کہ پہلے جاں نثار اپنی جانیں قربان کر لیں پھر بعد میں جوانانِ آلِ محمد میدان میں آئیں لشکر اعداء میں سے حضرت حُر بھی امام عالی مقام کے ساتھ ہو گئے ہیں اور اپنے حراست میں لینے کی معافی چاہ لی ہے اب یہ مٹھی بھر لشکر صبح سے برسرِ پیکار ہے لڑتے لڑتے جمعہ کی نماز کا وقت آ گیا ہے نماز کی مہلت چاہی ان بے دینوں نے قبول کر لیا نماز کے بعد پھر بدستور میدان کارزار گرم ہو گیا اور خاندانِ نبوت کے فدائی بڑے شوق و ذوق سے اپنی جانیں قربان کرنے لگے ان مقدس گروہ کا ایک متنفس بھی لشکر اشقیا پر حملہ کرتا تو سارے لشکر میں ہل چل پڑ جاتی۔ روضۃ الشہدا میں ہے کہ جب حُر زخمی ہو کر گرے امام کو آواز دی امام عالی مقام بے قرار ہو کر تشریف لے گئے اور سخت جنگ کرنے کے بعد اُٹھا لائے زمین پر لٹا دیا اور ان کا سر اپنے زانو پر رکھ کر پیشانی اور رخساروں کی گرد دامن سے پوچھنے لگے حُر نے آنکھ کھول دی اور اپنا سر امام کے زانو

پر پا کر مسکرائے اور عرض کی کہ حضور اب تو مجھ سے خوش ہیں۔ فرمایا ہم تم سے راضی ہیں اللہ بھی تم سے راضی ہو۔ حُر نے یہ مژدہ سن کر امام پر نقد جان نثار کیا۔

آرزو یہ ہے کہ نکلے دم تمہارے سامنے
تم ہمارے سامنے ہو ہم تمہارے سامنے

حُر کی شہادت کے بعد سخت لڑائی شروع ہو گئی جب امام عالی مقام کے ساتھیوں نے دیکھا کہ اب ہم میں امام کی حفاظت کرنے کی طاقت نہ رہی تو شہید ہونے میں جلدی کرنے لگے کہ کہیں ایسا نہ ہو ہمارے جیتے جی امام عرش مقام کو کوئی صدمہ پہنچے اللہ اکبر جاں نثاری یہ ہے اور قربان ہو جانا اسے کہتے ہیں غرضکہ امام عالی مقام کے تمام رفقا ایک ایک کر کے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئے اور میدان میں اب صرف جوانانِ آلِ محمد نظر آنے لگے لڑائی کا یہ منظر بڑا قابلِ دید منظر ہے۔ اب وہ مقدس اور پاک نفوس شمشیر بکف ہو کر میدان میں آ گئے ہیں جن کی شجاعت کا چرچا آسمان کے رہنے والے فرشتوں اور زمین کے بسنے والے انسانوں میں ہے۔ اس وقت اگر کربلا کا میدان جنگجو بہادروں سے بھرا ہوا ہے تو فضائے آسمان کو ملائک نے آ آ کے بھر دیا ہے ایک طرف اگر شہدائے سلف کی روحیں اس خونی منظر کو دیکھنے آ گئی ہیں تو دوسری طرف خود سرکار والا تبار جناب احمد مختار ﷺ اپنے جگر گوشوں کے صبر و ثبات، بسالت و شجاعت کا نظارہ فرمانے تشریف لے آئے ہیں نوجوانانِ اہل بیت ایسے جانبازانہ حملے کر رہے ہیں کہ ادھر شہدائے کرام کی روحیں بے اختیار جزاک اللہ کہہ اٹھتی ہیں اُدھر صف ملائکہ کی آفرین سے ہوا گونجنے لگتی ہے محمدی کچھار کے شیر جدھر حملہ کرتے ہیں اُدھر کشتوں کے پشتے لگ جاتے ہیں کوئی بھیڑوں کے گلّے کی طرح بھاگتے نظر آتے ہیں مگر دشمن کے بے شمار لشکر سے یہ گنتی کے سادات کب تک لڑتے آخر کار لڑتے لڑتے شہید ہو گئے اب امام مظلوم تنہا رہ گئے خیمے میں تشریف لا کر اپنے چوتھے صاحبزادے حضرت عبداللہ کو (جو عوام میں علی اصغر مشہور ہیں) گود میں اٹھا کر میدان میں لائے ایک شقی نے ایسا تیر مارا کہ گود ہی میں ذبح ہو گئے امام نے اُن کا خون زمین پر گرایا اور دعا کی کہ الٰہی اگر تو نے آسمانی مدد ہم سے روک لی ہے تو انجام بخیر فرما اور ان ظالموں سے بدلہ لے۔

پھول کھل کھل کر بہار جانفزا دکھلا گئے
حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

انسان جب ہوا و ہوس کے مضبوط چنگل میں پھنس جاتا ہے تو اسے اپنے کردار کی بھلائی برائی میں امتیاز نہیں رہتا بلکہ اُسے وہی مشورہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔ جو مطلوب تک پہنچادے اور اُسی کو صلاح نیک جانتا ہے۔ جس سے مطلب براری ہوجائے خواہ اسکا مطلوب شر محض یا محال و ناممکن ہو۔

حُبُّکَ الشَّیٔ یُعْمِی وَ یُصِم۔

یوں ہی حسن وعشق کے نام لیوا وصالِ محبوب کے اس درجہ متوالے ہوتے ہیں کہ وصال کے شوق میں فراق کی گھڑیاں گنتے عمر کٹ جاتی ہے پھر اگر قسمت کی یاوری سے وعدۂ وصال کے دن قریب آجاتے ہیں تو اُن کی روح اس قفس عنصری میں بے حد گھبراتی اور پریشان ہوتی ہے اور اس گھڑی کی بڑے شوق سے منتظر رہتی ہے کہ جس گھڑی اس قید تنہائی کا زمانہ ختم ہو اور قفس عنصری ٹوٹے اور وہ اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے۔

چنانچہ یزید ابن زیاد ابن سعد نے جو کچھ اب تک خاندانِ نبوت کے ساتھ کیا وہ خلافت امارت وحکومت کی ہوس میں کیا اور اب جو کچھ امام مظلوم کے ساتھ کرے گا وہ بھی اُسی ہوس ہی پر مبنی ہوگا اور امام عالی مقام نے اب تک جو کچھ کیا وہ وصال محبوب کے شوق میں اور اب وعدۂ وصل چونکہ قریب آچکا ہے اس لیے امام عرش مقام کی روح فضل شہادت کی مضطربانہ انتظار کر رہی ہے۔

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک
آتشِ شوق تیز تر گردد

اب یہ میدانِ کربلا کا سب سے پچھلا مگر سب سے زیادہ دل ہلا دینے والا نظارہ ہے کہ امام عالی مقام ہزاروں دشمنوں خون کے پیاسوں کے نرغے میں بالکل یکہ وتنہا رہ گئے ہیں اور اس وقت کس قیامت کا دردناک منظر پیش نظر ہے کہ امام مظلوم اپنے گھر والوں سے رخصت ہورہے ہیں بے کسی کی حالت تنہائی کی کیفیت تین دن کے پیاسے مقدس جگر پر

سینکڑوں تیر کھائے ہزاروں دشمنوں کے مقابلہ پر جانے کا سامان فرما رہے ہیں اہلِ بیت کی صغیر سن صاحبزادیاں دنیا میں جنکی ناز برداری کا آخری فیصلہ ان کی شہادت کے ساتھ ہونے والا ہے بے چین ہو ہو کر رو رہی ہیں بے کس سیدانیاں جن کا عیش وآرام ان کی رخصت کے ساتھ خیر باد کہنے والا ہے سخت بے چینی کے ساتھ اشک بار ہیں بعض وہ مقدس صورتیں جن کو بے کسی کی بولتی ہوئی تصویر ہر طریقہ سے کہنا درست ہوسکتا ہے۔ جن کا سہاگ خاک میں ملنے والا اور جن کا ہر آسرا ان کے مقدس دم کے ساتھ ٹوٹنے والا ہے روتے روتے بے حال ہوگئی ہیں اس وقت حضرت امام زین العابدین کے دل سے کوئی پوچھے کہ حضور کے ناتواں دل نے آج کیسے کیسے صدمے اٹھائے اور اب کیسی کیسی مصیبتوں کے سامان ہورہے ہیں بیماری پردیس بچپن کے ساتھیوں کی جدائی کے ساتھ کھیلے ہووں کا فراق پیارے بھائیوں کے داغ نے دل کا کیا حال کر رکھا ہے اب ضد پوری کرنے والے اور ناز اٹھانے والے باپ کا سایہ بھی سر مبارک سے اٹھنے والا ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ ان تکلیفوں مصیبتوں میں کوئی بات پوچھنے والا نہیں۔

دردِ دل اٹھ اٹھ کے کس کا راستہ تکتا ہے تو
پوچھنے والا مریض بے کسی کا کون ہے

اب امام بچوں کو کلیجہ سے لگا کر عورتوں کو تلقین صبر فرما کر تشریف لے چلے ہیں ہائے اس وقت کوئی اتنا بھی نہیں کہ رکاب تھام کر سوار کرائے یا میدان تک ساتھ جائے ہاں کچھ بے کس بچوں کی دردناک آوازیں اور بے بس عورتوں کی مایوسی بھری نگاہیں ہیں جو ہر قدم امام کے ساتھ ساتھ ہیں امام مظلوم کا قدم آگے پڑتا ہے یتیمی بچوں اور بے کسی عورتوں سے قریب ہوتی جاتی ہے امام کے متعلقین امام کی بہنیں جنہیں ابھی صبر کی تلقین فرمائی گئی ہے اپنے زخمی کلیجوں پر صبر کی بھاری سل رکھے ہوئے سکوت کے عالم میں بیٹھی ہیں یہ کچھ اس قیامت کا دردناک نظارہ ہے کہ جس کے دیکھنے کے لیے حوریں جنت سے نکل آئی ہیں۔ فرشتوں نے سطح ہوا پر ہجوم کیا ہے اور خود حضور انور ﷺ اپنے بیٹے اپنے لاڈلے حسین کی قتل گاہ میں تشریف رکھتے ہیں۔ ریش مبارک اور سر اطہر کے بال گرد میں اٹے ہوئے اور مقدس

آنکھوں سے آنسوؤں کا تار بندھا ہوا ہے دست مبارک میں ایک شیشہ ہے جس میں
شہیدوں کا خون جمع کیا گیا ہے اور اب مقدس دل کے چین پیارے حسین کے خون بھرنے
کی باری ہے۔

بچۂ ناز رفتہ باشد ز جہاں نیاز مندے
کہ بوقت جاں سپردن بسرش رسیدہ ہاشمی

ساعت آہ و بکاؤ بیقراری آ گئی
سید مظلوم کی رن میں سواری آ گئی
ساتھ والے بھائی بیٹے ہو چکے ہیں سب شہید
اب امام بے کس و تنہا کی بار آ گئی

اب چاروں طرف سے امام مظلوم پر جنہیں شوقِ شہادت ہزاروں دشمنوں کے
مقابلہ میں اکیلا کر کے لایا ہے نرغہ ہوا امام داہنی طرف حملہ فرماتے تو دور تک سواروں پیادوں
کا نشان نہ رہتا بائیں طرف تشریف لے جاتے تو دشمنوں کو میدان چھوڑنا پڑتا خدا کی قسم وہ
فوج اس طرح اُن کے حملوں سے پریشان تھی جیسے بکریوں کے گلے پر شیر آ پڑتا ہے لڑائی
نے طول کھینچا ہے۔ دشمنوں کے چھکے چھوٹے ہوئے ہیں ناگاہ امام کا گھوڑا بھی کام آ گیا پیادہ
ایسا قتال فرمایا کہ سواروں سے ممکن نہیں۔ حملہ کرے اور فرماتے کیا میرے قتل پر جمع ہوئے
ہو ہاں خدا کی قسم میرے بعد کسی کو قتل نہ کرو گے جس کا قتل میرے قتل سے زیادہ خدا کی ناخوشی کا
باعث ہو جب شمر خبیث نے کام نکلتا نہ دیکھا لشکر کو للکارا تمہاری مائیں تم کو روئیں کیا انتظار
کر رہے ہو حسین کو قتل کرو اب چار طرف سے ظلمت کے ابر اور تاریکی کے بادل فاطمہ کے
چاند پر چھا گئے۔ زرعہ بن شریک تمیمی نے بائیں شانہ مبارک پر تلوار ماری امام تھک گئے ہیں
زخموں سے چور ہیں ۳۳ زخم نیزے کے اور ۳۴ گھاؤ تلوار کے لگے ہیں تیروں کا شمار نہیں اٹھنا
چاہتے ہیں اور گر پڑتے ہیں اسی حالت میں سنان بن انس نخعی شقی ناری جہنمی نے نیزہ مارا
کہ وہ عرش کا تارا زمین پر ٹوٹ کر گر پڑا سنان مردود نے خولی بن یزید سے کہا سر کاٹ لے

اُس کا ہاتھ کانپا سنان ولد الشیطان بولا تیرا ہاتھ بیکار ہو اور خود گھوڑے سے اتر کر محمد رسول اللہ
ﷺ کے جگر پارے تین دن کے پیاسے کو ذبح کیا اور سر مبارک جدا کر لیا۔ امام عالی مقام
شہید تو ہو گئے دیکھنا یہ ہے کہ کمال شہادت کے تمام مراتب کو کس خوبی سے طے فرمایا شہید
ہوتے ہیں تو کمال وطن مالوف (مدینہ منورہ) سے منزلوں دور غریب الوطنی کی حالت
میں اور وہ بھی کب جبکہ تن تنہا رہ گئے بھائی بیٹے بھانجے بھتیجے غرضیکہ سب جاں نثار ایک ایک
کر کے آپ کے سامنے ذبح کر دیئے گئے۔ جان بھی دیتے ہیں تو کس جانبازی سے کہ
دشمنوں کے ٹڈی دل کو خطرے میں بھی نہ لائے اور نہ مدافعت جیسے کمزور اصول کی پابندی کی
بلکہ دلیرانہ حملہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے اور پسماندوں میں چھوڑا تو کسے بعض یتیم بچوں اور
چند بے کس بیواؤں کو کہ انہیں بھی دشمنوں نے قید کر لیا ستم یہ کہ وہ اب بھی ظالم دشمنوں کی
دست برد سے محفوظ نہ رہ سکے بلکہ ان کے خیمے لوٹ لیے گئے لاش یوں ہی کھلے میدان میں
پڑی رہتی تو صبر آتا یہ بھی نہ ہوا بلکہ فاطمہ کے گود کے پالے اور مصطفی ﷺ کے سینہ پر کھیلنے
والے کے تن مبارک کو گھوڑوں سے روندا گیا کہ سینہ و پشت نازنین کی تمام ہڈیاں ریزہ ریزہ
ہو گئیں۔ سر کو قلم کر کے پہلے کوفہ میں ابن زیاد کے پاس پھر وہاں سے شہروں قصبوں و
دیہاتوں میں ہوتا ہوا دمشق میں یزید پلید کے پاس بھیج دیا گیا غرضکہ وہ کون سی مصیبت تھی
جو امام عالی مقام نے نہایت صبر و استقلال سے برداشت نہ کی تین شب و روز بھوک پیاس
کی تکلیف اٹھائی جواں بیٹوں بھانجوں بھتیجوں کی لاشیں خاک و خون پر تڑپتی دیکھیں بے گناہ
بچوں نے تیر کے نشانے کھا کر گود میں دم دیا واہ رے استقلال و ثابت قدمی کہ یہ کچھ منظور کیا
مگر ایک فاسق فاجر کی بیعت کو منظور نہ کیا یہی وجہ ہے کہ آج تمام عالم میں کوئی ایسا مسلمان
نہیں جس کا دل امام عالی مقام کی عظمت سے پر نہ ہو اور یزید جیسے پلید کو اہل بیت رسالت
کی بے حرمتی کرنے پر دل سے برا نہ جانتا ہو امام مظلوم کو شہید کر کے یزید اور اس کے حواری
خواہ یہ سمجھتے ہوں گے کہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے تو ہر گز نہیں اس لیے کہ ان
ظالموں نے اگر بوستان رسالت کے مہکتے ہوئے پھولوں کو پتی پتی کر کے بکھیرا یا خاندانِ
نبوت کے گھروں کو بے چراغ کیا اور تمام مسلمانوں کے کلیجوں میں ہاتھ ڈالا یا دنیا بھر کی

لعنت ملامت اپنے سر لی تو کس لیے چند ماہ کی حکومت کے لیے کہ اس کے بعد امام عرش
مقام کے چاہنے والے رب عزوجل نے اُن میں سے ایک ایک کو کتے سوّر کی موت مار کر
جہنم رسید کر دیا مگر اس معرکہ میں کامیاب ہوئے تو کون جو بظاہر ناکام رہے اور فتح ہوئی تو
کس گروہ کی جس کی شکست کا دنیا بھر کو آج تک کامل یقین ہے بات یہ ہے کہ عشاق کے
نزدیک کامیاب زندگی وہ ہے جس کا اختتام رضائے محبوب پر ہو ورنہ اُن کے نزدیک زندگی
بے نتیجہ اور موت بے لطف، امام مظلوم کے ساتھیوں نے اپنے محبوب (امام عالی مقام) پر
اُن کے آنکھوں دیکھتے گلے کٹوا دیئے کہ اُن کے نزدیک اس سے بڑھ کر کوئی کامیابی نہیں۔
علیٰ ہذا القیاس امام عرش مقام نے اپنے محبوب (باری تعالیٰ) کی رضا پر گھر لٹا دیا اہل وعیال
بھائی بھانجے بھتیجے غرض کہ سارے خاندان کو قربان کر دیا اور منہ سے اُف نہ کی اور اُن سب
کے بعد اپنی جان رضائے محبوب پر قربان کر کے خود بھی فردوس بریں میں مقام کیا۔ اس
طرح اپنی اس مہم میں کامیاب ہو گئے خداوند عالم دنیا وآخرت قبر وحشر میں ہمیں اُن کی
برکات سے بہرہ مندی بخشے۔ آمین یا ارحم الراحمین۔

❁❁❁❁

شہیدِ کربلا

من الافادات

فخر المتکلمین زبدۃ العارفین مخدوم اہلِ سُنّت علامہ شیخ القرآن حضرت مولانا الحاج
پیر ابو الحقائق محمد عبد الغفور صاحب ہزاروی، چشتی نظامی (دامت برکاتہم العالیہ)

....

نذرانہ عقیدت

سجا کر لختِ دل سے کشتیِ چشمِ تمنا کو!
چلا ہوں بارگاہِ عشق میں لے کر یہ نذرانہ

آفتاب جہاں تاب کی بیتاب کرنیں دن بھر کے خونیں مناظر سے گھبرا کر کائنات
سے رخصت ہو رہی ہیں، شعلہ بار دن بیت جانے پر بھی فضا آتشکدہ بنی ہوئی ہے کربلا کے
تشنہ لب ریگستان پر ایک خون آشام لشکر جرار کے سامنے ایک تنہا انسان کھڑا ہے۔ بیحد حسین و
رعنا، جس کی نگاہوں میں فرشتوں کی پاکیزگی، چہرے پر بچوں کی سی معصومیت، پیشانی پر
چاند کی دلفریبی وزیبائی اور بشرے سے سورج کا جاہ وجلال ہویدا ہے۔ اس کے قریب ہی
چند قدم کے فاصلے پر خیموں سے بیگناہ عورتوں کی مجروح ہچکیوں اور پیاسے بچوں کی بیتاب
آہوں کی دل خراش آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔ چاروں طرف خون آلودہ صحرا کے سینہ پر
معصوم بچوں، باغ و بہار نوجوانوں اور ضعیف بوڑھوں کے کئی لاشے بے گور وکفن بکھرے
پڑے ہیں، جن کی چھاتیوں کے گہرے زخم اور ان زخموں سے ابلتا ہوا خون ان کے خلوص
ووفا کی واضح شہادت پیش کر رہا ہے۔ یہ اس کے جگری دوست وفادار غلام اور عزیز از جان
رشتہ دار تھے۔ جنہوں نے تلواروں کی چھاؤں اور ہلاکت آفریں تیروں کی بارش میں اپنے

محبوب آقا کا ساتھ نہ چھوڑا اور حق وصداقت کی بلندی وحمایت میں ہر آنے والی مصیبت کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا۔

سمجھے حضرات! یہ مظلوم انسان کون ہے؟

اسلام کے جسد ناتواں کا...... دھڑکتا ہوا دل، چمنستان ولایت کا...... مہکتا ہوا پھول، فردوسی فضاؤں کی...... رنگین کہکشاں، علم وعرفان کے آسمان کا...... ماہ کامل، شجاعت واستقامت کا...... بطل عظیم، سوز وگداز کی لے کا...... دلنشین نغمہ، نبوت ورسالت کا...... حقیقی ترجمان، حشمت وشوکت کا...... سلیمان محتشم، فراست وبصیرت کا...... جبریل امین، روحانی جذبات کی...... مکمل تصویر، قرآن عظیم کی زندہ تفسیر، دل مصطفٰی ﷺ کی...... معصوم دھڑکن، علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی آنکھ کا...... نور، فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے دل نازک کا...... کیف وانبساط، خلافت حسن رضی اللہ عنہ کی...... آخری چٹان، کربلا کا...... مجاہد اعظم، ملت بیضا کا...... شہید اکبر، یعنی حسین ابن علی رضی اللہ عنہما۔

یہ کون ہے؟ یہ محمد کے دل کا ٹکڑا ہے
جبیں پہ نور نبوت، جگر میں سوز یقیں
رہ خدا میں لٹانے کو لے کے آیا ہے
تمام گوہر تاباں، تمام لعل و نگیں

بصد عقیدت واحترام بندہ ان خون آلود اوراق کو اسی مظلوم انسان کامل کی بارگاہ شہادت میں منشور دل کی چند آہوں اور اداس نگاہوں کے چند آنسوؤں کے ساتھ پیش کرتا ہے اور حسن قبول کی لازوال بہاروں کا متمنی ہے۔

چنے ہیں میں نے بھی کچھ پھول تیرے باغ معنی سے
الٰہی! تو اگر حسن قبول ان کو عطا کر دے

مجسمۂ نیاز
منشور ہزاروی
آشیانہ زندگی، جامع صدیقیہ گکھڑ

بشارت عظمٰی!

یہ ان دنوں کا ذکر ہے جب یہ خاکسار مرکزی دار العلوم اہل سنت جامعہ رضویہ بریلی شریف سے دستار فضیلت حاصل کرنے کے بعد وزیر آباد استاذی المحترم علامۂ عصر شیخ القرآن حضرت ابو الحقائق مولانا محمد عبد الغفور صاحب ہزاروی دامت برکاتہم العالیہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور آپ کے زیر اہتمام جامعہ نظامیہ غوثیہ میں بحیثیت مدرس تقرر عمل میں آیا۔

یہ فقط استاذی المکرم کی بندہ نوازی تھی کہ جہاں میں نے چند سال تعلیم وتربیت حاصل کی تھی، اسی دار العلوم میں مجھے یہ مقام بلند نصیب ہوا۔ ورنہ

اپنے کہاں نصیب کہ ایسے نصیب ہوں

اور اسی زمانہ میں میری قلمی زندگی کا آغاز ہوا۔ نقش اوّل ''شہید کربلا'' کی ترتیب وتدوین میں مشغول تھا کہ ایک ہمایوں رات کی دلنواز ساعت میں معدن نبوت کے گوہر گراں بہا سیّدنا شہزادہ کونین امام حسن رضی اللہ عنہ کے جمال جہاں آرا سے مشرف ہوا۔ حضور کے چہرہ انور پر مسکراہٹ کے انوار پھیلے ہوئے تھے اور مسرت وانبساط کے اس عالم میں خاکسار کو ارشاد گرامی ہو رہا تھا کہ ''تو نے میرے بھائی کے فضائل لکھے ہیں اور بھی لکھو''!

سترہ سال کا طویل عرصہ گذر چکا ہے مگر اس مختصر روحانی صحبت کی یاد آج بھی وجدان میں تازہ ہے، چشم تصور اب بھی اس تابندہ چہرہ کو دیکھ رہی ہے، اور آپ کے کلمات طیبات اب بھی سامعہ نوازی فرما رہے ہیں۔

کلاہ گوشۂ دہقاں بآفتاب رسید

اس بشارت عظیمہ کا مفہوم واضح تھا کہ یہ مضمون بارگاہِ شہادت پناہ میں حسن قبول

کی لازوال دولت سے نوازا گیا ہے اور مجھے اس کی صداقت اور قبولیت کا پورا پورا یقین ہو گیا۔ چنانچہ یہ اسی منشور نوازی کا کرشمہ تھا کہ عوام الناس نے ان اوراق کو محبت بھرے دل اور اشتیاق بھری نظروں سے دیکھا اور خریدا۔ اور ارباب علم و فضل کے دربار سے قبول عامہ کی سند پائی۔ ''شہید کربلا'' چار بار ایک معقول تعداد میں چھپ چکا مگر اس کی ایک کاپی بھی میرے پاس باقی نہ رہی۔

این سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

یہ میری انتہائی بدبختی اور حرمان نصیبی تھی کہ میں اس عرصہ میں اپنی گوناگوں مشکلات کی وجہ سے شہزادہ عالی مقام کے ارشاد گرامی کی تعمیل نہ کر سکا۔ آج جبکہ حیات کا ماحول قدرے سازگار ہے اور فرصت کے چند لمحے نصیب ہوئے ہیں، بصد عجز و نیاز نئی ترتیب اور مناسب اضافہ کے ساتھ چند حقیر پھول مسند امامت کے شہ نشین کے حضور پیش کر کے تعمیل ارشاد کی سعادت بکراں حاصل کرتا ہوں۔ اے میرے محبوب آقا! نگاہ مصطفےٰ ﷺ، بازو مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، ردائے فاطمہ رضی اللہ عنہا، بیکسی زینب رضی اللہ عنہا، خون حسین رضی اللہ عنہ، سفینہ قاسم رضی اللہ عنہ اور حلقوم علی اصغر رضی اللہ عنہ کے صدقہ میں پہلے کی طرح خلوص و نیاز کے اس حقیر تحفہ کو قبول فرما۔

بندہ منشور را از سوز خود پرسوز کن
سینہ بے کیف الفت رانشاط اندو نکن

سلام بحضور شہداء کربلا

سلام ہو، کوفہ کے اس پردیسی مجاہد مسلم رضی اللہ عنہ پر جس نے غدار و ناہنجار کوفیوں کے ہاتھوں ذلت و رسوائی اور آخر کار انتہائی مظلومیت اور سفاکی سے شہید ہونا گوارا کیا مگر نابکار ابن زیاد کے فرعونی اور طاغوتی احکامات کے سامنے سرنگوں ہونا برداشت نہ کیا۔

سلام ہو، مدینہ کے ان ننھے ننھے معصوم مسافروں پر جنہیں آغوش مادر اور شفقت پدر کا پرسکون ماحول حاصل ہونے کے بجائے کربلا کے تپتے ہوئے صحرا کے خون آلود ذروں پر لیٹنا نصیب ہوا۔

سلام ہو، امام الشہداء کے ان جاں نثاروں پر جنہوں نے معرکہ کرب و بلا کی ہلاکت خیزیوں میں خاندان نبوت کی حمایت و نصرت میں اپنی عزیز جانیں نثار کیں اور اس طرح تاریخ اسلام کے رنگین صفحات میں انہیں نمایاں مقام حاصل ہوا۔

سلام ہو، جناب حر کی حق گوئی و بیباکی پر جس نے دنیا کی عیش پرستیوں اور دل آویزیوں کو پائے حقارت سے ٹھکراتے ہوئے جنت الفردوس کا سودا کیا اور باغ نبوت کے مہکتے ہوئے سدا بہار پھولوں کی حمایت و حفاظت میں اپنی پوری دنیا قربان کر کے حضرت سرور عالم ﷺ کے دامن شفاعت سے دائمی وابستگی حاصل کی۔

سلام ہو، عون اور جعفر پر جنہوں نے اپنی اٹھتی جوانی کی معصوم بہاروں سے چمنستان اسلام کو سرسبزی اور شادابی بخشی۔

سلام ہو، شیر کا دل اور چیتے کا جگر رکھنے والے حضرت عباس رضی اللہ عنہ پر جن کے فولادی بازو و منشور ہدایت و پیغام صداقت کا پرچم لے کر فرات کے ساحل پر بلند ہوئے اور ظلم و ستم کی خوں آشام تلواروں سے کاٹ دیئے گئے۔

سلام ہو، اس ننھی سی چیخ پر جو علی اصغرؓ کے نرم و نازک اور خشک گلے سے یزیدی سپاہی کے تیر لگتے ہی نکلی اور...... ایک جگر خراش آہ کے بعد باغِ حسینیؑ کی یہ نادر اور شگفتہ کلی ہمیشہ کے لیے مرجھا گئی۔

سلام ہو، حضرت حسن کی یادگار جناب قاسمؓ پر جس نے اپنے پاکیزہ اور انمول خون سے اسلام کے خزاں رسیدہ باغ کی آبیاری کی اور جس نے اپنی بھرپور جوانی کی معصوم بہاروں سے گل کدہ اسلام کو آراستہ کیا۔

سلام ہو، ان خونچکاں زخموں پر جو ابن زیاد کے ذلیل سپاہیوں کے نیزوں، برچھیوں، تلواروں، اور نیزوں سے خاندان نبوت کے نازنین جسموں پر لگے جنہیں نہ کوئی دھونے والا تھا اور نہ کوئی مرہم پٹی کرنے والا۔

سلام ہو، سادات بنی فاطمہؓ کے ان معظم ومحتشم اجسام پر جو کئی روز کربلا کے تپتے ہوئے خون آلودہ ریگستان میں بے گور و کفن پڑے رہے اور جن پر آسمان کے ان گنت فرشتوں اور زمین کے لاتعداد بے زبان جانوروں کے سوا کوئی آنسو بہانے والا نہ تھا۔

سلام ہو، عزم و استقلال کے کوہ وقار عابد بیمار پر جن کی آنکھوں کے سامنے خاندان رسالت کی ایک ایک کلی پژمردہ و پامال ہوئی اور جن کے سامنے فاطمہؓ کے کلیجہ کی ٹھنڈک علیؓ کی آنکھوں کا نور اور محمد ﷺ کے پیارے بیٹے کا سر اقدس جسم پاک سے جدا کیا گیا۔ ان کی محترم نعش کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندا گیا۔ لیکن اس اندوہناک ماحول میں بھی راضی برضا رہے۔ ان کی زبان فیض رساں سے دشمنوں کے حق میں کوئی نازیبا اور تہذیب سے گرا ہوا لفظ نہ نکلا اور ان کے پائے استقلال و استقامت میں ادنیٰ سی لغزش بھی واقع نہ ہوئی۔

سلام ہو، فردوس بریں کے اس گل سرسبد پر جس نے ولایت کی گود میں آنکھ کھولی اور نبوت کی معصوم و نورانی فضاؤں میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔

سلام ہو اس عظیم المرتبت فرزند ارجمند پر جس کا باپ علم و فضل کا آفتاب اور عرفان و روحانیت کا ماہتاب تھا۔

سلام ہو اس یوسف کدہ جمال پر جس کو سیّدہ نساء العالمین نور چشم رحمۃ للعالمین نے اپنے خون جگر اور لخت دل سے تعمیر کیا تھا۔

سلام ہو اس یکتائے روزگار فرزند پر جس کو رحمت دو عالم ﷺ نے اپنا لخت جگر کہا اور جو صورت و سیرت میں اپنے نانا پاک صاحب لولاک ﷺ کے مشابہ تھا۔

سلام ہو اس نیّر برج ولایت پر جس کے حریم جمال کی سجدہ ریزی کے بغیر منزل عرفان تک رسائی ممکن نہیں۔

سلام ہو خاتون جنت کے اس محبوب لخت جگر پر جس کی دلجوئی و خوشنودی کے لیے تاجدار نبوت کے سجدے طویل سے طویل تر ہوتے گئے۔

سلام ہو اس عظیم الشان شہنشاہ ولایت پر جو جان اولیاء تھی اور جس کی چوکھٹ سے غوثیت، قطبیت اور شہنشاہیت کی بھیک ملتی ہے۔

سلام ہو کربلا کے اس شہید اعظم پر جس کا مقدس و پاکیزہ خون ملت اسلامیہ کی کتاب حیات کا عنوان بنا۔

سلام ہو گل کدہ اسلام کے اس بے مثال باغبان پر جس نے اپنے جگر پاروں اور عزیز دوستوں کے خون سے چمنستان توحید و رسالت کی آبیاری کی۔

سلام ہو حق و صداقت کے اس قدسی پیکر پر جو ظلم و ستم کی قیامت خیز آندھیوں میں بھی ہدایت و صداقت اور حریت و استقامت کا کوہ گراں ثابت ہوا۔

سلام ہو اس مجاہد اعظم پر جس کو دشت کرب و بلا کی ہوش ربا گرمی تین دن کی بھوک اور پیاس عزیزوں، دوستوں اور جاں نثاروں کا بیدردی سے قتل، خواتین اہل بیت کی بیماری و بیکسی بھی اعلاء کلمۃ الحق سے نہ روک سکی۔

سلام ہو اس محافظ اسلام و پیکر حریت پر جس نے اپنے سرفروشانہ جذبہ سے اسلام کی حفاظت و حمایت کے لئے اپنے وقت کی سب سے بڑی جابر حاکیت کا مردانہ وار مقابلہ کیا، جس کی پاداش میں اس کے جسم نازنین کو گھوڑوں کے ناپاک سموں سے پاش پاش کیا گیا۔ اس کے سر اقدس کی گلی کوچوں میں تشہیر کی گئی۔ جس کی پیشانی پاک پر اب تک محبوب

خدا ﷺ کے مقدس بوسوں کے نشان ثبت تھے اور اس کی ان رشکِ مریمؑ وفخر سارہؑ بیٹیوں اور بہنوں کو بے پردہ بازاروں میں گھمایا گیا۔ جن کو چشم آفتاب نے بھی کبھی بے پردہ نہ دیکھا تھا۔

سلام ہو اے پیکر روحانیت، سلام! سلام اے اسلام کے مجاہد اعظم آپ ہی تاجدارِ نبوت کے پیکر نوری کے صحیح عکس ہیں۔ اور آپ ہی کو یہ غیر معمولی فخر حاصل ہے کہ خود مہبطِ وحی والہام ﷺ نے ہدایت وصداقت کے شیریں نغمے آپ کے کانوں میں پہنچائے تھے اور آپ مشکوٰۃ نبوت سے براہ راست مستنیر وضو یاب ہوئے۔ آپ ہی کا وہ پر شکوہ دربار ہے جہاں زمانہ بھر کے ابوحنیفہ وشافعی، جنید و بایزید اور غزالی ورازی سر بسجود نظر آتے ہیں۔

نذرانہ عقیدت قبول فرمایئے۔ ایک سیہ کار...... روسیاہ، خطا کار غلام کا جس کی تمام امیدیں اور آرزوئیں صرف آپ اور آپ کے مختار کل محبوب نانا پاک (جن پر کروڑوں درود اور سلام ہوں) کے آستانہ لطف وکرم سے وابستہ ہیں۔ اور آپ سے نسبت غلامی ہی کو اپنی نجات کا آخری سہارا اور مقبول ذریعہ سمجھتا ہے۔

تری نگاہ کا مرہونِ فیض عالم ہے
ترا کرم ہو تو ذرہ بھی آفتاب بنے

....

زیست کی شمع راہ عشق زیست کا سنگ میل عشق
عالم ہست و بود کی سب سے قوی دلیل عشق
عشق کا نقطۂ سفر دشت مہیب کربلا
شاہ شہید کے لئے کوثر و سلسبیل عشق
کعبہ سے تا بہ کربلا عشق کی ایک جست ہے
عشق محیط دو جہاں شہپر جبریل عشق!

محرم.....اور جاں نثاران حسین کیلئے لمحہ فکریہ

صلوٰتم باد بر جان محمد ﷺ
بر اہل بیت و یاران محمد ﷺ

محرم الحرام کے مقدس مہینے سے اسلامی سال کا آغاز ہوتا ہے اسے اتفاق کہئے یا تقدیر کا نوشتہ کہ اس مہینے کے ساتھ ایک ایسی یاد وابستہ ہوگئی ہے جس کو کسی حال میں دل سے محو نہیں کیا جا سکتا۔ ۱۰ محرم ۶۱ ہجری کی ایک آتش خیز دوپہر میں جو خونیں سانحہ فرات کے کنارے دشت کربلا میں پیش آیا۔ تیرہ صدیاں گزرنے پر بھی اس خونیں سانحہ کی یاد نے دلوں میں قیامت کا اضطراب پیدا کر رکھا ہے۔

آج پھر وہی صف ماتم بچھائی جا رہی ہے جس کی یاد تیرہ سو بیس برس سے دل وجان کو تڑپا رہی ہے۔ دنیائے اسلام کے گوشے گوشے میں جگر سوز نالے ہیں۔ آنکھوں سے خون کے سیلاب بہہ رہے ہیں دلوں میں ہجوم اضطراب سے محشر رستاخیز برپا ہے۔ افغانستان سے گریہ وبکا کی آواز آ رہی ہے۔ پاکستان دکھے ہوئے دل کے ساتھ آنسو بہا رہا ہے ایران کا کلیجہ پھٹ رہا ہے عرب دنیا کی آنکھوں سے آنسو بھرے ہوئے ہیں۔ مصر بھی پریشان و مضطرب ہے۔ انڈونیشیا بھی آہ وفغان کا آتشکدہ بنا ہوا ہے۔ عرب وعجم کا آسمان وزمین صدیوں اور قرنوں سے گریہ وبکا میں مصروف ہے۔

یہ رونا نہ تھمے گا، یہ ماتم کبھی ختم نہ ہوگا۔ آج سچ مچ پھر وہی سرد سرد آہیں اور گرم گرم آنسو ہیں۔ وہی درد بھری فضائیں اور سسکیاں لیتا ہوا ماحول ہے وہی خاندان نبوت کا اجڑا ہوا گلستان ہے۔ تشنگی وگرسنگی کا وہی عالم، حدت وتمازت کی وہی کیفیت، بے کسی و بے چارگی

کے اسی عالم میں کربلا کے افق سے عاشورہ کا خونیں آفتاب ابھر رہا ہے۔ وہی کربلا کی دہکتی ہوئی سرزمین پر علی مرتضیٰؓ کے جگر گوشوں کے تڑپتے ہوئے جسد عنبرین، شہنشاہ کونین ﷺ کی عفت مآب شہزادیوں کے چہرے پژمردہ اور نورانی صورتیں بے پردہ ہیں اور وہی قیامت برپا کردینے والا جگر گوشۂ بتولؓ نواسۂ رسول کا گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندے ہوئے جسد اقدس کا دلخراش منظر ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہل عالم کی عبرت وبصیرت کے لیے گردش زمانہ نے تاریخ کا وہ دردناک اور زہرہ گداز ورق ایک ہزار تین سو بیس برس کے بعد پھر الٹ دیا ہے جس کا ایک ایک لفظ دل کی بے پناہ دھڑکنوں کے ساتھ پڑھنا چاہتے ہیں، مگر یہ کہہ کر خاموش ہوجاتے ہیں۔

نمی دانم حدیث نامہ چون است
ولے بینم کہ عنوانش بخون است

امام الشہداء حضرت امام حسین اس دنیا سے تشریف لے گئے لیکن اپنے پیچھے ایسی روحانی یاد چھوڑ گئے جو دل وجان کو مضطرب کرنے کے لئے ہر دل میں باقی ہے اور باقی رہے گی جو کبھی بھی فراموش نہیں کی جاسکتی اور اگر بعض انسان اسے بھلا بھی دیں تو ہر سال چند ایسے ماتم خیز دن لوٹ آتے ہیں جو اس حادثہ عظیمہ کی یاد پھر سے تازہ کردیتے ہیں۔ ادھر محرم کا غمگین چاند آسمان کی سطح پر نمودار ہوتا ہے ادھر مسلمانوں کے گھروں میں صف نوحہ وماتم بچھ جاتی ہے آنکھیں اشکباری کرتی ہیں، زبانوں سے رلانے والے مرثیے بلند ہوتے ہیں غرضیکہ ہر دل افسردہ ومجروح نظر آتا ہے۔

بایں ہمہ اس وادی میں کانٹے ہی کانٹے نہیں، رنگ وتعطر کی فراوانی سے جنت نگاہ کا سامان مہیا کرنے والے پھول بھی ہیں۔ اس رات کے دامن میں تاریکیاں ہی نہیں تجلیاں بھی ضیائے موفور سے جھولیاں بھرے محو خرام ہیں۔ اس بے پناہ غم والم کی آغوش میں خوشیاں بھی مسکرارہی ہیں۔

محرم الحرام کا مہینہ مسلمانان عالم کے لئے سوگ اور خوشی، غم اور مسرت کے ملے

جلے جذبات کا مہینہ ہے۔

دریں چمن کہ بہار و خزاں ہم آغوش است
زمانہ جام بدست و جنازہ بردوش است

سوگ اور غم اس امر کا ہے کہ سرور کائنات حضرت محمد ﷺ کے نواسے جناب امام حسین علیہ السلام اور آپ کے لخت جگر آپ کے عزیز واقارب اور آپ کے دوست واحباب یزیدی جور واستبداد کی قوت سے کئی دن فاقوں اور کئی وقتوں کی پیاس سے نڈھال ہوکر کربلا کے لق ودق صحرا میں باطل سے جہاد کرتے ہوئے شہید ہوگئے اور دنیائے اسلام ایک ایسے چشمہ فیض سے محروم ہوگئی جس سے علم وعرفان کے کئی سوتے پھوٹتے تھے۔ اور فرحت و مسرت اس بات کی ہے کہ امام الشہداء حضرت حسین علیہ السلام اور آپ کے بہترین ساتھیوں نے اپنے بے پناہ صبر وتحمل اور لازوال عزم واستقامت سے ثابت کردیا کہ حق کے نام لیوا سر تو کٹوا سکتے ہیں لیکن باطل کی سطوت وجبروت کے جھوٹے خداؤں کے سامنے جھک نہیں سکتے۔ ناموس دین مصطفوی ﷺ کی حفاظت کرتے ہوئے وہ خود مٹ گئے مگر صبر و استقامت اور حق وصداقت کا سبق دنیا کو سکھا گئے ان کے جسم پاش پاش ہوگئے لیکن اپنے بعد اصول صحیحہ کا ایک ایسا غیر فانی نشان ذی شان چھوڑ گئے جس کو دنیا کا کوئی انقلاب نہ مٹا سکا اور نہ مٹا سکے گا اور آج داعیان حق ان ہی کے نقوش قدم سے مشعل راہ کا کام لے رہے ہیں۔ اس لئے امام الشہداء کے عقیدت مندوں کو جشن نشاط منانا چاہیے کہ اسلام کی رگوں میں حضرت زینبؓ کا صبر، حضرت سکینہؓ کی عفت حضرت علی اکبر کی جوانی حضرت علی اصغرؓ کی معصومیت اور حضرت حسین کا مقدس لہو موجزن ہے۔ اس واقعہ فاجعہ کی یادگار میں فی الحقیقت یہی راز پوشیدہ تھا اور یہی وہ حقیقت کبریٰ تھی جس کو ایک عارف کامل کی حقیقت شناس نگاہوں نے دیکھا اور زبان حق گو پکار اٹھی۔

شاہ است حسین بادشاہ است حسین
دین است حسین دیں پناہ است حسین

سر داد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

بیشک کربلا کا یہ واقعہ تاریخ عالم کا وہ زہرہ گداز اور رقت آفریں واقعہ ہے کہ جس پر کائنات کا ذرہ ذرہ قیامت تک دکھے ہوئے دل سے خون کے آنسو بہائے گا لیکن اس غم و الم کے ماحول، خون اور آنسوؤں کی فضا میں اس سرفروشی کے درس آموز حقیقی پہلوؤں کو نظر انداز کرنا سراسر ظلم اور مقصد شہادت حسین سے بغاوت ہے۔ حقیقتاً محرم کا ایک ایک دن ہمارے لئے عزم وجہاد کا پیغام ایثار وقربانی کی دعوت اور اسلام سے والہانہ عقیدت کا اعلان ہے مگر یہ ہماری انتہائی بدقسمتی ہے کہ ہم نے اس زندگی اور بیداری کے مقدس مہینہ کو اپنے لئے محض موت اور ماتم کا مہینہ قرار دیا ہے۔

بسوخت عقل زحیرت ایں چہ بوالعجبی است

محبت وعقیدت کا تقاضا تو یہ تھا کہ ہم امام حسین علیہ السلام کے نقش قدم پر چل کر اس مرد مجاہد کی صفات اپنے اندر پیدا کرتے، آپ کے اسوہ حسنہ کو ایک زندہ حقیقت کی صورت میں دنیا کے سامنے پیش کرتے اور (قول وعمل سے) حسینی بننے کی کوشش کرتے۔ مگر صد افسوس ہم نے عہد اسلام کی اس سب سے بڑی شہادت کا خیر مقدم آنسوؤں کے چند گرم قطروں اور نالہ وشیون کی چند رسمی آہوں سے کیا۔

اسلامی سال کا آخری مہینہ ذوالحجہ اور پہلا محرم الحرام ہے۔ ان دونوں مہینوں نے یکے بعد دیگرے آنے کا راز یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذوالحجہ ہمارے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عشق الٰہی کا بے پناہ جذبہ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی آرزوئے شہادت کا نقشہ پیش کرتا ہے اور محرم کا مہینہ امام الشہداء سیدنا حسین کی شہادت کے عملی واقعہ کی جانب دعوت دیتا ہے۔ ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو حضرت اسماعیل علیہ السلام خدا کی خوشنودی ورضا کی خاطر اپنا سر چھری کے نیچے رکھ دیتے ہیں، مگر یہ سر تن سے جدا ہونے سے پہلے درجہ قبولیت حاصل کر لیتا ہے اور محرم کی دسویں تاریخ کو نواسہ رسول کریم ﷺ نہ صرف اپنی بلکہ اپنے جگر گوشوں،

بھائیوں اور دوستوں کی گردنیں رب محمد کے حضور مٹا دیتے ہیں۔ بیشک ذوالحجہ اور محرم کے دو طرفہ جلوے میں اسلامی زندگی اور موت کا راز پنہاں ہے کہ ایک مسلمان کو حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی طرح دنیا میں زندہ رہنا چاہیے اور حضرت امام حسین کی طرح راہ اسلام میں قربان ہو جانا چاہیے۔

آں امام عاشقاں پور بتولؓ
سروِ آزادے دبستانِ رسول
اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
معنیٔ ذبح عظیم آمد پسر

کتنی حسرت اور حیرت کا مقام ہے کہ دس ذوالحجہ کو جب حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ کی یادگار مناتے ہیں تو اس کو بڑی عید سمجھتے ہیں اور اپنی حیثیت کے مطابق جانور ذبح کر کے ان کی سنت کو زندہ پائندہ بناتے ہیں، مگر جب امام الشہداء حضرت حسین کی یاد منائی جاتی ہے تو مقصد حسین اور شہادت حسین پر عمل پیرا ہونے کی جگہ اس نوروز کو فسق وفجور، نالہ وشیون سوگ اور ماتم کا ایک سیہ روز بنا دیا جاتا ہے۔

اس طرف تکبیر ادھر ہنگامۂ صد شور و شین
اس طرف اشکوں کا پانی اس طرف خون حسین

اسلام مشاہیر اکابر اور صالحین اسلاف کی یادگار کا مفہوم ان کے اسوہ حسنہ کا اتباع، نیکی وصداقت کے عملی نمونوں کی پیروی اور اعمال صالحہ کی یادگار کو قرار دیتا ہے۔ یاد منانے کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ جس واقعہ یا جس شخصیت کی ہم یاد منانا چاہتے ہیں ہمیں اس سے عقیدت ومحبت ہے اور اس واقعہ کو بار بار اس لئے دہرایا جاتا ہے کہ ان کے ماننے والوں کے اندر ان کے اعمال وافعال کی پیروی واتباع کا صحیح جذبہ پیدا ہو جائے اور اگر انہیں بھی منازل زیست کی ایسی ہی دشوار گزار گھاٹیوں سے گزرنا پڑے تو وہ بھی ان کے طرز عمل اور اسوہ حسنہ کو مشعل راہ اور وظیفہ حیات بنا سکیں۔ محرم کا ھلال لاغر تن ہر سال مغرب کی

بلندیوں سے جھانکتا ہے اور اپنی نرم و نازک انگلیوں سے کربلا کے خونی معرکہ حق و باطل کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اسلام کے شیدائیوں کو یاد دلاتا ہے کہ راہ حق میں جان دے دینا حیات جاودانی حاصل کرنا ہے۔اور حسین ابن علی کی طرح اسلام پر فدا ہونا اسکی زندگی کی پہلی منزل ہے۔

اسی مقصد کو زندہ یادگار کربلا سمجھو
حسین ابن علی کی زندگی کا مدعا سمجھو

حضرت امام حسین اور آپ کے بہتر ساتھیوں نے اپنے مقدس خون سے سیرت اور بلند اخلاقی، خدا پرستی اور خدا دوستی، حق شناسی اور حق شعاری، قربانی و فدا کاری کو زندہ و پائندہ کرنے کے لئے ایک دستور العمل پیش کیا تھا۔انہوں نے اپنی عزیز جانیں قربان کیں تا کہ فرزندان توحید زندہ رہ سکیں انہوں نے موت کی تلخی اس لئے چکھی تا کہ نانا پاک کی امت بقائے دوام کی شیرینی وعذوبت سے بہرہ ور ہو سکے۔انہوں نے اپنا خون پیش کر کے مسلمانوں کو غیر فانی زندگی بخشی ہے۔

شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے

مگر یہ انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ آج محبان اہل بیت نے اپنے اندر بے شمار بصیرتیں رکھنے والے اس معرکہ حق و باطل کے اس مقصد عظیم کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے، جس مقصد کی خاطر امام حسین علیہ السلام نے اپنا اپنے جگر گوشوں عزیزوں اور دوستوں کا سر کٹایا تھا۔افسوس کہ آنسوؤں کے سیلاب میں اس سانحہ عظیم کا سارا سامان عبرت و بصیرت بہ گیا اور آہ! کہ اس کی ساری روحانی عظمت و بزرگی تعزیوں کے ساتھ ہی زمین میں دفن کر دی گئی۔

آج حسینی اسوہ حسنہ کے اتباع اور پیروی کی جگہ ان زندہ جاوید انسانوں کا ماتم کرنا اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا گیا ہے، جن کی زندگی پر خدا شاہد اور جن کی حیات جاودانی پر قرآن گواہ ہے اور جن کی زندگی وجود کائنات کے لیے حیات بخش ہے۔

تمہیں کہتا ہے مردہ کون تم زندوں کے زندہ ہو
تمہاری خوبیاں زندہ، تمہاری نیکیاں باقی

سید الشہداء حضرت امام حسین کی شہادت اسلام کی حیات جاودانی ہے اور کوئی ذی شعور انسان حیات جاوداں کا ماتم نہیں کرسکتا۔

کافر ہے جو منکر ہو حیات شہداء کا
ہم زندہ و جاوید کا ماتم نہیں کرتے

اے حسین سے محبت کرنے والو!

اگر سیدنا امام حسین کی طرح تمہارا مقصد حیات اسلام کی بلندی نہیں۔

اگر نواسہ رسول مقبول کی طرح تم شریعت مقدسہ کی بے حرمتی وتباہی دیکھ کر تڑپ نہیں سکتے۔اگر تم شہیدِ اعظم کی طرح اپنا سر دینے اور باطل سے صلح کے لیے تیار نہیں۔

اگر اپنی زندگی کا عیش وسکون، اپنی آراستہ اور نفیس آرام گاہیں، اپنی دولت کا انبار، اپنی رفیقہ حیات، محبوب ترین بچے، عزوجاہ کے یہ فانی مناصب اور فرضی القاب تم کو اسلام، ایمان، خدا اور اس کے رسول مکرم ﷺ سے زیادہ محبوب ہیں تو خدارا، اس جھوٹی اور فرضی محبت حسین سے قلب حسین پر شمر وخولی کی تلواروں سے زیادہ تیز خنجر نہ چلاؤ۔

اے حسینؑ کی غلامی پر فخر کرنے والو!

اگر خدا کی خوشنودی کے لئے اس کے حضور تم سجدہ ریز نہیں ہوسکتے۔

اگر حق وصداقت اور سنت رسول ﷺ کی حفاظت وحمایت میں حسین کی طرح سب کچھ لٹا کر مسکرا نہیں سکتے۔

اگر تم جگر گوشہء رسول کی طرح تلواروں کے سائے اور تیروں کی بارش میں بھی سبحان ربی الاعلیٰ نہیں پکار سکتے۔

اگر تم فخر کائنات اور مقصود کائنات جناب محمد مصطفےٰ ﷺ کے لائے ہوئے ضابطہ حیات کو کائنات سے مٹتا ہوا دیکھ کر ماہی بے آب کی طرح تڑپ نہیں سکتے، تو اے حسین کے

رونے والو! تمہیں خدائے قیوم کا واسطہ محمد کی جان عزیز کا واسطہ اور خون شہید کربلا کا واسطہ! تم اپنا روحانی اور اسلامی تعلق دامن حسین سے وابستہ کر کے اس پاکیزہ دامن کو آلودہ کرنے کی گستاخی اور جرات نہ کرو!

اگر حسین کی زندگی کے نقش ونگار اپنی زندگیوں میں نہیں دکھا سکتے! اگر واقعہ شہادت کی عظمتوں اور بزرگیوں کو زندہ اور قائم رکھنے کے لئے اسوہ حسینی کا اتباع نہیں کر سکتے تو تمہارے لئے حسین کی یادگار منانا اور اس کا نام لینا حرام ہے۔

حسین ابن علیؑ نے کی ہے قائم اک مثال ایسی
کہ تقلید اُس کی تقدیر حیات جاودانی ہے

اے حسینی شمع کے خوددار پروانو!

سید الشہداء نواسہ رسول کی شہادت حق وصداقت، آزادی وحریت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی خاطر ایک عظیم الشان قربانی تھی، جو صرف اس لئے وجود میں لائی گئی کہ علمبرداران اسلام کے لئے نشان راہ اور رہ نوردان منزل صدق وصفا کے لئے مشعل ہدایت کا کام دے سکے۔ سید الشہداء کے عظیم روح کے شایان شان خراج عقیدت و محبت، نمائشی عزاداری کا بے باک مظاہرہ نہیں، بلکہ اس پر عظمت روح کو خراج عقیدت پیش کرنے کا اعلیٰ اور صحیح طریق کار یہ ہے کہ ہم صدق دل اور عمل صالح سے اس اسوہ حسنہ کی پیروی کریں جو سید الشہداء نے ہمارے سامنے پیش کیا۔ کسی روح انسانی کے لئے جائز و مناسب نہیں کہ وہ محبت حسین اور عقیدت پنجتن کا خالی دعویٰ کرے، جب کہ وہ اسوہ حسینی کی پیروی واتباع کو اپنا شعار زیست نہ بنائے۔ یزیدی ختم نہیں ہوئے اور کربلا کی سرزمین نے حسین کو معدوم نہیں کر دیا۔ دنیا میں ہمیشہ یزیدی طاقتیں پیدا ہو رہی ہیں۔

اور ہر زمانہ میں پیدا ہوتی رہیں گی، اس لئے دنیائے اسلام کو زندگی کے ہر دور میں حسین ابن علیؑ کی ضرورت رہی ہے اور جب تک زمین وآسمان قائم ہے ہمیشہ رہے گی۔ لیکن یزید کو دیکھنے کے لئے حسین کی نگاہ درکار ہے اور یزیدی طاقتوں سے نپٹنے کے لئے

حسین کے دل وجگر کی ضرورت ہے۔

حیات جاودانی کے طلبگارو!

اس گنبد فلک کے چتر نیلگوں کے نیچے کتنے ہی پر جلال کشور کشا اور کتنے ہی با عظمت فاتح ظاہر ہوئے، جنہوں نے چار دانگ عالم پر حکومت کی مگر وہ حیات جاوید کی لازوال دولت حاصل نہ کر سکے اور آج دنیا والے ان کے ناموں تک سے واقف نہیں۔

قرآن عظیم نے اپنی زبان میں ان کا مرثیہ یوں کہا ہے:

فما بکت علیهم السمآء والارض۔

شاہان عالم اور خزانوں کے مالکوں کو موت پر زمین وآسمان کی کوئی آنکھ بھی اشکبار نہ ہوئی، لیکن یہ حقیقت سورج کی روشنی کی طرح ثابت ہے کہ نبیرہ پاک سید لولاک ﷺ کی یاد آج بھی دلوں میں تازہ ہے اور عالم کے ہر گوشہ میں باشان وشکوہ یادگار منائی جاتی ہے۔ اس لئے آیئے ہم بھی اس واقعہ عظیم کی آیات مبینات سے اپنے قلوب کو گرمائیں۔ جان نثاری وفدا کاری کا درس لیں اور حسین ابن علیؑ کے نقش قدم پر چل کر اپنے آپ کو زندہ جاوید بنالیں۔

الٰہ العالمین!

شہداء کربلا کے تڑپتے ہوئے لاشوں اور خون کے بہتے ہوئے دھاروں کے صدقہ میں ہم سب کو جادہ مستقیم پر قائم فرما!

الٰہی! ہمیں اسوہ حسینی کے اتباع اور پیروی کی توفیق عنایت فرما!

ارحم الراحمین! ہماری باہمی اخوت اور برادری کو ایمان اور اسلام کے مضبوط رشتہ سے مستحکم فرما!

ہماری باہمی محبت والفت اور علم وعمل میں اپنی خصوصی رحمت شریک فرما!

ہمارے قلب ونظر کو قرآن وسنت کے انوار برکات سے منور فرما!

صحابہ کرام واہل بیت عظام کے ادب واحترام اور مخلصانہ عقیدت ومحبت کے

پاکیزہ جذبات سے صحت مندی عطا فرما!

امین یا رب العالمین

بحرمتہ

سید المرسلین ﷺ

دشت اسلام کے کانٹوں کو گلستاں کر دے
پھر ہمیں شیفتہء جلوہ ایماں کر دے
دل میں پیدا تپش بوذرؓ و سلمانؓ کر دے
اپنے محبوب ﷺ کی سوگند مسلماں کر دے
نقش اسلام ابھر آئے جلی ہو جائے
ہر مسلمان حسین ابن علیؑ ہو جائے

❁❁❁❁

منصب شہادت

شہادت آخری منزل ہے انسانی سعادت کی
وہ خوش قسمت ہیں مل جائے جنہیں دولت شہادت کی

قرآن عظیم نے جس بزرگ، انعام یافتہ اور رہنما طبقہ کا ذکر فرمایا ہے ان میں شہید کا تیسرا مقام ہے۔

انعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء و الصالحين و حسن اولٓئك رفيقا.

ترجمہ: جن پر حق تعالیٰ نے انعام فرمایا وہ نبی، صدیق، شہید اور نیک بخت ہیں اور اچھی ہے ان کی رفاقت۔

نبوت وصدیقیت کے بعد شرف ومجد کا آخری مقام شہادت ہے۔ شہید ہی وہ مخلص انسان ہے جو اعلائے کلمۃ الحق کے لئے اپنی عزیز جان تک قربان کر دیتا ہے۔ بلاشبہ وہ لوگ جو قوم و مذہب کی خدمت انجام دیتے ہوئے اپنی جان قربان کر دیتے ہیں ان کے لئے پوری قوم کی نگاہیں احترام سے جھک جاتی ہیں، ہر قوم میں ایسے شہداء اور ان کی یاد احترام کی مستحق سمجھی جاتی ہے۔ کیونکہ شہید کے خون ہی میں قوم کی حیات مضمر ہوتی ہے، لیکن اسلام میں شہید کے معنی اور اس کی یاد منانے کے معنی دوسری قوموں سے مختلف ہیں۔ شہید کو نبوت سے ایک خاص تعلق ہوتا ہے اور نبوت کے انوار اس میں سب سے زیادہ نمایاں ہوتے ہیں۔ نبی ﷺ کی نیند ناقض وضو نہیں ہوتی اور شہید کی موت غسل کو نہیں توڑتی اس لیے شہید کو غسل نہیں دیا جاتا۔ نبی ﷺ کے فضلات امت کے لئے طاہر اور پاک ہیں اور شہید کا خون بھی پاک ہے۔ نبی ﷺ وفات کے بعد زندہ ہوتا ہے اور اس کو رزق دیا جاتا

ہے۔ اسی طرح شہید بھی زندہ ہوتا ہے اس کو رزق دیا جاتا ہے۔ آئندہ صفحات میں ہم اس مسئلہ کو قرآن وحدیث اور تاریخ کے حوالے سے بیان کریں گے۔

شہادت کی روحانی عظمتوں اور اخروی رفعتوں کا اندازہ کرنے کے لئے صرف اتنی بات کافی ہے کہ خود نبوت اس مقام رفیع کی تمنا کرتی ہے اور اس نئے عنوان سے سرور کائنات ﷺ نے اپنی امت کو دعوت دی کہ وہ ہمیشہ کرامت وسعادت کے اس معراج کو حاصل کرنے کی امکانی کوشش کریں۔ چنانچہ سیدنا ابوھریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک بار سرور عالم ﷺ نے اپنے ساتھیوں کی محفل میں شہادت کی عظمت یوں ارشاد فرمائی۔

والذی نفسی بیده لوددت انی اقتل فی سبیل الله ثم اُحْیٰ ثم اقتل ثم احی ثم اقتل ثم احی ثم اقتل.

ترجمہ: قسم (اللہ کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے) مجھے یہ بات محبوب ہے کہ میں اللہ کی راہ میں جہاد کروں اور شہید کر دیا جاؤں پھر زندہ ہوں اور پھر قتل کر دیا جاؤں اور پھر زندہ ہوں اور پھر قتل کر دیا جاؤں پھر زندہ ہوں اور پھر شہید کر دیا جاؤں۔ (بخاری)

اللہ اکبر! اللہ اکبر!

ہر رتبہ کہ بود درا مکان بر وست ختم
ہر نعمتے کہ داشت خدا، شد بر و تمام

کی شان والے افضل الرسل ﷺ اور

آنکہ آمد نہ فلک معراج او
انبیاء و اولیاء محتاج او

کے تاج والے خاتم النبیین ﷺ کے یہ الفاظ شہادت کے بلند مقام کی کیا تفسیر فرما رہے ہیں۔

یوں قرآن وحدیث کے الہامی دفتر کے دفتر شہید اسلام کے فضائل ومناقب سے لبریز ہیں لیکن میں تبرکاً وتیمناً اپنے صحیفۂ اعمال کی درستی کے لئے مختصر مخصوص فضائل ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔ تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل۔

شہادت کی تڑپ

کوئی مغفور ومرحوم انسان جنت کے سدابہار باغوں میں قیام پذیر ہونے کے بعد اس رنج وغم اور دکھ درد بھری دنیا کو دوبارہ دیکھنے کا آرزومند نہ ہوگا۔ مگر شہید کہ وہ فردوسی ماحول میں بھی بارگاہ رب العزت میں عرض پرداز ہوگا، کہ الہ العالمین! میں دوبارہ دنیا میں بھیجا جاؤں تاکہ میں تیری راہ میں بار بار قتل کیا جاؤں اور ثواب جدید اور کرامات مزید حاصل کروں۔ چنانچہ سرور کائنات ﷺ نے شہید کی اس آرزوئے شہادت کو یوں بیان فرمایا ہے۔

ما من احد یدخل الجنه یحب ان یرجع الی الدنیا وله ما فی الارض من شیء الا الشهید یتمنی ان یرجع الی الدنیا فیقتل عشر مرّاتٍ لمّا یریٰ من الکرامة.

ترجمہ: کوئی انسان جنت میں داخل ہونے کے بعد دنیا میں دوبارہ آنے کی خواہش نہیں کرے گا، اگرچہ اسے ہفت اقلیم کی امید کیوں نہ ہو مگر شہید (جو شہادت کی بلندی اور اسکی اخروی عظمتوں کو آنکھوں سے دیکھ چکا ہے) تمنا اور آرزو کرے گا اے اللہ! مجھے دنیا میں پھر بھیج دیا جائے تاکہ دس مرتبہ شربت شہادت نوش کروں۔ (مسلم، ترمذی)

گناہوں کا تریاق

سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ تلوار شہید کی جملہ خطائیں مٹا دیتی ہے اور محشر میں اسے کامل اختیار ہوگا کہ جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو۔ (دارمی)

حضرت عبداللہؓ کی روایت میں ہے کہ جناب فخر کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شہادت گناہوں کا بہترین کفارہ ہے۔

القتل فی سبیل الله یکفر کل شئی الاالدین. (رواه مسلم)

ترجمہ: خدا کے راستہ میں شہید ہونا قرض کے علاوہ ہر گناہ کا کفارہ ہے۔

خوش نصیب آنکھیں

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا ہے کہ سید دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایسی دو آنکھیں نہایت خوش نصیب ہیں جنہیں نار جہنم ہرگز نہ چھو سکے گی۔

عین بکت من خشیته الله وعین باتت تحرس فی سبیل الله۔ (رواہ ترمذی)

ترجمہ: ایک وہ آنکھ جو اللہ تعالیٰ کی خشیت سے روئی اور ایک وہ آنکھ جو مجاہدین کی حفاظت میں جاگتی رہی۔

عزم نبوت

اگر تمام دنیا کے شہری اور دیہاتی میرے تابع ہو جائیں، پھر بھی مجھے خدا کے راستے میں شہید ہونا زیادہ پسند ہے۔

سبحان اللہ العظیم۔ نبوت کے اس اعلان سے شہادت کی رفعتوں کا اندازہ تو کیجئے۔

جنت کی دلنواز فضائیں

دل کو قرار روح کو آرام آگیا
موت آگئی یا یار کا پیغام آگیا

قرآن و حدیث کے تمام درخشندہ صفحات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے حساب کتاب سے پہلے کسی انسان کا جزائے اعمال کی غرض سے جنت میں داخلہ ممکن نہیں۔ سیدنا آدم علیہ السلام اور آپ کی رفیقہ حیات کا جنت میں قیام کرنا، یا حضرت ادریس اور فخر کائنات

محمد ﷺ کا جنت میں سیر کرنا جزائے عمل کی غرض سے نہ تھا۔ بیشک پاکیزہ اعمال و اخلاق والے انسانوں کے لئے قبر کا گڑھا جنت کے باغیچوں میں سے ایک پر کیف باغیچہ بنا دیا جاتا ہے۔ قبر میں ایک ایسی کھڑکی کھول دی جاتی ہے جہاں سے وہ نیک انسان جنت کی روح پرور ہواؤں سے لطف اندوز ہوتا ہے اور وہاں کے پر بہار مناظر سے کیف و سرور کی دولت پاتا ہے مگر جنت کی حدود میں داخل نہیں کیا جاتا۔ لیکن پوری کائنات میں صرف شہید ہی کی وہ مقدس ہستی ہے۔ جس کو دنیا کا دور ختم ہوتے ہی جنت الفردوس کی ابدی بہاریں نصیب ہو جاتی ہیں۔

فقیہ اسلام حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہوا۔ سلسلہ بیان جاری تھا اور حاضرین مہبط انوار الٰہیہ کی زبان فیض ترجمان سے حقائق و معارف سن سن کر مسرور و محظوظ ہو رہے تھے، معلم کائنات (فداہ ابی و امی) کو اپنی طرف ملتفت پا کر گذارش کی یارسول اللہ ﷺ! شہداء کے متعلق قرآن مجید نے اعلان فرمایا ہے:

کہ انہیں مردہ نہ سمجھو اور نہ ہی مردہ کہو، وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں، ان کو باقاعدہ خوراک ملتی ہے اور وہ حق تعالیٰ کی ان بندہ نوازیوں سے بیحد خوش و خرم ہیں۔ آپ ﷺ شہداء کی اس زندگی اور روزی کی مفصل اور مکمل کیفیت بیان فرمائیں تاکہ ہم ایک نئی زندگی کے حالات سے آگاہ ہوں۔ علیم و خبیر اور دانا و بینا رسول ﷺ نے حضرت ابن مسعودؓ کے جواب میں ارشاد فرمایا:۔

ان ارواحھم فی جوف طیر خضر لھا قنادیل معلقة بالعرش تسرح من الجنة حیث شاء ت ثم تاوی الیٰ تلک القنادیل فاطلع الیھم ربنا اطلاعةً فقال ھل تشتھون شیئاً قالو ای شیء نشتھی و نحن نسرح من الجنة حیث شئنا ففعل ذلک بھم ثلث مرات فلما راو انھم لن یترکو

من ان یسئلو قالو یا رب نرید ان ترد ارواحنا فی اجسادنا حتی نقتل فی سبیلك.

ترجمہ: بیشک شہیدوں کی روحیں سبز چڑیوں کے پیٹ میں ہیں۔ پایہ عرش میں ان کے لیے سونے کی قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں بہشت کے ہر گوشہ میں جہاں چاہتی ہیں سیر کرتی ہیں۔ جنت کی ہوا میں پرواز کرتی۔ طوبیٰ کی ٹہنیوں پر آشیانہ بناتی اور جنت کی نہروں کا پانی اور پھل کھاتی پھرتی ہیں اور استراحت کے وقت وہی قندیلیں انکی خوابگاہ ہیں، ان کے رب نے نظر عنایت سے دیکھا اور محبت بھرے لہجہ میں ان سے فرمایا شہیدو! میری جنت میں کسی ایسی نعمت کی کمی ہے، جس کی تمھیں خواہش ہوتا کہ مہیا کی جائے۔ شہید عرض کریں گے یا خدایا! تیری بینظیر نعمتوں والی بہشت میں کس چیز کی کمی ہے جس کی ہم کو خواہش ہو یہاں تو وہ کچھ ہے، جس کا ہم کبھی تصور بھی نہیں کر سکتے تھے ہم تو آزادی سے جنت کے ہر گوشہ اور ہر چیز سے ہر وقت نشاط اندوز ہوتے ہیں۔ تین بار یہی سوال ہوتا رہے گا۔ آخر کار شہید یہ انوکھا مطالبہ کریں گے کہ ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں دوبارہ داخل کیا جائے اور ہمیں یہ زریں موقعہ دیا جائے کہ ایک بار پھر تری راہ میں قتل کئے جائیں اور ہمارے جسموں کو پاش پاش کر کے خاک و خون میں ملا دیا جائے۔ جواب ہوگا کہ حکم ازلی یوں ہی نافذ ہے کہ جو لوگ یہاں آئے ہیں پھر دنیا کی طرف رجوع کرنے سے باز رہیں گے۔

مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ:

۱- روح ایک ابدی حقیقت ہے، جسم کی طرح اس کے لئے فنا اور موت نہیں۔

۲- شہید اس عالم آب و گل سے الگ ہوتے ہی بہشت بریں کی قدسی فضاؤں میں

پہنچ جاتے ہیں۔ بڑے عالی درجات اور مقامات پر فائز ہوتے ہیں۔

۳- ان کو ایک خاص قسم کی زندگی عطا ہوتی ہے۔

۴- پروردگار عالم کا ممتاز قرب نصیب ہوتا ہے۔

۵- زندوں کی طرح جنت کی نفیس اور غیر فانی نعمتیں کھاتے پیتے ہیں۔

۶- جس طرح ہم ہوائی جہازوں اور راکٹوں میں بیٹھ کر کرۂ ارض کے گوشہ گوشہ کی سیاحت کرتے ہیں۔ شہداء کی پاکیزہ روح سبز چڑیوں کے شکموں میں داخل ہو کر جنت الفردوس کی فضاؤں میں پرواز کرتی ہیں۔

مقام حیرت:

ان سبز پرندوں کی صحیح حقیقت اور کیفیت حق سبحانہ وتعالیٰ اور برگزیدہ وپسندیدہ محبوب ذی شان ہی جانتا ہے جو چیز ہمارے قلب پر نہیں گذری، جس منظر کو ہم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا اس کی شرح نے توضیح وتفصیل کیونکر ممکن ہے۔ سچ ہے۔

حدیث از مطرب و می گو و راز دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بہ حکمت ایں معمارا

السابقون الاولون

سرور کائنات ﷺ نے ان تین نیک بخت انسانوں کو مشاہدہ فرمایا جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہونگے ارشاد فرمایا:۔

عرض علی اول ثلثۃ یدخلون الجنته شهید و عفیف متعفف وعبد احسن عبادة لله و نصح لمواليه.

ترجمہ: پیش کئے گئے مجھ پر وہ تین انسان جو سب سے پہلے جنت میں داخل کئے جائیں گے۔ شہید فی سبیل اللہ۔ حرام کاری اور بھیک سے بچنے

والا پرہیزگار اور خدا کا فرماں بردار اور دوستوں کو اچھی نصیحت کرنے والا نیک بندہ۔(رواہ الترمذی)

چھ عظیم سعادتیں

جن نفوس قدسیہ کو رب العزت کی بارگاہ سے دولت شہادت عنایت ہوتی ہے ان کو چھ ایسی عظیم نعمتوں اور کرامتوں سے نوازا جاتا ہے جو انہی کا حصہ ہے اور کوئی انسان اس سعادت میں ان کا شریک و سہیم نہیں۔ارشاد نبوی ہے:۔

للشهيد عندالله ست خصال يغفر فى اول دفعته ويرٰى مقعده من الجنة ويجارمن عذاب القبر و يامن من الفزع الاكبرو يوضع علٰى راسه تاج الوقار الياقوته منها خير من الدنيا وما فيها و يزوج ثنتين و سبعين زوجة من الحور العين و يشفع فى سبعين من اقربائه.

ترجمہ: خدا کی بارگاہ میں شہید کی لئے چھ خصوصیتیں ہیں۔

۱-خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی اس کو بخش دیا جاتا ہے اور اس کو جنتی مقام زندگی میں دکھا دیا جاتا ہے۔

۲-اس کو عذاب قبر نہیں ہوگا۔

۳-قیامت کی گھبراہٹ سے محفوظ رہے گا۔

۴-اس کے سر پر عزت کا ایسا مرصّع تاج رکھا جائے گا جس کا ایک یاقوت ہفت اقلیم کی دولت سے گراں بہا ہوگا۔

۵-اعلیٰ قسم کی بہتر حوروں سے اس کا نکاح ہوگا۔

۶-شہید کی شفاعت اس کے اہل بیت کے ستر آدمیوں کے حق میں مقبول ہوگی۔

دو بیش بہا قطرے

سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں دو حقیر قطروں اور دو معمولی زخموں سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں۔

ليس شىء احب الى الله من قطرتين و اما واثرين قطرة دموع من خشية الله و قطرة دم يهراق فى سبيل الله و اما الاثران فاثر فى سبيل الله و اثرفى فريضة من فرائض الله. (مشکوٰۃ)

ترجمہ: حق تعالیٰ کے نزدیک دو قطروں اور دو نشانوں سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہیں۔ایک آنسوؤں کا وہ قطرہ جو خوف خداوندی سے بہے اور ایک قطرہ خون کا جو جہاد فی سبیل اللہ میں گرے اور دو نشان۔سو ایک نشان جہاد فی سبیل اللہ کا (کہ کوئی زخم لگے یا کوئی عضو ٹوٹ جائے) اور ایک وہ نشان جو اللہ تعالیٰ کے فرائض میں کسی فریضہ کی ادائیگی سے پیدا ہو۔جیسے سردیوں میں وضو سے ہاتھ پیر کا پھٹ جانا یا روزہ دار کے منہ میں بدبو کا ہونا۔

زخموں کی لذت

ایک دیکھنے والی آنکھ ظلم و ستم کے اس دلخراش منظر کو دیکھتی ہے تو اشک بار ہو جاتی ہے کہ ایک انسان کلمہ حق کے جرم میں انتہائی بے دردی سے قتل کیا جاتا ہے۔اس کے بدن کے پرزے پرزے کر دیے جاتے ہیں۔گھوڑے کے سموں سے اس کو ذلیل اور پامال کیا جاتا ہے اور پھر اس کی نعش کو جلا کر خاکستر ہوا میں اڑا دی جاتی ہے۔اللہ کے راستہ میں قتل ہو جانے والے شہید کے متعلق ہر ذی فہم انسان یہی گمان کرتا ہے کہ اس کو انتہائی دکھ اور تکلیف

ہوئی ہے۔لیکن حضرت ابوھریرہؓ سرور دو عالم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بیان کرتے ہیں کہ شہید کی اس پامالی میں بھی عزت ہے اور ان عظیم ترین تکالیف میں بھی اس کے لئے راحت کا سامان موجود ہے۔

الشهيد لا يجد الم القتل الا كما يجد احدكم الم القرصة. (رواہ الترمذی والنسائی والدارمی)

ترجمہ: شہید کو قتل کی تکلیف ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے تم سے کسی کو چیونٹی نے کاٹ لیا ہو۔

انبیاء علیہم السلام کی حیات جاودانی

انسان جسم اور روح کا مجموعہ ہے جسم ایک مادی شے ہے۔اس کے تمام اجزاء عالم خلق سے تعلق رکھتے ہیں۔جسم میں کوئی خرابی یا نقص واقع ہو جائے تو اس کی اصلاح اور درستی کا سامان بھی قدرت نے اسی جہان کی اشیاء میں رکھا ہے، قرآن مجید نے عام خلق کی ہر چیز کو فانی قرار دیا ہے۔اس لئے لامحالہ جسم انسانی کسی نہ کسی دن ضرور فنا اور معدوم ہوگا۔روح ایک امر ربی ہے۔اور لطیف اور غیر مادی شے ہے اور سراسر اس کا تعلق عالم بالا سے ہے۔ اس میں نہ تو کسی مادی چیز کا دخل ہے اور نہ ہی اپنے وجود میں کسی مادی چیز کا محتاج، وجود میں آنے کے بعد اس کے لیے موت یا فنا نہیں۔قرآن وحدیث میں جسم پر موت واقع ہو جانے کے بعد بھی روح انسانی کے لئے بقا اور دوام ثابت ہے۔اس میں نیک و بد اور مسلم و کافر کی کوئی تخصیص نہیں رکھی گئی، روح چونکہ عالم بالا کی ایک نورانی اور روحانی حقیقت ہے، اس لئے اس کے تزکیہ اور تکمیل کے لئے بھی عالم بالا ہی سے ایک نسخہ شفا اتارا گیا ہے۔

چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔**و ننزل من القرأن ما هو شفاءٌ و رحمة للمومنين۔**

اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کے لئے شفا اور رحمت ہے۔جو انسان بھی اس نسخہ شفا کو استعمال کرے گا وہ تمام قلبی اور روحانی امراض سے نجات پا

کر خدا تعالیٰ کی خصوصی رحمتوں اور ظاہری و باطنی نعمتوں سے بہرہ ور ہوگا۔بلکہ بسا اوقات اس مبارک تاثیر سے جسمانی شفا بھی حاصل کی جاتی ہے۔پروردگار عالم نے روح کے امر ربی اور نورانی ہونے کا اعلان ان غیر فانی الفاظ میں فرمایا ہے: **ويسئلونك عن الروح قل الروح من امر ربی۔** اور تجھ سے پوچھتے ہیں روح کے بارے میں تو کہہ دے روح میرے رب کے حکم سے ہے۔

لیکن وہ پاکیزہ اجسام جو خدا کے حکم کو وظیفہ حیات سمجھتے ہیں اور ان کی پوری زندگی منشاء خداوندی کے ساتھ ان کی خصوصی وابستگی اور مناسبت کی وجہ سے انکی ذاتی حیثیات، مادی خصوصیات اور جنسی اثرات بالکل فنا ہو جاتی ہیں اور اس طرح وہ اجسام بھی سراسر روحانی اور نورانی بن جاتے ہیں۔جیسے لکڑی اور لوہا دیر تک آگ میں رہیں تو ان کی اپنی خصوصیت کالعدم اور ذاتی حیثیت نابود ہو جاتی ہے اور وہ آگ کے اثرات کو بالکلیہ قبول کر کے خود آگ بن جاتے ہیں۔اور آخر کار آگ کے اثرات کا ان کے وجود سے ظہور ہوتا ہے۔چنانچہ اس حدیث قدسی میں بھی اسی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ جب خدائی صفات بندہ کی ذات میں جلوہ فگن ہو جاتے ہیں تو اسکی پوری زندگی کمالات الھیہ کا مظہر بن جاتی ہے۔تو وہ جب کسی چیز کو دیکھتا ہے تو خدا کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور سنتا ہے تو خدا کے کانوں سے سنتا ہے اور جب بولتا ہے تو خدا کی آواز اس کے گلے سے نکلتی ہے۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

حدیث قدسی کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

لازال عبدی يتقرب الی بالنوافل حتی احببته كنت سمعه الذی يسمع به بصره الذی يبصر به و يده الذی يبطش بها و رجله التی يمشی بما ولسانه الذی يتكلم به ولئن سألنی لا عطينه ولئن استعاذنی لاعيذ به. (بخاری)

اور جن کو اوامر خداوندی کے ساتھ ایک مخصوص وابستگی اور تعلق خاطر ہوتا ہے، کائنات ارضی میں مشیت ایزدی کی متحرک تصویریں اور از سرتا پا مجسمہ ایثار اور بندہ نیاز ہوتے ہیں، اس وجہ سے ان کی مادیت اور بشریت بالکل فنا ہو جاتی ہے، جسم میں کوئی مادی اور کثیف اثر نہ رہنے کی وجہ سے ان کے اجسام سراسر روحانی اور نورانی بن جاتے ہیں۔ درحقیقت یہ نبوت کی عظیم روح کا کمال ہے کہ اس نے جس جسم کو اپنا مسکن و مستقر بنایا تھا، اس کو بھی اپنی تاثیر اور کمال سے روحانی اور نورانی بنا دیا۔

انبیاء علیہم السلام کے اجسام مطہرہ چونکہ مادی کثافتوں اور تاریکیوں سے بالکل پاک اور صاف ہوتے ہیں۔ اور تعمیل اوامر خداوندی، غیر معمولی قربانی اور مافوق العادت ایثار کی وجہ سے یکسر نورانی بن گئے ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کے پاکیزہ اجسام کو بھی روح پر فتوح کی طرح ہمیشگی اور حیات جاودانی کی لازوال دولت سے سرفراز فرما دیا جاتا ہے۔ ان کی وفات اور حیات دنیوی میں کوئی نمایاں فرق نہیں ہوتا۔ بلکہ موت کے بعد دنیوی علائق اور ظاہری موانع مفقود اور مرتفع ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ان کی وفات حیات جاودانی بن جاتی ہے۔ بلکہ دنیوی زندگی سے زیادہ حیات کے اثرات ان میں پائے جاتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی حیات بعد الممات حقیقی جسمانی ہوتی ہے۔ اور وہ اس حیات میں شہداء سے ممتاز ہوتے ہیں اور ان میں زندگی کے جملہ اثرات شہداء سے زیادہ نمایاں ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شہداء کا مال و متاع دنیا سے رخصت ہونے کے بعد تقسیم ہو جاتا ہے اور ان کی ازواج کو بعد عدت معروفہ جدید نکاح کی شرعاً اجازت ہوتی ہے، مگر انبیاء علیہم السلام کا نہ اثاثہ تقسیم کیا جاتا ہے اور نہ ان کی ازواج مطہرات سے نکاح جائز ہے۔ شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حیات انبیاء کے حیات جسمانی حقیقی دنیوی کے متعلق اجماع نقل فرمایا ہے ان کے اپنے الفاظ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں یوں منقول ہیں۔

حیات انبیاء علیہم السلام متفق علیہ است۔ ہیچ کس را در وخلافے نیست۔
حیات جسمانی دنیاوی حقیقی نہ حیات معنوی روحانی۔

حضرت ملا قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقات میں حیات انبیاء علیہم السلام پر ایک مبسوط تبصرہ کیا ہے اور بحث کے آخر میں فرماتے ہیں۔

قال ابن حجر ومماافاده من ثبوت حیات الانبیاء علیهم السلام حیات بها یتعبدون و یصلون فی قبورهم مع استغناء هم من الطعام والشراب کا الملائکة

ترجمہ: علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات پر سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ اپنی قبروں میں عبادت کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور کھانے پینے سے اس طرح بے نیاز ہیں جس طرح فرشتے۔ وہ زندہ ہیں مگر کھانے پینے کی احتیاج نہیں رکھتے۔

فائدہ: آخر تاریخ عالم کا یہ بھی ایک نا قابل تردید واقعہ ہے کہ سردار دو عالم ﷺ کی دنیاوی زندگی میں بھی یہ شان رہا کرتی تھی۔

یبیت جائعاً ویصبح طاعماً (مواہب اللدنیہ)

آپ بھوکے رات بسر کرتے تھے اور سیری کی حالت میں صبح فرماتے تھے۔

اور بخاری شریف کی ایک حدیث میں اس سیری کی وجہ بھی فرما دی گئی ہے۔

ابیت عند ربی یطعمنی و یسقینی. (بخاری)

ترجمہ: میں اپنے رب کے ہاں رات بسر کرتا ہوں جو مجھے کھانا کھلاتا ہے اور پانی پلاتا ہے۔

الغرض قرآن وحدیث کی الہامی شہادتوں سے ثابت اور محقق ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام بعد اذاقت موت عالم برزخ میں حیات دنیوی کے ساتھ زندہ ہیں۔ ان کو رزق دیا جاتا ہے اور اپنے اپنے ذوق کے مطابق اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں۔ قول مختار و مقرر جمہور علمائے سلف یہی ہے۔

الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون. (بیہقی)

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

اتیت موسیٰ لیلة اسری بی عند الکثیب الاحمر وهو قائم یصلی فی قبره. (بخاری)

ترجمہ: سید عالم ﷺ کا گزر شب معراج حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر پر ہوا آپ اپنی قبر میں لال ٹیلے کے قریب نماز ادا فرما رہے تھے۔

ان اللّٰه حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء و نبی اللّٰه حی یرزق. (مشکوٰۃ)

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے جسموں کا کھانا حرام کر دیا ہے سو اللہ کا ہر نبی زندہ ہے۔ ان کو رزق دیا جاتا ہے۔

ان ارشادات نبوت سے بھی اس حقیقت کبریٰ کا اثبات ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں اپنے اپنے پاکیزہ جسموں کے ساتھ زندہ و تابندہ ہیں۔

چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ولا یمتنع رویة ذات النبی ﷺ بروحه وجسده وذلک لانه و سائر الانبیاء احیاء ردت الیهم ارواجهم بعد ما قبضوا واذن لهم فی الخروج من قبورهم والتصرف فی الملکوت العلوی والسفلی ولا مانع من ان یراه کثیرون فی وقت واحد لانه کالشمس.

ترجمہ: کہ جناب رسول خدا کا جسم اور روح کے ساتھ بیداری میں دیکھنا ہو سکتا ہے کیونکہ آپ اور سب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام قبروں میں زندہ ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملکوت علوی وسفلی میں تصرف کی اجازت ہے اور کوئی استبعاد اور ممانعت نہیں کہ بیک وقت بہت سے لوگ آپ کی ملاقات سے مشرف ہو جائیں جیسے کہ سورج دنیا بھر کے

لوگ بیک وقت دیکھ سکتے ہیں۔

حضرت امام شاہ ولی اللہ صاحب فیوض الحرمین کے مشاہدہ نہم میں فرماتے ہیں اور میں نے دیکھا آنحضرت ﷺ کو اکثر امور میں ایسی صورت مقدس میں جس میں آپ تھے بار بار...... اور یہی بات ہے جو آپ نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام نہیں مرتے اور نماز پڑھا کرتے ہیں اپنی اپنی قبروں میں اور انبیاء حج کرتے ہیں اپنی اپنی قبروں میں اور وہ زندہ ہیں

علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

ان موت الانبیاء علیهم السلام انما هوراجع الیٰ ان یغیبوا عنا بحیث لا تدرکهم وان کانو موجودین احیاء.

ترجمہ: یعنی نبیوں کی موت یہ ہے کہ وہ ہم سے پوشیدہ ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ وہ زندہ موجود ہوتے ہیں...... مگر ہم...... ان کا ادراک نہیں کر سکتے۔

(انبیاء الاذکیا)

علامہ سمہودی نے وفاء الوفاء میں پوری سند سے ذکر کیا ہے کہ حضرت شیخ قطب الاقطاب احمد رفاعی کبیر رحمۃ اللہ علیہ جب مدینہ طیبہ پہنچے اور بارگاہ ملائک پناہ میں سلام کے لئے حاضر ہوئے اور خاندان اہل بیت میں ممتاز شرف سے مشرف ہونے کے باعث عرض کیا:

السلام علیکم یا جدی......!

سرور کیف کی آرزو میں کان لگا کر جواب سننے لگے۔ حظیرہ القدس سے ایک دلآویز آواز سامعہ نواز ہوئی وعلیکم السلام یا ولدی! حضرت شیخ قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ ایمان افروز کیف ریز آواز سے فرط محبت میں بیخود ہو گئے اور بارگاہ حضور میں عرض پرداز ہوئے۔

في حالة البعد روحي كنت ارسلها
تقبل الارض عني وهي نائبتي
فهذه دولة الاشباح قد حضرت
فامدد يمينك كى تحظىٰ بها شفتي

ترجمہ: میں غیر حاضری میں بارگاہ رسالت میں زمین بوسی کے لئے اپنی روح کو بھیجا کرتا تھا، بار الٰہ! آج مجھے حاضر ہونے کی شرافت ملی، از روئے لطف و عنایت اپنا ہاتھ بڑھایئے تا کہ میرے تشنہ لب آب کوثر سے سیراب ہو سکیں۔

بارگاہِ پرانوار سے ایک حسین و جمیل ہاتھ ظاہر ہوا، تمام مسجد جگمگا اٹھی حضرت نبی اکرم نورِ مجسم ﷺ کے نور سے سورج بھی ماند ہو گیا۔ اس وقت نوے ہزار آدمیوں کا مجمع تھا جس میں بڑے بڑے قطب اور غوث اور ابدال بھی موجود تھے، سب ہوش کھو بیٹھے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ آگے بڑھے اور دست ہمایونی کو بوسہ دیا اور بیخود ہو گئے۔ اللہ اکبر! حضرت شیخ کے چشم و گوش نے لطف دیدار اور ذوق سماع کی وہ غیر فانی دولت پائی کہ جس کا اظہار خود شیخ کی زبان بھی نہیں کر سکتی۔

قرآن و حدیث اور تاریخ عالم کی روشنی میں چند حق پاش اور روح پرور واقعات سنیئے اور اپنی روحانیت اور ایمان کو تازگی بخشئے۔

(۱) قال بل لبثت مائته عام فانظر الیٰ طعامك و شرابك لم يتسنة. (البقرہ)

ترجمہ: فرمایا نہیں بلکہ تو رہا سو برس اب دیکھ اپنا کھانا اور پینا جو خراب تک نہیں ہوا۔

قرآن عظیم کی ان آیات بینات حضرت عزیر علیہ السلام کی زندگی کا ایک عجیب و غریب واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ آپ پیغمبر تھے۔ پوری تورات آپ کو یاد تھی۔ بیت المقدس کے قریب سے گذرے دیکھا کہ شہر ویران اور اجڑ چکا ہے۔ کھنڈرات کا خوفناک منظر دیکھ کر حیرت و استعجاب سے پکار اٹھے:

انی یحی هذه الله بعد موتها.

کیونکر زندہ کرے گا اس کو اللہ مرنے کے بعد۔

آپ دراز گوش پر سوار تھے، اس کو درخت سے باندھا کھجوروں کا تھیلا اور انگوروں
کے رس کا پیالہ اپنے قریب رکھ کر درخت کے نیچے لیٹ گئے، اسی عالم میں آپ کی روح
قبض فرمائی گئی اور آپ کا گدھا بھی مرگیا۔ اس کے بعد دنیا میں کئی انقلاب آئے۔ ویران
بستیاں آباد ہوگئیں۔ پررونق شہر بے آباد کھنڈروں میں تبدیل ہوگئے۔

بنی اسرائیل کی قسمت نے بھی یاوری کی، وہ بھی غلامی کے جہنم سے نکل کر آزادی
کے خلدزاروں میں پہنچ گئے۔ لیکن آپ اسی حال میں رہے۔ نہ ہی کسی گزرنے والے کی نگاہ
آپ پر پڑی اور نہ ہی کسی نے آپ کی تلاش کی۔ ایک سو سال کی لمبی مدت کے بعد آپ کو
زندہ کیا گیا۔ پروردگار عالم کی طرف سے سوال کیا گیا۔ اے عزیر! کتنا عرصہ یہاں قیام پذیر
رہے؟ عرض کیا: الٰہ العالمین! اگر میں یہاں کل آیا تھا تو ایک دن ہوا، اگر آج آیا تو اس سے
بھی کم ٹھہرا۔ پروردگارِ عالم نے فرمایا: یوں نہیں بلکہ تم پورے سو سال یہاں ٹھہرے۔ اب
میری قدرت کا کرشمہ دیکھو کہ کھانے کی کھجوروں اور پینے کا رس خراب تک نہیں ہوا۔

جس کا حافظ ہو خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون

عزیزان گرامی! حضرت عزیز علیہ السلام کا جسم اطہر سو سال تک زمین پر پڑا رہا۔ مگر اس
طویل عرصے میں آپ کے وجود اقدس پر کسی قسم کا کوئی اثر نہ ہوا۔ نہ زمین نے اور نہ ہی کسی
جانور نے آپ کے جسم اطہر کو کوئی نقصان پہنچایا۔ بلکہ وہ دنیوی کھانا جو ایک نبی کے جسم پاک
کا جز بننے والا تھا وہ بھی صحیح وسالم رہا۔ اور اس میں بھی کوئی ادنیٰ سا تغیر نہ ہوا۔

شہنشاہِ عالم حضرت سلیمان علیہ السلام مسجد اقصیٰ جنوں سے تعمیر کرا رہے تھے۔ خداوند
عالم کی طرف سے پیغام پہنچا کہ تمہاری حیات دنیوی پوری ہوچکی ہے۔ اب کیا ارادہ ہے؟
اسی دنیا میں رہنے کا یا عالم بالا کا؟ آپ نے عالم بالا کی بہاروں کو پسند فرماتے ہوئے دعا
کی۔ الٰہی میری موت اس وقت تک جنوں سے پوشیدہ رکھی جائے جب تک مسجد اقصیٰ کی
عمارت مکمل نہیں ہوجاتی۔

آپ نے عمارت کا نقشہ بنا کر جنوں کے سپرد کیا اور خود ایک شیشہ کے مکان میں

عبادت الٰہی میں مشغول ہوگئے۔ ملک الموت نے اسی حالت میں آپ کی روح قبض کر لی
اور آپ اپنے عصا پر تکیہ لگائے کھڑے رہے۔ جن بدستور پورے انہماک اور محنت سے مسجد
کی تعمیر میں مصروف رہے۔ اس عرصہ میں آپ کے جسم اقدس پر کوئی ایسا اثر نمودار نہ ہوا جس
سے کسی کو آپ کی وفات کا احساس ہوسکتا۔ حتیٰ کہ جنات جن کو غیب دانی کا دعویٰ تھا۔ وہ بھی
آپ کو زندہ ہی سمجھتے رہے اور اپنے اپنے کام میں سرمو فرق نہ لائے۔ تا آنکہ مسجد کی تعمیر مکمل
ہوگئی۔ بحکم خداوندی دیمک نے آپ کا وہ عصا جس کے سہارے آپ کھڑے تھے کھالیا۔
جس سے آپ کا جسم مبارک زمین پر آگیا۔ اس وقت آپ کی وفات کا حال سب کو معلوم
ہوا۔ قرآن عظیم نے اس عجوبہ روزگار داستان کو یوں بیان فرمایا ہے۔

فلما قضینا علیه الموت ما دلهم علیٰ موته الا دآبة
الارض تاکل منساته فلما خر تبینت الجن ان لو کانوا
یعلمون الغیب ما لبثوا فی العذاب المهین. (السباء)

ترجمہ: پھر جب ہم نے اس پر موت کا حکم بھیجا جنوں کو اسکی موت نہ بتلائی۔
مگر زمین کی دیمک اس کا عصا کھاتی تھی۔ پھر جب سلیمان زمین
پر آیا تو جنوں پر حقیقت کھل گئی۔ اگر غیب جانتے ہوتے تو اس خواری
کے عذاب میں گرفتار نہ ہوتے۔

برادران عزیز! مقام غور ہے کہ دیمک کے کیڑے کے سامنے دو چیزیں تھیں۔
ایک خشک لکڑی اور دوسرا گوشت پوست کا نرم ونازک انسانی مجسمہ۔ عقل کا فتویٰ یہی تھا اور
اب بھی ہے کہ دیمک کا کیڑا اس شاداب اور تروتازہ جسم انسانی کو اپنی خوراک بنائے جو
اس کے سامنے ہے مگر واقعہ یہ ہے۔ اور قرآن عظیم اس کو پکار پکار کر بیان کر رہا ہے کہ کیڑے
نے خشک لکڑی کو اپنا لقمہ بنایا اور وہ اس نرم ونازک جسم اقدس کی گستاخی کی جرات نہ کرسکا۔
قرآن عظیم نے اس واقعہ کو کائنات انسانی کے سامنے اس لئے پیش کیا کہ حضرت انسان اس
سے عبرت اور بصیرت حاصل کرے اور بالیقین جان لے کہ قدرت وعظمت والے خداوند

عالم کے نبیوں اور رسولوں (علیہم السلام) کے پاکیزہ اجسام ہمیشہ ہمیشہ سلامت رہتے ہیں اور دنیا کی کسی چیز کو ان کے جسموں سے بے ادبی کرنے کی طاقت نہیں۔

مردِ حق آگاہ حضرت علی مرتضیٰؓ سے روایت ہے کہ حضور سید یوم النشور ﷺ نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ جب موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو مصر سے ہجرت کا حکم ہوا اور آپ بنی اسرائیل کا جم غفیر لیکر بحیرہ قلزم کے کنارے پہنچے تو خدائے عزوجل نے سواری کے جانوروں کے منہ دریا سے پھیر دیئے۔ جانور دریا سے الٹے قدم واپس لوٹ آئے۔ کلیم اللہ علیہم السلام بارگاہ عظمت میں عرض پرداز ہوئے۔ الٰہی! یہ کیا معاملہ ہے۔ تیرے ارشاد گرامی کے مطابق ہم ارض مقدسہ کی طرف ہجرت کر رہے ہیں۔ لیکن ہمارے مطیع جانوروں نے یکا یک بغاوت کیوں کر دی۔ ارشاد ہوا: کلیم اللہ! تم اس وقت الکریم ابن الکریم یوسف صفی اللہ کے مزار کے قریب ہو اور ہمارے یوسف صفی اللہ (علیہ السلام) نے بنی اسرائیل کو وصیت کی تھی اور ان سے پختہ عہد لیا تھا کہ جب تم مصر سے ارض مقدسہ کی طرف مراجعت کرو تو میری نعش ساتھ لیتے جانا اور مجھے میرے بزرگوں کے جوار رحمت میں دفن کر دینا۔ اے کلیم اللہ! جب تک تم اپنے ہمراہ یوسف نبی اللہ کو لیکر نہ جاؤ گے نہ دریا تمہیں راستہ دے گا اور نہ جانور تمہاری اطاعت کریں گے۔ موسیٰ کلیم اللہ (علیہ السلام) نے بعد تلاش بسیار دریائے نیل کے وسط میں سے سنگ مرمر کا تابوت نکالا۔ نعش صحیح سالم تھی اور فردوسی خوشبوؤں نے حاضرین کے دل و دماغ کو معطر کر رکھا تھا۔ (طبرانی)

فائدہ: حضرت موسیٰ کلیم اللہ اور حضرت یوسف صفی اللہ (علیہم السلام) کے درمیان چار سو سال کا طویل زمانہ حائل ہے۔ ان چار سو سال کے زمانہ میں سید یوسف علیہ السلام قبر میں رونق افروز رہے لیکن آپ کا وہ پیکر نور بالکل محفوظ رہا۔ مٹی اور دیگر حشرات الارض نے اس میں قطعاً کوئی اثر نہ کیا بلکہ وہ صندوق میں جوں کا توں رہا۔ جس میں وہ پیکر قدسی محو استراحت تھا۔

خلفاء راشدین کا عدل گستر عہد زریں ہے۔ مسند خلافت پر امیر المومنین سیدنا فاروقِ اعظمؓ جلوہ فگن ہیں۔ توحید و رسالت کے نشہ سے سرشار اسلامی فوجیں بحر و بر سے

خراج عقیدت وصول کر رہی ہیں۔ مسلمانوں کا ایک لشکر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی قیادت میں شہر سوس فتح کرتا ہے۔ اسلامی لشکر فاتحانہ انداز میں شہر کے اندر داخل ہوتا ہے۔ بے بہا اور گراں بہا مال غنیمت کے علاوہ انہیں کائنات سے عزیز ترین یہ گوہر نایاب بھی دستیاب ہوتا ہے کہ ایک بیش قیمت ٹب میں حضرت دانیال علیہ السلام آرام فرما ہیں اور ان کے قریب دولت کا ایک انبار لگا ہوا ہے اور ایک پتھر کی تختی پر یہ الفاظ کندہ ہیں کہ ”اس مال سے کسی حاجت مند کو جس قدر ضرورت ہو وہ لے سکتا ہے۔ مگر ضرورت پوری ہونے پر یہ قرض واپس کرنا ہوگا!“ اور جو شخص یہ قرض لی ہوئی رقم واپس نہ کرتا کوڑھی ہو جاتا۔

مسلمان سپہ سالار نے اس نادر روزگار واقعہ سے دربار خلافت کو آگاہ کیا اور ہدایات طلب کیں کہ اس پیکر قدسی اور مال کا کیا انتظام و انصرام کیا جائے۔ فاروقی دربار خلافت سے حکم جاری ہوا کہ ”خزانہ بیت المال میں جمع کر دیا جائے اور اس جسد اطہر کو صلوٰت وسلام کی فضا میں خاک کے اندر پوشیدہ کر دیا جوئے،

فیا للعجب! حضرت دانیال علیہ السلام حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام سے تقریباً سات سو سال پہلے دنیا میں مبعوث ہوئے اور فاروقی دور خلافت تک چودہ سو سال کا عرصہ ہو چکا تھا، مگر بایں ہمہ حق سبحانہ کے ایک نبی کا جسم اقدس اسی فضا میں رہتا ہے اور چودہ سو سال کے لیل ونہار اس میں ادنیٰ تغیر پیدا نہیں کرتے۔ بلکہ یہ پیکر اعجاز جس کپڑے میں لپٹا ہوا تھا وہ بھی صحیح و سالم رہا اور اس میں بھی کوئی تبدیلی پیدا نہ ہوئی۔

(کتاب الاموال ابو عبید ثقفی م ۲۲۴ھ)

فاعتبروا یا اولو الابصار! قرآن وحدیث اور تاریخ کی اس غیر فانی شہادت سے صبح کے تارے کی طرح یہ حقیقت نکھر گئی کہ انبیاء علیہم السلام کے پاکیزہ اجسام روح کی طرح غیر فانی اور ابدی ہیں، جن کے لئے فنا اور عدم نہیں اور زمانہ کے گوناگوں انقلاب ان کے اجسام مطہرہ پر اثر انداز نہیں ہو سکے۔

وما ذٰلك على الله العزيز.

....

شہداء کی ابدی حیات

کسی کہنے والے نے کیا ہی اچھا کہا ہے:

شہید اس دارفانی میں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں
زمین پر چاند تاروں کی طرح تابندہ رہتے ہیں

انبیاء علیہم السلام کی حیات جاودانی کے بعد بزرگی کا یہ برتر مقام شہداء کے لئے محقق و ثابت ہے۔ جب شہداء انبیاء علیہم السلام کی طرح خداوند عالم کے حضور میں اس کے حکم پر جان دینے کو حاضر ہوتے ہیں اور تھوڑے سے عرصہ کے لئے اپنی پوری زندگی کو امر ربی کے حوالے کر دیتے ہیں۔ دل، دماغ، جسم اور جان کے ساتھ اپنی پوری کائنات سے منقطع ہو کر ذات الہی کے حضور پیش ہو جاتے ہیں اور دل پاک، زبان پاک، نظر پاک، عمل پاک کے پاکیزہ ماحول میں اپنے خون سے چمنستان اسلام کی آبیاری کرتے ہیں تو ان کا جسم بھی مادی اثرات اور فانی خصوصیات سے پاک ہو جاتا ہے اور انہیں بھی رب محمد کی جانب سے بقا اور دوام کے اعزاز سے نوازا جاتا ہے اور روح کی مانند ان کے اجسام بھی عدم اور فنا سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جاتے ہیں چنانچہ عرش عظم کی بلندیوں سے ان کے حق میں ان غیر فانی الفاظ میں ارشاد ربانی ہوتا ہے:۔

ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل الله اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون. (البقرہ)

ترجمہ: جولوگ اللہ کی راہ میں شہید ہو جائیں، انہیں مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں انکی زندگی کا شعور وادراک حاصل نہیں۔

چونکہ ان کی یہ حیات برزخی اس قسم کی نہیں ہوتی کہ ہر شخص کو محسوس ہو اور نہ وہ کوئی ایسی حقیقت ہے کہ عقل انسانی کی وہاں تک رسائی ہو بلکہ وحی الہی یا ایسی فراست صحیحہ سے جو وحی سے مکتسب ہو وہ حیات معلوم ہو سکتی ہے۔

انہیں لوگوں کے حق میں ایک دوسرے مقام پر رب العزت ایک نئے عنوان سے

یوں ارشاد فرماتے ہیں:

ولا تحسبن الذین قتلو افی سبیل الله امواتاً بل احیاء عند ربهم یرزقون.

ترجمہ: اے مخاطب! اللہ کی راہ میں مارے گئے انسانوں کو مردہ مت گمان کر بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے ہاں کھاتے پیتے ہیں۔

شہداء کی اس حیات سے محض روح کا بقا و دوام ہی مراد نہیں۔ روح انسانی کے متعلق گزشتہ اوراق میں ہم لکھ آئے ہیں کہ وہ امر ربانی اور حقیقت نورانی ہے اس کے لئے فنا اور موت ہے ہی نہیں، طبعی موت کے بعد تو ہر نیک و بد مومن و کافر کی روح زندہ رہتی ہے تو پھر خدا کے راستہ میں جان عزیز پیش کرنیوالے شہداء کی اس میں کیا خصوصیت ہوئی؟ قرآن عظیم اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں یہ نظریہ اور عقیدہ قطعاً کافرانہ ہے کہ موت کے بعد زندگی کا بالکلیہ خاتمہ ہو جاتا ہے بلکہ ہر انسان کے لئے حیات برزخی ثابت ہے۔ ثم یعار فیہ الروح کے ارشاد کے مطابق پھر اس میت میں روح لوٹائی جاتی ہے وہ پاؤں کی آہٹ تک محسوس کرتا ہے۔ اور وہ جسد، جسمانی آنکھوں سے آنے والے فرشتوں کی مہیب صورتیں دیکھتا ہے، ان کی باتیں سنتا ہے اور بیٹھ کر اپنی زبان سے ان کے سوالات کا جواب دیتا ہے اور آخر کار اپنے اعمال کے لحاظ سے قبر ہی میں راحت یا تکلیف پاتا ہے، قبر پر سے ہر گزرنے والے آشنا کو پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ (الحدیث) سیدنا دوعالم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے:

القبر روضة من ریاض الجنة او حضرة من حضرات النیران. (الصحاح)

ترجمہ: کہ قبر انسان کے لئے گوشہ راحت ہے یا عذاب کی وادی۔

اسی صورت میں درست ہو سکتا ہے جب انسان کے لئے حیات برزخی تسلیم کی جائے۔ لامحالہ از روئے احکام شریعت تسلیم کرنا ہوگا کہ موت کے بعد ہر نیک و بد انسان کو ایک روحانی زندگی نصیب ہوتی ہے لیکن اللہ کے راستہ میں شہید ہونے والے خوش نصیب

انسانوں کو ایک مخصوص زندگی عطا ہوتی ہے جس کا ذکر قرآن عظیم مقام مدح میں فخریہ انداز سے کر رہا ہے۔ شہید کی اس برزخی زندگی سے مراد شہید کے جسم اور روح کی وہ خصوصی بقا اور تحفظ ہے جو ہمارے ناقص اور محدود شعور و ادراک سے کہیں بالاتر ہے۔

نکتہ: یرزقون کے قرآنی لفظ سے روز روشن کی طرح واضح ہوتا ہے کہ اس زندگی سے مراد حیات معنوی روحانی نہیں۔ بلکہ اسلام شہداء کے لئے ایک ایسی زندگی ثابت کر رہا ہے جس میں وہ زمین و آسمان، جنت اور عرش تک جہاں تک چاہتے ہیں سیر کرتے ہیں اور کھاتے پیتے ہیں۔ اور اس رزق سے مراد رزق روحانی نہیں بلکہ یہی دنیوی رزق جو عام طور پر استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ امام اہلحدیث علامہ شوکانی یمنی (م ۱۲۵۰ھ) فرماتے ہیں:

المراد بالرزق المعروف فی المتعادات علی ما ذھب الیه الجمھور کما سلف.

یعنی وہ رزق کوئی دوسرا اور رزق معنوی یا روحانی نہ ہوگا بلکہ یہی رزق جو عرف عام میں مراد ہے اور عادت ہے کہ لوگ اس کو کھاتے ہیں اور یہی مسلک حقہ جمہور اہلسنت و جماعت کا ہے۔ قرآنی صفحات شاہد عادل ہیں کہ صرف روح انسانی کے لئے کسی مقام پر غذا کا ذکر نہیں ہے اور نہ ہی روح کے لئے کوئی رزق ثابت ہے بلکہ روح اپنی بقا اور وجود میں اس عالم کی کسی چیز کی محتاج نہیں۔

بیہقی ثانی قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شہداء کو زندہ جسموں کی قوت عطا فرماتا ہے اور وہ اپنے دوستوں اور معتقدوں کی مدد کرتے ہیں، ان کے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں، مخلصوں کو نوازتے ہیں، ان کی مرادیں برلاتے ہیں، ہر طرح کا فیض انکے مزار مبارک پر حاضر ہونے والوں کو حاصل ہوتا ہے، چنانچہ اپنی شہرہ آفاق کتاب تفسیر مظہری جلد دوم میں ارقام فرماتے ہیں:

بل احیاء یعنی ان اللہ تعالیٰ یعطی . لارواحھم قوت الاجساد فیذھبون من الارض والسماء والجنة بشاؤن و ینصرون اولیاء ھم و یدمرون اعدائھم انشاء اللہ تعالیٰ

ومن اجل ذلك الحیٰوة لا تاكل الارض اجسادھم ولا اكفانھم.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ شہداء کی ارواح کو جسموں کی قوت سے نوازتا ہے اور وہ زمین، آسمان، جنت جہاں چاہتے ہیں آزادی سے سیر کرتے ہیں۔ اپنے دوستوں کی امداد اور ان کے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں، اور اس ممتاز زندگی کی وجہ سے زمین ان کے جسموں اور کفنوں کو نہیں کھاتی۔

....

یہی قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب تذکرۃ الموتیٰ والقبور میں اسی مسئلہ حیات الشہداء اور اولیاء کو مفصل تحریر فرماتے ہیں۔ باذوق اہل دل قارئین کی ضیافت روح کے لئے اس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ شہیدوں کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے بل احیاء عند ربھم یرزقون۔ مراد اس سے یہ ہے کہ حق تعالیٰ ان کی روحوں کو ایسی جسمانی قوت عطا فرماتا ہے کہ جس جگہ وہ چاہتے ہیں سیر کرتے ہیں اور یہ حکم شہیدوں کے ساتھ مختص نہیں بلکہ انبیاء اور صدیق جو شہیدوں سے افضل ہیں اور اولیاء بھی شہیدوں کے حکم میں ہیں کہ انہوں نے جہاد بالنفس کیا ہے، جو جہاد اکبر ہے۔ نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد عالی: **رجعنا من الجھاد الاصغر الی الجھاد الاکبر**۔ ہم نے رجوع کیا جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف اسی سے کنایہ ہے۔

لہٰذا اولیاء اللہ نے فرمایا کہ ہمارے روح جسموں کا کام کرتے ہیں اور کبھی جسم ہمارے نہایت لطافت اور پاکیزگی سے برنگ ارواح نمودار ہوتے ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ مبارک نہیں تھا۔ ان کی روحیں زمین و آسمان اور بہشت جس جگہ کہ چاہتی ہیں جاتی ہیں اور دوستوں اور معتقدوں کی دنیا و آخرت میں امداد کرتی ہیں اور دشمنوں کو ہلاک کرتی ہیں اور ان کے ارواح سے بطریق اویسیہ فیض باطنی پہنچتا ہے اور اسی حیات کے سبب سے ان کے جسموں کو قبر میں مٹی نہیں کھاتی بلکہ کفن تک بھی محفوظ رہتا ہے۔ ابن ابی الدنیا نے مالک سے روایت کی ہے کہ مومنوں کی روحیں جس جگہ چاہیں سیر کرتی ہیں۔ مومنوں سے مراد کاملین

ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کے جسموں کو ارواح کی قوت دیتا ہے۔ کہ وہ قبروں میں نماز پڑھتے ہیں ذکر کرتے ہیں اور قرآن مجید پڑھتے ہیں......انتہیٰ:

تفسیر عزیزی آیت: ''**ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل الله اموات**''

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں:

مگوئید در حق کسے کشتہ شود در راہ خدا در جہاں کہ ایشاں مردہ اند۔ روح چنانچہ عامل قوی بود حالا ہم ہست وشعورے وادراکے کہ داشت حالا ہم دارد۔ بلکہ صاف تر روشن تر زیرا کہ تدبیر بدن وتوجہ بامور سفلانیہ اوراز صفائی ادراک مانع می شد۔ چوں از بدن جدا شد۔ آں مانع مرتفع گشت۔ پس در حقیقت ایشاں اتم از حیات دنیوی است ولکن لاتشعرون لیکن شما شعور ندارید کہ ایشاں در ترقی اعمال و در تمتعات وتلذذات بدنی باشما شریک اند بلکہ از شما زیادہ تر وافزوں تر بایں جہت کہ آں ابدان ایشاں از نظر شما غائب اند و در عالم دیگر ورائے عالم شما رزق ایشاں وسیر و دور ایشاں مقرر است مانند کسیکہ در ولایت میوہائے خورد وسیر گلزارے نماید واہل ہندوستان چوں اورا نہ بینند مردہ انگارند۔انتہیٰ۔

یعنی اس کے بارے میں جو راہ خدا میں جاں بحق تسلیم ہو لفظ مردہ کا اطلاق نہ کرو، چنانچہ روح جو قوی کی عامل تھی اب بھی ویسی ہے اور ادراک وشعور جو رکھتی تھی ابھی رکھتی ہے بلکہ زیادہ زیادہ صاف اور زیادہ روشن اس لئے کہ بدن کا نظام اور امور سفلی کی طرف رجحان اس کو صفائی ادراک سے رکاوٹ کا باعث تھے۔ جب بدن سے سلسلہ منقطع ہو گیا وہ باعث رکاوٹ بھی معدوم ہوا۔ سوفی الحقیقت ان کی زندگی، دنیوی زندگی سے زیادہ کامل ہے۔ مگر تم اس سے ناآشنا ہو اور تم عقل سے ادراک نہیں کر سکتے کہ وہ اعمال کی ترقی اور لذات نفسانی سے متمتع ہونے میں تمہارے ساتھ شریک ہیں۔ بلکہ تم سے زیادہ طور پر اس سبب سے کہ ان کے اجسام تمہاری نظر سے غائب ہیں اور ایک دوسرے عالم میں سوائے اس تمہارے عالم

فانی کے ان کا رزق اور سیر وسیاحت مقرر ہے، مثل اس شخص کے کہ ولایت میں میووں سے نعمت یاب ہوتا ہے اور سیر چمن میں مصروف ہے اور نظر سے غائب ہونے کی وجہ سے ہندوستان والے اس کو مردہ سمجھتے ہیں۔

شہیدوں کا شعور وادراک

شہادت کے بعد شہید کی حالت میں کسی طرح کا تغیر نہیں ہوتا۔ ان کا علم اور قوت اور تصرف بعینہ باقی رہتا ہے۔ وہ حاجت مندوں اور پکارنے والوں کو پہچانتے ہیں اور دنیوی زندگی کی طرح ان کی حاجتوں کو پورا کرتے ہیں۔

عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت ادخل بیتی الذی فیہ رسول الله ﷺ وابی واضعا ثوبی و اقول انما ہو زوجی و ابی فلما دفن عمر معہم فوالله ما ادخلتہ الا مشدودة علی ثیابی حیاء. (رواہ احمد فی مسندہ)

ترجمہ: عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں اپنے حجرہ میں جہاں سرور کائنات ﷺ اور جناب صدیق اکبرؓ استراحت فرما ہیں کھلے منہ پھرا کرتی تھی۔ بایں خیال کہ حضور اکرم ﷺ میرے شوہر ہیں اور ابوبکر میرے باپ ہیں۔ مگر جب عمر فاروق بھی اس حجرہ اقدس میں دفن ہوئے تو پھر میں کبھی بھی ننگے سر اور ننگے منہ حجرہ میں داخل نہیں ہوتی ہوں کیونکہ عمر فاروق وہاں تشریف رکھتے ہیں۔ جو غیر محرم ہیں مجھے ان سے شرم آتی ہے۔

اس حدیث پاک سے یہ حقیقت واشگاف ہو جاتی ہے کہ اولیاء وشہداء قبروں میں زندہ ہیں اور ان کا علم وشعور بدستور قائم ہے۔

احرج ابن ابی الدنیا و ابن الجوزی فی کتاب عیون

الحکایات بسنده.

ہم اس واقعہ عجیبہ کا ترجمہ عرض کرتے ہیں۔

حضرت صعب بن جثامہ اور عوف بن مالکؓ کے درمیان بھائی چارہ تھا۔ حضرت مصعبؓ نے حضرت عوفؓ سے فرمایا کہ بھائی ہم میں سے جو پہلے انتقال کرے تو چاہئے کہ وہ دوسرے بھائی سے ملاقات کرے اور وہاں کے حالات سے آگاہی بخشے۔ اتفاقاً حضرت صعبؓ کا پہلے انتقال ہوا۔ چند دن کے بعد حضرت عوفؓ سے انہوں نے خواب میں ملاقات کی حضرت عوفؓ نے ان سے پوچھا۔ کہو بھائی! اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ فرمایا: مشقت کے بعد میری مغفرت فرمائی گئی۔ حضرت عوفؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت صعبؓ کی گردن پر ایک سیاہ ٹیکا دیکھا اس کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ داغ ہے دس اشرفیوں کا جو میں نے فلاں یہودی سے قرض لی تھیں اور واپس نہ کر سکا۔ بھائی! وہ اشرفیاں میرے ترکش میں رکھی ہوئی ہیں، تم وہ اشرفیاں اس یہودی کو دے دینا۔ اے عوفؓ! میرے مرنے کے بعد جتنے واقعات اور حوادثات واقع ہوئے یا آئندہ ہوں گے، ان سب سے میں آگاہ ہوں۔ یہاں تک کہ مجھے اپنی پیاری بلی کے مرنے کی بھی خبر ہے۔ اور اے عوفؓ! میری بیٹی چھ دن تک مر جائے گی، اس سے اچھا سلوک کرنا، حضرت عوفؓ کہتے ہیں، علی الصبح میں حضرت صعبؓ کے گھر پہنچا اور ان کا ترکش منگا کر دیکھا تو اس کے اندر سے ایک ہمیانی نکلی، جس میں دس اشرفیاں تھیں وہ میں نے یہودی کو دیں جن کو دیکھ کر وہ یہودی چلا اٹھا کہ یہی اشرفیاں وہ اشرفیاں تھیں جو مجھ سے حضرت صعبؓ نے قرض لی تھیں۔ پھر میں نے حضرت صعبؓ کی بیوی سے پوچھا کہ بھائی صعبؓ کے انتقال کے بعد گھر میں کوئی حادثہ ہوا ہے؟ انہوں نے وہ تمام واقعات بیان کئے جو حضرت صعبؓ نے ذکر کئے تھے۔ یہاں تک کہ چند روز پہلے کا یہ حادثہ بھی ذکر کیا کہ حضرت صعبؓ کی ایک پیاری بلی تھی وہ بھی مر گئی۔ میں نے حضرت صعبؓ کی بیٹی کو دیکھا جو کھیل رہی تھی مگر اسے بخار تھا اس کی ماں کو میں نے تاکید کی کہ بچی کی اچھی طرح دیکھ بھال کرنا اور اس کو ناراض نہ کرنا آخر کار حضرت صعبؓ کے کہنے کے مطابق ان کی بیٹی چھے دن بعد اللہ کو پیاری ہوگئی۔

(انا لله وانا اليه راجعون)

اخرج ابن ابی شيبة عن ربعی بن خراش قال قيل لی قدمات اخوك فجبت سريعاً و قد سبحی ثوبه فانا عند راس اخی استغفرله واسترجع اذ كشف الثوب عن وجهه فقال السلام عليكم فقلنا و عليك السلام سبحان الله قال سبحان الله انی قدمت علی الله بعدكم فتلقيتُ بروح و ريحان ورب غير غضبان وكسانی ثيابا خضر ا من سندس و استبرق و وجدت الامر ايسر مما تظنون ولا تتكلوا و انی استاذنت ربی اخبركم و اُبشركم الاوان ابا القاسم ﷺ ينتظر الصلٰوة علی فعجلوا بی ولا توخر و انی ثم طغیٰ واخرج ابو نعيم وقال حديث مشهور و اخرج البيهقی فی الدلائل وقال صحيح لا شك فی صحته.

ترجمہ: ربعی بن خراش فرماتے ہیں میرے بھائی ربیع کا انتقال ہو گیا مجھے خبر ہوئی تو میں دوڑتا ہوا ان کے پاس پہنچا۔ میں ان کے سرہانے بیٹھ گیا اور ان کے لئے دعائے مغفرت کر رہا تھا کہ ناگاہ انہوں نے اپنا منہ چادر سے باہر نکالا اور کہا السلام علیکم ہم نے جواب میں علیک السلام کہا اور تعجب سے سبحان اللہ پڑھا۔ تب وہ بولے سبحان اللہ میں اللہ تعالیٰ کی جناب میں پہنچا اور رحمت اور جنت کی خوشبو پائی اور اپنے رب کو اپنے سے راضی پایا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے عمدہ سبز ریشمی لباس کا خلعت عطا فرمایا اور جو تمہارا گمان تھا میں نے اس سے بھی زیادہ آسانی پائی۔ تم اپنے عمل پر بھروسہ نہ کرنا اور نیک کاموں سے غفلت نہ برتنا میں نے اللہ تعالیٰ سے اجازت مانگی کہ تمہیں یہاں کی خبر کر

آؤں اور ان نعمتوں کی بشارت دے آؤں میرا جنازہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جلدی لے چلو وہ مجھ پر نماز پڑھنے کے منتظر ہیں۔ میری تجہیز و تکفین میں عجلت کرنا دیر مت کرنا۔ یہ کہہ کر وہ ٹھنڈے ہو گئے۔

جب یہ واقعہ جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے فرمایا:

اما انی سمعت رسول الله ﷺ يقول يتكلم رجل من امتی بعد الموت.

ترجمہ: بیشک میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ فرماتے تھے کہ میری امت میں بعض ایسے صاحب کرامت انسان ہوں گے جو مرنے کے بعد بھی باتیں کریں گے۔

بے نظیر وصیت اور اس کا نفاذ

شہداء کی صحت ادراک وشعور اور اپنے بعد واقعات کی خبر داری کی ایک دلیل واضح اور برہان لائح وہ مشہور تریں واقعہ ہے جو خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بابرکت زمانہ میں وقوع پذیر ہوا جس سے مردوں کا زندوں سے ملاقات کرنا اور ان کو پیغام دینا اور خلیفہ راشد اور سپہ سالار فوج اسلام کا اس پیغام کے مطابق عمل کرنا کتنی مضبوط اور مستند دلیل ہے کہ شہدا اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کا شعور وادراک بدستور قائم ہے اس واقعہ کو علامہ ابن حبان نے کتاب الوصایا میں علامہ حاکم نے مستدرک میں اور علامہ بیہقی نے دلائل النبوت میں ارقام فرمایا ہے کہ حضرت ثابتؓ بن قیس نے جنگ یمامہ میں شہادت پائی۔ آپ ایک بہترین قسم کی زرہ پہنے ہوئے تھے۔ کسی مسلمان سپاہی نے آپ کی وہ زرہ اتار کر ایک پوشیدہ جگہ میں رکھ دی۔ حضرت ثابتؓ ایک سپاہی کو خواب میں ملے اور کہا کہ میں تجھے ایک وصیت کرتا ہوں اور میری اس وصیت کو شیطانی خواب نہ سمجھنا بلکہ یہ امر واقعہ ہے کہ کل میری شہادت کے بعد ایک مسلمان نے میری زرہ اتار لی اور اسے خیموں کے آخری کنارے پر

گھوڑے باندھنے کی جگہ میں چھپا دیا ہے۔ تم اس واقعہ سے سپہ سالار فوج خالد بن ولید کو میری طرف سے مطلع کرو کہ وہ میری زرہ اس سے حاصل کریں اور دربارِ خلافت میں پیش کریں اور تم جب بارگاہ صدیقی میں پہنچو تو جناب ابوبکر صدیقؓ سے میرا یہ پیغام کہنا کہ مجھ پر جس قدر قرضہ ہے وہ میری زرہ اور سامان فروخت کر کے ادا کیا جائے اور میری طرف سے فلاں غلام آزاد کر دیا جائے۔

چنانچہ ان دونوں جلیل القدر ہستیوں نے ان کی اس اطلاع کو درست اور امر واقعی سمجھ کر اس پر عمل کیا اور جو کچھ حضرت ثابتؓ نے خبر دی تھی وہ لفظ بہ لفظ صحیح نکلی۔

اور یہ حضرت ثابتؓ کی خصوصی شرافت وکرامت تھی۔ ورنہ مرنے کے بعد کسی کی وصیت کا نفاذ نہیں سنا گیا۔

....

شہیدوں کی سیر وسیاحت

سرور دو عالم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو شہادت کے بعد مشاہدہ فرمایا کہ وہ اپنے جسم کے ساتھ فرشتوں کے ہمراہ پرواز کر رہے ہیں۔ چنانچہ نویں صدی کے جلیل القدر مجدد علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب شرح الصدور میں تفصیل کے ساتھ اس حیرت انگیز واقعہ کو یوں بیان فرمایا ہے کہ سید کائنات علیہ الصلوٰت والتسلیمات کاشانہ نبوت میں جلوہ فرما تھے اور جناب اسماءؓ بنت عمیس (زوجہ جعفر) بھی قریب ہی بیٹھی ہوئی تھیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا وعلیکم السلام۔ پھر حضرت اسماء کو فرمایا تجھے تعجب ہوگا کہ میں نے کس کے سلام کا جواب دیا اگرچہ بظاہر کہنے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ ابھی ابھی حضرت جعفرؓ حضرت جبریلؑ اور میکائیل کی معیت میں یہاں سے گذرے۔ جعفر نے مجھے سلام کہا اور اپنی شہادت کا دردانگیز واقعہ سنایا اور بتایا کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے مجھے اپنے دونوں کٹے ہوئے ہاتھوں کے بدلے میں یہ دو پر عطا فرمائے ہیں، جن

کے ساتھ زمین وآسمان اور جنت میں جہاں چاہتا ہوں پرواز کرتا ہوں اور جنت کا جو پھل چاہتا ہوں آزادی سے کھاتا ہوں۔ حضرت اسماء اس واقعہ سے بے حد مسرور وشاداں ہوئیں اور بارگاہ رسالت پناہ میں عرض کی یارسول اللہ! میرے جعفر کتنے خوش نصیب اور سعادت مند تھے کہ ان کو یہ عظیم الشان مقام نصیب ہوا۔ اگر میں نے کسی سے یہ عجیب وغریب داستان بیان کی تو شاید کوئی باور نہ کرے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ حضور والا خود اپنی زبان فیض ترجمان سے مجمع میں اس کا ذکر فرما دیں تا کہ لوگوں کو شہداء کا صحیح مقام اور خدا کے حضور ان کی مقبولیت معلوم ہو جائے۔ سید دو عالم ﷺ حضرت اسماءؓ کی درخواست کو پیش نظر رکھتے ہوئے مسجد مبارک میں تشریف لائے اور منبر پر رونق افروز ہوئے اور حاضرین کو اپنے بیان سے محظوظ ومسرور فرمایا۔

شہداء کا جواب دینا

سید دو عالم ﷺ شہدائے احد کی قبروں پر زیارت کے لئے تشریف لے گئے اور فرمایا:

اللھم ان عبدك و نبيك يشهد ان هولاء شهداء وان من زارهم وسلم عليهم الى يوم القيامة رد و عليه اخرج الحاكم و صححه والبيهقى فى دلائل النبوة.

ترجمہ: اے اللہ! تیرا بندہ (مکرم) اور نبیؐ (محترم) گواہی دیتا ہے کہ بیشک قیامت تک جوکوئی انکی زیارت کریگا یا ان کو سلام کرے گا تو اس کے سلام کا جواب دیں گے۔

علامہ بیہقی بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہر سال شہدائے احد کی زیارت کو ان کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے۔ جب مزارت کے قریب پہنچتے تو بلند آواز سے فرماتے۔

سلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار.

اے شہدائے کرام! تم پر سلام ہے اور سلامتی تمہارے صبر کی وجہ سے کیا اچھا گھر ہے آخرت کا۔

آپ کے بعد حضرت صدیق اکبر، حضرت فاروق اعظم، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم بھی سنت نبوی کے موافق شہیدوں کی زیارت کے لئے جاتے اور ان سے سلام اور کلام فرماتے۔ حضرت سیدۃ النساء اہل الجنۃ فاطمۃ الزہرؓ بھی مزارات پر تشریف لے جاتی تھیں۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص جب شہدائے احد کی زیارت کو جاتے تو اپنے ساتھیوں کو فرماتے تھے کہ تم کیوں سلام نہیں کرتے ایسی قوم پر جو تمہارے سلام کا باقاعدہ جواب دیتی ہے۔ فاطمہؓ خزاعیہ اپنا واقعہ بیان کرتی ہیں کہ ہم دونوں بہنیں شام کے وقت شہدائے احد کے مزارت پر حاضر ہوئیں تو یوں سلام عرض کیا السلام علیکم یا عم رسول اللہ تو سید الشہداء نے ہمارے سلام کا یوں جواب دیا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ یہ پرکیف آواز قبر کے اندر سے آئی جسکو ہم دونوں نے اپنے کانوں سے سنا۔ انتہی۔

اس حدیث اور روایت سے منکشف ہوا کہ (۱) نیکوں اور شہیدوں کی زیارت کے لئے جانا جناب مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا کی سنت اور آپ کے خلفائے راشدینؓ کا معمول ہے۔ (۲) زمانہ نبوت میں مردوں کے علاوہ عورتیں بھی مزارات مقدسہ پر حاضر ہوتی تھیں۔ (۳) مردوں کو شعور اور ادراک تام ہوتا ہے۔ وہ زیارت کرنے والوں کو پہچانتے ہیں اور ان کے سلام کا جواب احسن طریق سے دیتے ہیں۔ (۴) الیٰ یوم القیامۃ کے ارشاد گرامی سے معلوم ہوا کہ یہ باتیں کسی خاص وقت کے ساتھ مقید اور مخصوص نہیں بلکہ قبر میں ان کی زندگی بھی ہر وقت ہے اور ان کی زیارت کے واسطے جانا بھی ہر وقت جائز اور صحیح ہے۔

شہداء کا قبر میں نماز اور قرآن مجید کا پڑھنا

جس طرح حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں اور اپنے ذوق کے مطابق عبادتیں کرتے ہیں۔ شہداء کے واسطے بھی ایسی مختلف عبادتیں ادا کرنا ثابت ہے۔

اخرج ابونعیم عن جبیر قال انا واللہ الذی لا الہ الا ھو دخلت ثابت النبانی لحدہ ومعی حمید الطویل فلما سوینا علیه اللبن سقطعت لبنة فاذا انابه یصلی فی قبرہ و کان یقول فی دعائه اللھم ان کنت اعطیت احدامن خلقك الصلوٰۃ فی قبرہ فاعطینھا.

ابونعیم نے حضرت جبیرؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت جبیرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات کی قسم جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں کہ جب میں اور حمید الطویل دونوں مل کر حضرت ثابت البنانی کو قبر میں اتارنے لگے اور لحد کے اوپر اینٹوں کو برابر کر کے لحد کو بند کیا تو یکدم ایک اینٹ گر گئی کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت ثابت رحمۃ اللہ علیہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں اور وہ ہمیشہ اپنی دعا میں کہا کرتے تھے کہ:

"اے اللہ! اگر کسی کو آپ نے قبر میں نماز پڑھنا عطا فرمایا ہے تو مجھ کو بھی کیجئے۔"

پس اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو رد نہیں کیا بلکہ قبول فرما کر نماز پنجگانہ پڑھنے کا شرف عالم برزخ میں بھی عطا فرمایا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بعض بزرگوں کو قرآن شریف پڑھنے کی توفیق بھی قبر میں عنایت فرمائی ہے۔

چنانچہ عبداللہ بن عباسؓ زمانہ نبوت کا ایک چشم دید واقعہ بیان فرماتے ہیں:

ضرب بعض اصحاب النبی ﷺ خباءۃ علی قبر وھو لا یحسب انه قبر و اذا فیه انسان یقراء سورۃ الملك حتیٰ ختمھا فاتی النبی ﷺ و فخبرہ قال رسول اللہ ﷺ ھی المنجیةُ ھی المانعةُ تُنجیهِ من عَذَابِ القُبرِ. قَالَ ابوالقاسم السعدی فی کتاب الروح ھذا تصدیق من النبی ﷺ بان المیت یقراء فی قبرہ فان عبداللہ اخبرہ بذلك و صدق رسول اللہ ﷺ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: ایک صحابی نے ایک جگہ خیمہ لگایا اور ان کو معلوم نہ تھا کہ یہاں کسی کی قبر ہے ناگاہ قبر میں سے قرات کی آواز آئی کہ کوئی سورہ تبارک الذی پڑھ رہا ہے وہ پڑھتا رہا یہاں تک کہ اس نے پوری سورۃ ختم کر لی پھر وہ صحابی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا اور یہ عجیب ماجرا عرض کیا۔ تاجدار نبوت ﷺ نے فرمایا یہی وہ مبارک سورت ہے جو نجات دینے والی ہے قاری کو اور روکنے عذاب قبر کو۔ امام ابوالقاسم فرماتے ہیں سرورِ دوعالم ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے اس امر کی پوری تصدیق ہوتی ہے کہ اہل قبور عالم برزخ میں قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہیں کیونکہ حضرت عبداللہ نے قصہ سنایا اور حضور نے اس کی تصدیق فرمائی۔

علامہ امام کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب العمل المقبول فی زیارۃ الرسولؐ میں فرماتے ہیں کہ "یہ حدیث صاف دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ میت ہی قبر میں سورہ ملک پڑھتی تھی اور اسی طرح بعض انسانوں پر اللہ تعالیٰ نے یہ احسان واکرام فرمایا ہے کہ وہ قبر میں نماز پڑھتے ہیں (جس طرح کہ حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ آپ نے سن لیا) جب اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء وشہداء کو عالم برزخ میں اپنی طاعت وعبادت سے متمکن فرمایا تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بطریق اولیٰ اس نعمت اور اکرام سے متمکن وسرفراز ہوں گے۔ انتہیٰ۔

نکتہ: اس حدیث سے واضح ہوا کہ صاحب مزار سے زندوں کو فیض پہنچتا ہے اور وہاں کی حاضری موجب فیض وبرکت ہے۔ تلاوت قرآن عظیم جس طرح پڑھنے والے کے واسطے ذریعہ نجات، کفارۂ گناہ اور ظاہری وباطنی بیماریوں کے لئے شفاء کاملہ ہے اسی طرح قرآن مجید سننے والوں کے لئے بھی باعث فیوضات وبرکات ہے۔ چنانچہ صحابی نے سماعت قرآن مجید کی سعادت حاصل کی اور نبوت نے اس کی تصدیق فرمائی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ محمد توک فادلونی رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ وہاں دو شہیدوں کی قبریں ہیں جو حافظ قرآن مجید تھے، کہتے ہیں بعض بزرگوں نے ان کی قبروں سے تلاوت قرآن مجید کی

آوازسنی ہے جو آپس میں دور کرتے تھے۔ (اخبار الاخیار)

اخبار الاصفیاء میں حافظ محمود بلگرامی قدس سرہ جو اپنے وقت کے برگزیدہ شیخ تھے انکے متعلق تحریر ہے کہ ہر شب جمعہ کو ان کے مرقد منور سے قرآن خوانی کی دلنواز آواز کاملین کو سنائی دیتی ہے۔

اخرج ابن ابی الدنیا عن یزید الرقاشی قال بلغنی ان المومن اذامات و قد بقی علیه شیء من القرآن لم یتعلمه بعث الله الیه ملائکة یحفظونه ما بقی علیه منه حتی یبعثه من قبره. واخرج ابن مندة عن عکرمة قال یعطی المومن مصحفا یقرأ فیه.

ترجمہ: جو شخص صدق نیت اور محبت سے قرآن شریف کا یاد کرنا شروع کر دے اگر زندگی میں حفظ نہ کر سکے تو بعد وفات حق تعالیٰ اس کی قبر میں اسے قرآن شریف عطا فرمائے گا اور فرشتوں کو مقرر کرے گا کہ وہ اسے یاد کرائیں حتیٰ کہ قیامت میں حافظ ہو کر اٹھے گا۔

حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ قبر میں مومن کو قرآن دیا جائے گا تا کہ وہ تلاوت کرے۔

حضرت عائشہؓ صدیقہ فرماتی ہیں کہ سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ

دخلت الجنة فسمعت صوت قاری یقراء و فقلت من هذا قالوا حارثة بن النعمان. (رواہ النسائی والحاکم والبیہقی)

ترجمہ: میں جنت میں داخل ہوا تو قرآن مجید پڑھنے کی آواز سنی پوچھا یہ پڑھنے والا کون ہے کہا گیا آپ کا غلام حارثہ بن نعمان۔

حضرت عاصم السقطیؒ کہتے ہیں کہ بلخ میں ایک قبر کھودی گئی اور اتفاق سے اس کے قریب ایک دوسری قبر تھی۔

فنظرت فاذا شیخ فی القبر متوجهاً الی القبلة و علیه ازار

خضر و اخضر ما حاله و فی حجره مصحف وهو یقراء.

(رواہ السہیلی وابن مندہ)

معاً دوسری قبر کی طرف ایک کھڑکی کھل گئی، میں نے دیکھا ایک شیخ تخت پر قبلہ رو بیٹھا ہوا ہے، سبز پوشاک زیب تن کئے ہے اور اس کے چاروں طرف سبزہ ہی سبزہ ہے اس کی گود میں قرآن مجید رکھا ہوا ہے اور وہ کیف وسرور میں ڈوبا ہوا اس کی تلاوت کر رہا ہے۔
معلوم ہوا کہ یہ بزرگ شہداء میں سے ہیں، ان کے چہرے پر زخم بھی دیکھا گیا۔

ابن مندہ نے حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے غابہ میں (ایک جگہ کا نام ہے) اپنے باپ کے پاس جانیکا ارادہ کیا (راستہ میں) مجھ کو رات ہوگئی تو میں نے عبد اللہؓ بن عمرو بن حرام کی قبر پر آرام کیا۔ رات کو میں نے قبر مبارک سے قرآن شریف پڑھنے کی آواز سنی اور اس سے اچھی آواز میں نے کبھی سنی ہی نہیں۔ جب میں نے بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو کر ذکر کیا تو حضور انور ﷺ نے فرمایا وہ قرآنِ مجید پڑھنے والا عبد اللہؓ ہی ہے۔

و فی تاریخ الحافظ الذهبیؒ ان احمدؒ بن نصر الخزاعی احد ائمة الحدیث دعاه الواثق الی القول بخلق القرآن فابی فَضَرب عنقه و صلب راسه ببغداد و وکل بالراس من یحفظه و یصرفه عن القبلة برمح فذکر الموکل به انه رآه باللیل یسد یوالی القبلة بوجهه فیقراء سورة یسین بلسان طلق.

ترجمہ: حافظ ذہبی کی تاریخ میں ہے کہ احمد بن نصر خزاعی ؒ جو ائمہ حدیث میں سے ہیں سلطان واثق نے ان سے کہا کہ قرآن شریف کو مخلوق کہو مگر انہوں نے انکار کیا۔ اس ظالم انسان نے انہیں قتل کرا کر انکا سر سولی پر چڑھا دیا اور ایک شخص کو اس سر کی حفاظت کے لئے پہرہ پر مقرر کیا اور یہ حکم دیا کہ اس کا منہ قبلہ کی طرف سے پھیرے رکھو۔

پاسبان کہتا ہے کہ میں نے سر کو قبلہ کی طرف سے پھیر دیا۔ پھر رات میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہ سر قبلہ کی طرف اپنا منہ پھیر کر نہایت بزبان فصیح سورہ یسین کی تلاوت کر رہا ہے۔

اخرج ابن عساکر فی تاریخ بسندہ عن المنہال بن عمرو منہال بن عمرو سے روایت ہے وہ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ میں ان دنوں دمشق میں تھا، جب حضرت امام حسین کا سر اقدس دمشق میں لایا گیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک شخص سر مبارک کے آگے آگے سورہ کہف کی تلاوت کر رہا تھا۔ جب اس نے یہ آیت پڑھی:

ام حسبت ان اصحٰب الکھف والرقیم کانو من ایتنا عجباً

تو اللہ تعالیٰ نے امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک کو گویا کر دیا۔ آپ نے بزبان فصیح فرمایا:

اعجب من اصحب الکھف قتلی و حملی۔

اے قاری! اصحاب کہف کے قصے سے میری دردناک شہادت اور سر کا بے لاش شہر بہ شہر پھرانا زیادہ تعجب خیز ہے۔

فتدبروا یا اولی الالباب!

ان حدیثوں اور روایتوں سے نہ صرف شہداء کی حیات بعد الممات ثابت ہوئی بلکہ یہ بھی محقق ہو گیا کہ ان کو جس نیک کام کا دنیا میں شوق اور ذوق تھا عالم برزخ میں وہ کام ان کو عطا ہوتا ہے۔

مثلاً جس کو قرآن کی تلاوت کا شغف تھا اس کو قرآن عظیم اور جس کو نماز کا شوق تھا اس کو نماز پڑھنے کی قوت، جس کو علوم دینیہ سے دلچسپی تھی اسے علم دین کی مشغولیت اور کتابیں عطا کی جاتی ہیں۔

امام ابو القاسم قشیری اپنے رسالہ میں اور حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ قدس سرہ تذکرۃ الاولیاء میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک خوش نصیب بزرگ زندگی بھر وعظ فرمایا

کرتے تھے بعد وفات عالم برزخ میں بھی انہیں یہی خدمت عطا فرمائی گئی۔

اشتباہ

عالم برزخ، دار العمل والجزاء نہیں، جہاں کسی کو نماز پڑھنے یا قرآن مجید کی تلاوت کرنے یا کوئی دوسری عبادت کرنے کا ثواب یا اجر ملتا ہے تو پھر میت کا ان افعال میں مشغول ہونے سے کیا فائدہ۔ اس اشتباہ کا معقول جواب علامہ حافظ زین الدین رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے سنئے۔

قال الحافظ زین الدین بن رجب ؒ قد یکرم اللہ بعض اھل البرزخ باعمال صالحۃ فی البرزخ وان لم یعمل لہ بذالک ثواب لانقطاع عملہ بالموت لکنہ انما یبقی عملہ علیہ ینتصم بذکر اللہ وطاعتہ کما تتنعم بذلک الملا نکہ و اھل الجنۃ وان لم یکن علے ذلک ثواب لان نفس الذکر والطاعۃ اعظم نعیما عند اھلھا من جمیع نعم اھل الدنیا و لذاتھا فما تنعم المتنعمون بمثل ذکر اللہ وطاعتہ. (شرح الصدور)

ترجمہ: علامہ حافظ زین الدین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جو بعض اولیاء پر عالم برزخ میں طاعت وعبادت کرنے کا احسان فرماتا ہے اور وہ عبادت کرتے ہیں۔ اگرچہ ان کو اس عبادت کا ثواب نہیں ملتا کیونکہ بوجہ موت کے جزائے عمل کا سلسلہ منقطع ہو گیا مگر یہ عمل جزا اور ثواب کی غرض سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا اکرام محض اس لئے ان پر فرمایا کہ یہ اس عالم میں اس سے لذت حاصل کریں کیونکہ اللہ والوں کو عبادت کرنے میں ایک عجیب قسم کا مزہ اور لذت ملتی ہے جو اور کسی چیز میں میسر نہیں آتی جس طرح ملائکہ اور اہل جنت کو جنت میں تسبیح و

تقدیس اور ذکر وفکر سے کیف اور حظ اور ذوق حاصل ہوتا ہے اگرچہ جنت دارالعمل نہیں، یہ عبادت بھی اہل اللہ کے نزدیک تمام دنیوی نعمتوں سے، بہت بڑی نعمت وسعادت ہے اس سے مقصود ان کا ثواب نہیں ہوتا بلکہ دنیا میں بھی بعوض ثواب نہیں بلکہ محض رضائے الٰہی و تعمیل حکم خداوندی کی خاطر عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔انتہی۔

یہاں سے یہ حقیقت بھی نمایاں ہوگئی کہ جو اہل کمال اور ارباب تربیت وتکمیل اپنی حیات دینونہ اور امورِ تکوینیہ اور تربیت خلق ہے منصب رفیع پر مامور تھے بعد انتقال بھی وہ اپنے اپنے خدمت اور منصب پر قائم وفائز رہتے ہیں اور اپنے مخلصین معتقدین کی تربیت وتکمیل کا فریضہ ادا کرتے ہیں۔

اس لئے اھل السنۃ والجماعۃ کے اکابر و محققین نے فرمایا ہے کہ ارواح مقدسہ اولیاء اور نفوس زکیہ شھداء کو حق تعالیٰ نے یہ شرف بخشا ہے کہ وہ زندگی میں جس طرح اپنے متوسلین، مریدین، مخلصین کی تربیت اور انتظام ظاھرا و باطناً، غائباً و حاضراً فرماتے تھے بلکہ کائنات کی ہر شے ان سے فیض یاب ہوتی تھی۔اسی طرح بعد انتقال بھی ان کی گرامی قدر شخصیتیں باعث فیوض وانوار ہیں۔

قال المحدث المحقق المفسر الدھلوی فی تفسیر قولہ تعالیٰ والمدبرات امرا کہ حق تعالیٰ نے اس سورت والنازعات کے شروع میں انہیں بزرگوں کی ارواح مقدسہ مدبرات موصوفہ بصفات عالیہ کی قسم کھائی ہے اور فرمایا ہے کہ قسم ہے ارواح مفارقہ کی جو نکلتی ہیں ابدان سے بشدت اور پھیلتی ہیں عالم ملکوت میں اور سیر کرتی ہیں عالم ملکوت سے عالم جبروت یعنی عالم صفات الٰہیہ تک اور پہنچ جاتی ہیں، حظائر قدس یعنی مقامات قرب ذات کو پھر اپنے شرف اور قرب سے کہ وہ قوت ہے اتصاف بہ صفات الٰہیہ کی تدبیر کرتی ہیں عالم کی۔علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر بیضاوی میں والمدبرات امرا کے متعلق رقمطراز ہیں:

او صفات النفوس الفاضلۃ حال المفارقۃ فانھا تنزع عن

الابدان غرقا ای نذعا شدیداً فتنشط الیٰ عالم الملکوت و تسبح فیہ فتسبق الیٰ خطائر القدس فتصیر بشرفھا و قوتھا من المدبرات.

یاان آیات میں اللہ تعالیٰ وتقدس نے اولیاء کرام کی ارواح کا ذکر فرمایا ہے جب وہ اپنے مقدس بدنوں سے الگ ہوتی ہیں اور جسم سے سخت قوت کے ساتھ جدا ہو کر عالم ملکوت کی طرف بہ سہولت پہنچ جاتی ہیں اور دریائے ملکوت میں تیرتی ہوئی حظیرہ قدس تک رسائی پاتی ہیں۔پھر اپنی بزرگی اور قوت کے باعث کاروبار عالم کی تدبیر کرنے والوں سے ہو جاتی ہیں۔

علامہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ وضاحت کے ساتھ اس مسئلہ کو بیان فرمایا ہے اور کئی ایک شواہد اور نظائر جزئیہ بھی پیش کئے ہیں۔

من شاء فلیراجعہ.

علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح المعانی زیر آیت والمدبرات امراً میں فرماتے ہیں:

قال الامام انھا (النفس) بعد المفارقۃ قد تظھر لھا الآثار واحوال فی ھٰذا العالم فقدیراء المرء شیخہ بعد موتہ فیرشدہ لمایھم ولا شک انہ یحصل لزائرھم مدد روحانی. ببرکتھم و کثیراً ما تنحل عقد الامور بانامل التوسل الی اللہ بحرمتھم.

امام نے فرمایا ہے کہ بعض اوقات جسم سے علیحدہ ہو جانے پر بھی روح کے کچھ حالات اور آثار اس جہان میں بھی ظاہر ہو جاتے ہیں اور کبھی کبھی ایک انسان اپنے پیر و مرشد کو ان کی وفات کے بعد دیکھ لیتا ہے جو اس کی مصیبت میں اس کی رہنمائی فرماتے ہیں اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ بہت سے مشکل کام ان کی برکت اور توسل سے حل ہو جاتے ہیں۔

شہداء کے اجساد کا سلامت رہنا

عالم برزخ میں شہداء کی حیات عام انسانوں کی برزخیہ سے زیادہ قوی اور مکمل ہوتی ہے اور اسی زندگی کی وجہ سے زمین ان کے جسموں کو نہیں کھاتی۔

ان اجسادهم باقية فى قبورهم وانها لاتبلىٰ تحت الارض البتة. (تفسیر کبیر)

ترجمہ: شہداء کے جسم قبروں میں باقی رہتے ہیں اور زمین کے اندر ہونے کے باجود خراب اور بوسیدہ نہیں ہوتے۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں جب امیر معاویہؓ نے اپنے زمانہ امارت میں نہر کظامہ نکالنے کا ارادہ کیا تو شہداء احد کی اکثر قبریں راستہ میں پڑتی تھیں۔ حکومت وقت کی طرف سے اعلان ہوا کہ احد کے معرکہ میں جو لوگ شہید ہوئے تھے ان کے وارث یہاں آئیں اور اس مشہد مقدس سے اپنے اپنے رشتہ داروں کو نکال کرلے جائیں اور کسی دوسری جگہ دفن کریں۔ جب شہداء کی قبریں کھولی گئیں تو اعلیٰ قسم کے حیات بخش خوشبو سے لوگوں کے دل و دماغ معطر ہو گئے ہم نے دیکھا کہ شہداء کی لاشیں ویسے ہی تر و تازہ کلیوں کی مانند مع کفن کے صحیح و سالم ہیں اور انکے بال بڑھے ہوئے ہیں۔ میں نے اپنے والد ماجد کو قبر میں ایسا پایا گویا وہ سو رہے ہیں، انکا ہاتھ چھوڑا تو زخم پر پہنچ گیا۔ جب زخم سے ہٹایا گیا تو خون جاری ہو گیا۔ پھر انکے ہاتھ کو چھوڑا تو زخم پر پہنچ گیا اور خون تھم گیا۔ اور جس چادر میں میں دفن کیا تھا وہ چادر بھی ویسی کی ویسی ہے اور انکے پاؤں میں گھاس جو تھی وہ ویسی ہی تر و تازہ تھی حالانکہ انہیں دفن ہوئے چھیالیس برس گذر چکے تھے۔ (رواہ البیہقی وابن سعد)

امام تاج الدین سبکیؒ، شفاء السقام میں ارقام فرماتے ہیں کہ اتفاق سے ایک کدال حضرت سید الشہداء حضرت امیر حمزہؓ کے پائے مبارک میں لگی تو پاؤں سے خون کا ایک فوارہ جوش مارنے لگا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے عبد الرحمٰن ابن صعصعہ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ

حضرت عمروؓ بن جموع اور حضرت عبداللہ بن جبیرؓ انصاری کی قبر سیلاب کی وجہ سے بیٹھ گئی اور یہ دونوں حضرات غزوہ احد میں اعزاز شہادت پا کر ایک ہی قبر میں دفن کر دیئے گئے تھے۔ جب قبر سیلاب کی وجہ سے خراب ہو گئی تو مسلمانوں نے ارادہ کیا کہ انہیں یہاں سے نکال کر کسی محفوظ جگہ دفن کر دیا جائے۔ قبر کھودی گئی دیکھا تو اسی طرح آرام فرما ہیں۔ دونوں کی مبارک لاشیں صحیح و سالم ہیں اور کفن کی چادر تک خراب نہیں ہوئی۔ گویا کل دفن کئے گئے ہیں۔ حالانکہ ان کی شہادت کو چھیالیس برس کا زمانہ گذر چکا تھا۔

دور حاضرہ کی عینی شہادت

حیات شہداء کے متعلق قرآن و حدیث کی تصدیق مندرجہ ذیل واقعہ سے حرف بحرف ہوتی ہے۔ جس کو حال ہی میں ہزاروں انسانوں نے مشاہدہ کیا۔ اس واقعہ کے عینی گواہ جناب سید لطافت حسین صاحب کے الفاظ ہیں۔ یہ حسین داستان سنیے اور کیف و سرور حاصل کیجیے۔

دریائے دجلہ کے کنارے سیدنا حضرت حذیفہ اور سیدنا حضرت عبداللہ بن جابرؓ کے مزارت ہیں۔ دریا زمین کو کاٹتا ہوا ان مزارات کی بالکل جڑ میں پہنچ گیا اور خیال تھا کہ چند روز میں یہ مزارات مقدسہ دریا برد ہو جائیں گے۔ اس واسطے حکومت عراق نے تجویز کیا کہ ان اصحابؓ کی نعش مبارک قبور کھود کر حضرت سلمانؓ فارسی کے احاطہ میں دفن کر دی جائیں مجھ کو خبر ذرا دیر سے ملی لیکن الحمد للہ ان صحاب کبار کے جنازوں میں شرکت اور کندھا دینے کا موقع اچھی طرح سے مل گیا۔ تقریباً آٹھ دس ہزار آدمی جمع ہو گئے تھے۔ میں اپنی اس خوش قسمتی پر نازاں ہوں۔ کہاں میں سیہ کار اور کہاں یہ اصحاب کبار رسول اللہ ﷺ کے جنازوں کی شرکت۔ جو سماں اس وقت دیکھا اس کا من و عن اظہار طاقت سے باہر ہے۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں

لیکن اس واقعہ نے میرے دل میں ایک گونہ تسکین پیدا کر دی۔ اللہ تعالیٰ بحرمت ان بزرگوں کے ہم سب کی عافیت بخیر فرمائے۔ جس وقت ان اصحاب کے جنازے حضرت

سیدنا سلمان فارسیؓ کی قبر شریف کے سامنے رکھے گئے ایک ضعیف قاری نے سورہ انبیاء کا آخری رکوع۔

ان الذین سبقت منا الحسنیٰ۔

بڑی رقت سے پڑھنا شروع کیا، قرات کا وجد آفریں تاثر قبر سے نکلے ہوئے جنازوں کی موجودگی اور خلق کی آہ و بکا نے قیامت کا نمونہ برپا کر دیا تھا، اکثر آدمی روتے روتے بیہوش ہوگئے۔ نعش تیرہ سو برس گزرنے کے بعد بھی صحیح و سالم تھی۔ کفن ہاتھ لگانے سے بوسیدہ تھا۔ ایک صاحب کی داڑھی سفید تھی اور ایک کی سیاہ۔

(صدق لکھنؤ ۱ دسمبر ۱۹۴۴ء)

اہل بیت کا مصداق

سرور کائنات فخر موجودات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی آل پاک میں کون کون بزرگ ہستیاں شامل ہیں، جن کو خدائے قدوس نے ''اہل البیت'' کے معزز خطاب سے سرفراز فرمایا ہے۔ اس میں علمائے امت کے مختلف اقوال ہیں۔ جن میں مشہور چار قول یہ ہیں۔

۱- پہلا قول یہ ہے کہ آل بیت سے مراد ازواج مطہرات اور حضرت علی حضرت خاتون جنت، سیدہ فاطمہ زہرا اور حسنین کریمینؓ ہیں۔

۲- وہ حضرات جن پر صدقہ لینا حرام ہے یعنی آل عباس و آل علی و آل جعفر و آل عقیل و آل حارثؓ اجمعین۔

۳- قیامت تک آنے والے آنحضرت ﷺ کے متبعین و مطیعین۔

۴- آپ کی امت کے صلحاء و اتقیاء۔

ان اقوال میں قول اول ہی صحیح اور نظم قرآنی اور تفسیر معتبرہ کے موافق ہے قرآن عزیز میں ''اہل البیت'' کے الفاظ صرف دو مقام پر ارشاد فرمائے گئے ہیں۔

۱- خدا کے بزرگ فرشتے جب شیخ الانبیاء حضرت ابراھیم علیہ السلام کی بارگاہ میں

حاضر ہوتے ہیں اور جناب سارہؓ کو حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہما السلام کی ولادت باسعادت کی بشارت سناتے ہیں اور حضرت سارہؓ اپنی اور اپنے شوہر کی کبر سنی اور کمزوری کا خیال کرتے ہوئے بیساختہ اس مژدہ جاں فزا کو سن کر پکار اٹھتی ہیں۔

ان هذا لشیء عجیب۔

یہ تو بڑی عجیب بات ہے؟

اس پر فرشتے جواباً عرض کرتے ہیں:

اتعجبين من امر الله رحمة الله و بركاته عليكم اهل البيت انه حميد مجيد۔

ترجمہ: کیا تم امر الٰہی پر تعجب کرتی ہو۔ اے گھر والو! حالانکہ تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہر روز نازل ہوتی ہیں۔

یہاں بالاتفاق اہل البیت سے حضرت سارہؓ کی ذات گرامی مراد ہے۔ کیونکہ آیت کریمہ میں خطاب خود ان ہی کی ذات گرامی سے ہو رہا ہے۔

دوسری جگہ سورہ احزاب میں اہل البیت کا لفظ ارشاد فرمایا گیا ہے:

انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت و يطهركم تطهيراً۔

ترجمہ: اے نبی پاکؐ کے گھر والو! اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمائے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔

یہاں اہل البیت سے کون مراد ہیں؟ اس بارے میں اختلاف ہے اکابرین امت کے نزدیک یہاں ''اہل البیت'' سے صرف ازواج مطہرات مراد ہیں۔ کیونکہ آیت تطہیر سے پہلے اور پیچھے پورے رکوع میں تمام تر خطابات ان ہی نفوس قدسیہ سے ہو رہے ہیں۔ ان مفسرین کے خیال میں البیت سے بیت النبی یعنی حضور پرنور کا کاشانہ نبوت مراد ہے۔ جس میں ازواج مطہرات سکونت پذیر تھیں۔ قرآن عظیم نے **و قرن فی بیوتکن**

اورو اذکرن ما یتلیٰ فی بیوتکن میں ازواج مطہرات کے ان حجروں کا ہی ذکر فرمایا ہے جو بیوت النبی شمار کیے جاتے تھے، لہٰذا اھل البیت سے مراد ہی بزرگ ہستیاں ہونا چاہئیں جو اس مبارک گھر میں سکونت پذیر ہوں۔

چنانچہ رئیس المفسرین ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس آیت تطہیر کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں۔

انها نزلت فی النساء النبی صلی الله علیه وسلم خاصة.

یعنی یہ آیت کریمہ بالخصوص ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

ترجمان القرآن حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد رشید حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آیت مذکورہ ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی ہے اور ان کو اس تفسیر پر اس قدر شدید اصرار اور یقین و وثوق تھا کہ وہ بازاروں اور مجمعوں میں منادی کیا کرتے تھے کہ جس کو اس تحقیق اور تفسیر میں شک ہو میں اس سے مباہلہ کے لئے ہر وقت تیار ہوں۔

(ابن ابی حاتم، ابن عساکر)

۳- احادیث نبوی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی آل کی تعبیر ازواج مطہراتؓ اور ذریات طیبات سے فرمائی ہے اور یقیناً آل کی وہ تفسیر جو خود مہبط وحی الٰہی کے کلام سے ثابت ہو دوسروں کی علمی موشگافیوں اور ادبی نکتہ سنجیوں سے افضل و برتر ہے۔

۴- چنانچہ علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کی تاکید فرماتے ہوئے اپنی کتاب ''تمہید'' میں لکھا ہے کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں یوں ارشاد فرمایا:

اللهم صلی علیٰ محمد و علی ال محمد.

اور دوسری میں **اللهم صلی علیٰ محمد و ازواجه و ذریاته** ۔ پہلی حدیث میں جو لفظ ''آل'' واقع ہوا ہے۔ اس دوسری حدیث میں اس کی گواہی تفسیر الفاظ ازواج و ذریات سے فرمائی گئی ہے۔

۵- اسی طرح ترمذی ابواب البیوع میں حضرت انسؓ سے منقول ہے، وہ کہتے ہیں کہ

میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں جو کی چند روٹیاں اور قدرے گوشت لے کر حاضر ہوا۔ کیونکہ ان دنوں آپ کی زرہ بنیں صاع اناج کے عوض ایک یہودی کے ہاں رہن تھی۔ اور اس روز پہلی بار سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے یہ کلمات سنے: **ما امسیٰ عند آل محمد صاع تمر ولا صاع حب** کہ آل محمد کے پاس ایک صاع کھجوریں یا اناج بھی نہیں ہے۔ حالانکہ اس وقت کاشانہ نبوت میں نو ازواج مطہرات رونق افروز تھیں۔ یہاں کسے مجال انکار ہے کہ آل محمدؐ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات مراد نہیں؟

۶- حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں یہ فرمایا کرتے تھے:

اللهم اجعل برزق آل محمد قوتاً. (بخاری)

ترجمہ: اللہ! آل محمد کو بقدر ضرورت رزق عنایت فرما!

۷- مخدومۂ امت حضرت عائشہؓ صدیقہ سید الکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرت اور زندگی کے بارے میں یوں بیان فرماتی ہیں:

ما شبع آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم من خبز بر ما دوم ثلٰثة ایام حتی لحق بالله عز جل.

ترجمہ: کبھی تین دن تک متواتر آل محمد کو پیٹ بھر کر گیہوں کی روٹی کھانا نصیب نہیں ہوا۔

ان احادیث مبارکہ میں آل محمدؐ سے مراد ہر جگہ ازواج مطہرات اور ذریات طیبات ہیں۔ کیونکہ اس پاک جماعت کی ضروریات زندگی کا مہیا کرنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ تھا۔ نیز جناب والا کی یہ دعائے مستجاب بھی صرف ازواج اور ذریات طیبات کے حق میں پوری ہوئی۔ چنانچہ اگر ان حضرات کو کچھ زیادہ مال و متاع ہاتھ بھی آجاتا تھا تو وہ اس سے بقدر قوت حصہ رکھ کر باقی خیرات فرما دیا کرتے تھے، اور ان کے جود و سخا کا یہ عالم ہوتا تھا کہ ایک بار جناب صدیقہ الکبریٰ کی بارگاہ میں بہت زیادہ مال پیش ہوا مگر آپ نے ایک ہی جلسہ میں وہ تمام مال کثیر تقسیم فرما دیا۔ یہاں تک کہ آپ کی خادمہ نے حسرت سے کہا کہ

اگر آپ ایک درہم بچا رکھتیں تو بہت بہتر ہوتا تا کہ ہم افطاری کے لئے اس کا گوشت خرید لیتے۔آپ نے فرمایا اگر پہلے کہتی تو ایسا بھی ہوسکتا تھا۔

ان احادیث صحیحہ سے یہ امر بخوبی ثابت ہوگیا کہ آل سے مراد نہ اتقیاء وصلحائے امت ہیں اور نہ بنو ہاشم جن پر صدقہ لینا حرام ہے۔ بنو ہاشم میں تو بڑے بڑے صاحب ثروت اور شاہانہ جاہ وجلال کے بزرگ تھے اور آج تک صفحۂ ہستی پر قائم ودائم ہیں۔ یہ ازواج وذریات ہی کی مقدس جماعت تھی، جن کا نان ونفقہ نبوت کے سپرد تھا اور ان کی زندگی ہر دور میں کفاف معمولی پر بسر ہوتی تھی۔

بعض حضرات آیت تطہیر کو صرف حضرت علی فاطمہ، حسن، حسینؓ اجمعین کی شان میں ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کرتے رہتے ہیں اور وہ کسی طرح ازواج مطہرات کو اس مایۂ صد افتخار خطاب کا مستحق ہی نہیں سمجھتے۔اگر انکے خیال کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو فصاحت و بلاغت کے سدرۃ المنتہیٰ قرآن عزیز کا سیاق وسباق ہی درہم برہم ہوجاتا ہے۔

ان حضرات کا بڑا استدلال یہ ہے کہ آیت میں خطاب کے لئے جمع مذکر کی ضمیریں استعمال کی گئی ہیں۔ چنانچہ عنکم اور لیطھر کم فرمایا گیا۔اگر اھل البیت سے ازواج مطہرات مراد ہوتیں تو عنکن اور یطھر کن ہونا چاہئے تھا۔لہٰذا ازواج مطہرات کا ’’اھل البیت‘‘ میں سے ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

لیکن ان کا یہ استدلال لطیف اور انکی یہ علمی تحقیق محض لغو ہے کہ اگر ازواج مطہرات مراد ہوتیں تو جمع مونث کی ضمیر آنی چاہئے تھی۔

قرآن پاک، ارشادات نبوت اور فصحائے عرب کے کلام سے یہ حقیقت بخوبی ثابت ہوتی ہے کہ اھل کا لفظ جمع مذکر ہے اور واحد تثنیہ جمع مذکر اور مونث کے لئے استعمال ہوتا ہے اور لفظ اھل کی رعایت سے ہر جگہ ضمیر مذکر ہی استعمال ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن پاک، حدیث پاک اور فصحائے عرب کی یہ چند مثالیں اس دعویٰ کی شاہد عادل ہیں۔

درخانہ کس است یک حرف بس است

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی رفیقہ حیات کو لے مدین سے مصر کی جانب روانہ ہوئے تو راستہ میں کوہ طور کی وادیوں سے گذرتے ہوئے ایک مقام پر اپنی پاک دامن اہلیہ محترمہ سے خطاب کرتے ہیں۔

فقال لا هله امكثوا انى انست نارا لعلى اتيكم منها بخبر او جذوة من النار لعلكم تصطلون. (القصص)

ترجمہ: کہا اپنے گھر والوں کو تم یہاں ٹھہرو میں نے دیکھی ہے ایک آگ، شاید لے آؤں تمہارے پاس وہاں کی کوئی خبر یا انگارہ آگ کا تا کہ تم تاپ سکو۔

بے شک اہل سے مراد آپ کی بی بی صاحبہ ہیں، لیکن انکے لئے جمع مذکر حاضر کا صیغہ استعمال فرماتے ہیں اور قرآن عزیز تردید کی جگہ ان کلمات کو اپنے صفحات کی زینت بناتا ہے۔

۲۔ حضرت سارہؓ کو جب خدا تعالیٰ کے مکرم فرشتے ایک سعید فرزند کی بشارت سناتے ہیں تو آپ تعجب سے فرماتی ہیں۔اے فرشتو! اگر اس عمر میں ایسا ہوجائے تو عالم میں یہ ایک بالکل انوکھی اور عجوبہ بات ہوگی۔فرشتے عرض کرتے ہیں۔

اتعجبين من امر الله رحمة الله و بركاته عليكم اهل البيت. (هود)

ترجمہ: کیا تو تعجب کرتی ہے اللہ کے حکم سے اللہ کی رحمت اور برکتیں ہیں تم پر اے اہل بیت ابراہیم علیہ السلام۔

اس آیت میں بھی یہی علیکم کی ضمیر جمع مذکر استعمال کی گئی ہے۔مگر خطاب حضرت سارہؓ زوجہ حضرت ابراھیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہو رہا ہے۔

حدیث شریف اور اشعار عرب بھی اس قسم کی مثالیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ خود سرور کائنات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ازواج کو اہل البیت کے الفاظ سے مخاطب فرمایا اور ضمیر جمع مذکر استعمال فرمائی۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں۔

فخرج النبی ﷺ فانطلق الی حجرة عائشه (رضی اللہ عنہا) فقال السلام علیکم اهل البیت و رحمة الله فقالت وعلیک السلام و رحمة الله کیف وجدت اهل له بارك الله لك.

یعنی رسول خدا ﷺ باہر تشریف لا کر حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) کے حجرہ پاک کی طرف روانہ ہوئے وہاں پہنچ کر ارشاد فرمایا السلام علیکم اہل البیت ورحمۃ اللہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں عرض کیا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ آپ نے اپنی اہلیہ (محترمہ) کو کیسا پایا؟ اللہ تعالیٰ آپ کو برکت عطا فرمائے۔ (بخاری کتاب التفسیر)

اہل عرب عموماً مونث سے خطاب کرتے وقت جمع مذکر کا صیغہ استعمال کرتے ہیں:

۱- عرب کا ایک مستند شاعر اپنی محبوبہ سے یوں خطاب کرتا ہے:

ساطلب بعد الدار عنکم لتقربوا

و تسکب عینا ی الدموع لتجمدا

یہاں شاعر مونث مخاطب کے لئے ضمیر عنکم اور صیغہ تقربوا مذکر کا استعمال کرتا ہے۔ مگر صدیاں گذر جانے کے باوجود اس ترقی یافتہ زمانہ میں بھی کسی نے اس کو غلط نہیں کہا۔

۲- حماسی شاعر اپنی بیوی کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

فلا تحسبی انی تحشعت بعدکم.

(یعنی تو یہ خیال نہ کرنا کہ میں تیرے بعد ذلیل ہو گیا)

۳- اسی طرح مخزومی اپنی اہلیہ سے کہتا ہے:

و ان شئت حرمت النساء سواکم.

(اگر تو چاہے تو میں تیرے سوا سب عورتوں کو اپنے اوپر حرام کر لوں)

نیز قرآن کریم نے اکثر مقامات پر بیوت کی نسبت عورتوں ہی کی طرف کی ہے۔ جیسا کہ مذکورہ آیت کریمہ میں اھل البیت کا اطلاق فقط حضرت سارہؑ کے لیے ہوا۔ اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں بیت کو عزیز مصر کی بجائے زلیخا (رضی اللہ عنہا) کی طرف

منسوب کیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

و راودته التی هو فی بیتها.

ترجمہ: اور پھسلایا اس کو اس عورت نے جس کے گھر میں (یوسف) تھا۔ (سورہ یوسف)

اسی طرح سورہ احزاب میں دو مقام پر کاشانہ نبوت کی نسبت ازواج مطہرات کی طرف کی گئی ہے وقرن فی بیوتکن اے نبی کی پاکیزہ بیبیو قرار پکڑو اپنے گھروں میں۔ اسی رکوع کی آخری آیت میں ازواج مطہرات سے پھر یوں خطاب کیا جاتا ہے:

واذکرن مایتلی فی بیوتکن من ایات الله والحکمة.

ترجمہ: اور (اے نبی کی اہل خانہ) تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور حکمت کی باتوں کو جو تمہارے ہی گھروں میں پڑھی جاتی ہیں یاد کرتی رہو۔

بہر حال ان قوی دلائل اور سیاق وسباق عبارت سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچتی ہے کہ اس آیت تطہیر میں خطاب من کل الوجوہ ازواج مطہرات سے ہے اور وہی درحقیقت اہل بیت نبوت ہیں جس سے کوئی دلیل اور قرینہ انکو خارج نہیں کرسکتا۔

اھل بیت دراصل افراد خانہ کو کہتے ہیں اور اس کا اطلاق بلحاظ لغت انہیں اشخاص پر ہوتا ہے جو شریک معاشرت ہوں۔ چونکہ آپ کی ذریت طیبات شریک معاشرت نہ تھیں۔

حضرت علیؓ اور فاطمۃ الزہراؓ کی سکونت الگ تھی اور آیت تطہیر کا شان نزول اور خصوصی خطاب سے انکی شمولیت بظاہر علیحدگی اور مستقل سکونت کی وجہ سے ان کو اھل بیت سے خارج نہ سمجھ بیٹھیں، لہٰذا ضروری تھا کہ خود مہبط وحی الٰہی کی جانب سے اس کے متعلق صاف صاف تصریح ہو جاتی۔ چنانچہ سرور عالم ﷺ نے اس ضرورت کو محسوس فرماتے ہوئے مختلف مواقع پر اپنے خاص طرز عمل اور خصوصی خطاب سے ظاہر فرمایا کہ چونکہ اولاد اور داماد بھی بجائے خود اہل بیت (افراد خانہ میں شامل ہیں۔ اس لئے ازواج مطہرات کی طرح میرے گھر کے یہ ممتاز افراد بھی اس فضیلت کبری اور سعادت عظمیٰ میں برابر کے شریک ہیں اور شامل آیت تطہیر ہیں۔ چنانچہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آیت تطہیر

میرے گھر میں نازل ہوئی۔اس وقت گھر میں یہ چاروں حضرات (علیؓ، فاطمۃ الزہراؓ، حسنؓ، حسینؓ) موجود تھے۔حضور پرنور ﷺ نے ان چاروں کو اپنے کمبل مبارک میں لے کر فرمایا:

اللھم ھؤلاء اھل بیتی و خاصتی اذھب عنھم الرجس و طھرھم تطھیرا.

ترجمہ: الہ العالمین! میرے اہل بیت اور میرے گھر کے مخصوص افراد ہیں۔ ان سے گندگی وناپاکی دور فرما اور انہیں بخوبی پاک وصاف کردے۔

(ترمذی، ابن جریر، حاکم، مسلم)

ایسا ہی ایک بار صبح کے وقت جب مسجد اقدس نمازیوں سے پرتھی سرورعالم ﷺ نے فاطمۃ الزہراؓ کے گھر کے قریب سے گذرتے ہوئے بلند آواز سے ارشاد فرمایا:

الصلوٰۃ اھل البیت انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس.

(رواہ الترمذی)

ترجمہ: تم پر صلوۃ وسلام ہو اے گھر والو! اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ہر طرح کی گندگی کو دور کردے۔

اس قسم سے ارشادات عالیہ صرف اسی حقیقت کو ظاہر فرمانے کے لئے تھے کہ ازواج مطہرات کی طرح میرے یہ عزیز بھی اس لقب کے مستحق اور اس فضیلت تطہیر کے اہل ہیں۔

ان روشن بیانوں اور مستند دلیلوں سے یہ امر محقق اور ثابت ہوگیا کہ بیشک ذریات طیبات اہل بیت کی مقدس جماعت میں شامل ہیں بلکہ بعض حیثیت سے وہ اس لفظ کے زیادہ مستحق ہیں لیکن آیت شریفہ کا اعزازی خطاب اس مقام پر ازواج مطہرات ہی سے ہے۔

قول فیصل

محقق اور منصف حضرات نے اس اختلاف کو یوں رفع فرمایا ہے کہ لفظ اہل بیت کے دو مفہوم ہیں۔ایک...... رسالتمآب کی ازواج مطہرات جیسا کہ قرآن عزیز نے

ذکر کیا ہے اور دوسرے آپ کی ذریات طیبات جس کی حدیثوں میں تصریح ہے۔ پھر خصوصیات کلام اور مقتضائے حال سے کہیں آپ کی ازواج مطہرات مراد ہوتی ہیں اور کہیں آپ کی ذریات طیبات اور کبھی عام معنیٰ مقصود ہوتا ہے جس میں ازواج اور ذریات اور صحابہ کرام جن کو اعزازاً اس پاک جماعت میں داخل فرمایا گیا ہے۔ سبھی شامل ہوتے ہیں۔ واللہ أعلم بالصواب۔

چنانچہ ان اوراق میں ہم پہلے حضور پیکر نور ﷺ کی ازواج مطہرات اور ذریات کے مشترک فضائل بیان کریں گے اور بعد میں سید الشہداء شہزادہ کونین حضرت امام حسین ؓ کی سوانح حیات اور واقعہ شہادت ہدیہ قارئین کیا جائے گا...... اور...... انشاء اللہ رشد وہدایت کا یہ سرمایہ سعادت ہمارے ذنوب ومعاصی کو دھوڈالنے کے لئے آب زمزم و کوثر ثابت ہوگا۔

خوشش بادہ نسیم صبح گاہی
کہ درد شب نشیناں را دوا کرد

جامِ طہور

خوشا کہ دیدہ و دل میں ہے جائے آلِ رسول
زہے کہ وردِ زباں ہے ثنائے آلِ رسول

اساسِ دینِ مبیں ہے ولائے آلِ رسول
جو سچ کہوں تو ہے ایماں عطائے آلِ رسول

لیے ہے دامنِ دل عطائے آلِ رسول
تونگروں سے غنی ہے گدائے آلِ رسول

بہشت و کوثر و جامِ طہور کی ضامن
صدائے آلِ محمدؐ نوائے آلِ رسول

میں بوترابی ہوں مجھ کو ملی ہے حبِ علیؑ
مرا وظیفہ ہے مدح و ثنائے آلِ رسول

یہ کیا مقامِ محبت ہے، کونسی منزل
جبینِ شوق ہے اور نقشِ پائے آلِ رسول

شہانِ دہر کا دست نگر خدا نہ کرے
بڑے مزے سے ہوں زیرِ لوائے آلِ رسول

سرشکِ دیدہ خوننا بہ بار کیا، دل کیا؟
ہزار جان گرامی فدائے آلِ رسول

وہیں وہیں دل دیوانہ لوٹ لوٹ گیا
جہاں جہاں بھی ملا نقشِ پائے آلِ رسول

نفس نفس نئی کیفیتوں کا عالم ہے
نفس نفس میں ہے لوٹے ولائے آلِ رسول

خوشانصیب دو عالم میں ہے لقب میرا
فقیر کوئے مدینہ، گدائے آلِ رسول

❁❁❁❁

تطہیر اہل بیت

ان کی پاکی خدائے پاک کرتا ہے بیاں
آیۂ تطہیر سے ظاہر ہے شان اہل بیت

خاندان نبوت کی تعظیم و تقدیس اور ان کی امتیازی عظمت و جلالت متفق علیہ ہے۔ملت اسلامیہ کے کسی مکتب فکر کو اس سے اختلاف نہیں۔اہل بیت عظام کی سچی محبت و عقیدت کے پاکیزہ جذبات ایک مومن قانت اور مسلم صادق کی زندگی کی قیمتی متاع ہیں۔

خود رب العزت نے ان کی جلالت شان اور طہارت و پاکیزگی کا اعلان قرآن عظیم کی الہامی زبان میں متعدد بار فرمایا ہے:

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا. (الاحزاب)

ترجمہ: اے اہل بیت! خدا کو بس یہی منظور ہے کہ تم سے ہر قسم کی میل کچیل دور کر دے اور تم کو ایسا پاک و صاف کر دے جیسا کہ پاک صاف ہونے کا حق ہے۔

سرور دو عالم ﷺ کے گھر والوں کو انکی شان کے لحاظ سے ایسی تہذیب نفس، تصفیہ قلب اور تزکیہ باطن کی گراں قدر و کمیاب دولت سے سرفراز فرمایا گیا، جس کے باعث وہ تمام امت میں ایک ممتاز اور فائق مقام رکھتے ہیں۔

خدائے قدوس نے سرور دو عالم ﷺ کی نسبت اتصال اور قرابت سے اہل بیت کو قلبی صفائی اور اخلاقی پاکیزگی کا وہ بلند مرتبہ عطا فرمایا ہے جس پر فائز ہونے کے بعد انسان انبیاء علیہم السلام کی طرح معصوم تو نہیں بن سکتا البتہ گناہوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ

پروردگار عالم نے اپنے محبوب رسول ﷺ کے اہل بیت کو ان تمام چیزوں سے محفوظ رکھا ہے جو ان کے اخلاق اور احوال شریفہ کے شایان شان نہیں تھیں۔

۲- نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد بارگاہ رسالت مآب میں بغرض مناظرہ حاضر ہوا۔انہوں نے سوال کیا کہ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے پیارے بندے، اس کے برگزیدہ رسول اور کلمۃ اللہ تھے جو کنواری بتول مریم کی طرف القا کیے گئے تھے، عیسائیوں نے کہا، وہ تو اللہ کے بیٹے ہیں، آپ نے فرمایا: وہ کیسے؟ انہوں نے کہا کہ آپ نے کوئی ایسا بندہ بھی دیکھا ہے جو بغیر باپ کے پیدا ہوا ہو؟ حضورؐ نے فرمایا اگر تمہاری یہ دلیل صحیح تسلیم کی جائے تو پھر حضرت آدم علیہ السلام کے ابن اللہ ہونے میں تمہیں کوئی شک و شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ وہ ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے تھے حالانکہ تم میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔

اس ٹھوس دلیل کا ان کے پاس کوئی معقول جواب نہ تھا۔ جب وہ کج بحثی اور ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم کو حکم فرمایا کہ اس قدر سمجھانے پر بھی وہ صداقت وحقانیت پر یقین نہیں رکھتے تو ان کے ساتھ مباہلہ کرو۔

فقل تعالوا ندع ابنائنا و ابناء کم ونساء نا و نساء کم و انفسنا و انفسکم ثم نبتھل فنجعل لعنة الله علی الکاذبین. (سورہ آل عمران)

ترجمہ: میرے حبیبؐ! ان سے فرما دیجئے کہ آؤ ہم تم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اپنی جانیں اور تمہاری جانیں۔ پھر التجا کریں ہم سب اور لعنت کریں اللہ کی ان پر جو جھوٹے ہیں۔

مباہلہ کی مکمل صورت یہ تجویز فرمائی گئی کہ دونوں فریق اپنی جان سے اور اولاد سے حاضر ہوں اور خوب عاجزی اور گڑگڑا کر دعا کریں جو کوئی ہم میں جھوٹا ہے اس پر خدا کی

لعنت اور عذاب پڑے۔

دعوت مباہلہ سن کر وفد نجران نے تین دن کی مہلت لی کہ ہم آپس میں مشورہ کر کے جواب دیں گے۔ تین دن کے بعد وہ نہایت باوقار اور شاندار پوشاکیں پہن کر اور اپنے عظیم پادریوں کو ساتھ لے کر آئے۔ ادھر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اس شان وشوکت اور جاہ وجلال سے تشریف لائے کہ بائیں طرف گود میں شہید کربلا امام حسین۔ دائیں طرف آپ کا دست مبارک پکڑے ہوئے امام حسن۔ خاتون جنت سیدہ فاطمہ زہرا اور فاتح خیبر خدا حضرت علی مرتضیٰ (رضی اللہ عنہم) دونوں پیچھے پیچھے چلے آتے ہیں۔ حضور ﷺ ان سے فرمارہے ہیں کہ جب میں دعا کروں تم سب میری دعا پر آمین آمین کہنا۔

یہ نورانی اور پرعظمت صورتیں دیکھ کر ان کا لاٹ پادری پکارا اے عیسائیو!

انی لاریٰ وجوھا لو سئالوا اللہ ان یزیل جبلا من مکانہ لازالہ بھا فلا تباھلوا فتھلکوا ولا تبقیٰ علی وجہ الارض نصرانی الیٰ یوم القیامۃ لا نباھلک. (تفسیر کبیر خازن ومدارک)

ترجمہ: میں ایسے پاک چہرے دیکھ رہا ہوں جن کی دعا مضبوط پہاڑوں کو ان کی جگہ سے سرکا سکتی ہے۔ خدا کے لئے ان سے مباہلہ کر کے ہلاک نہ ہو۔ ورنہ ایک نصرانی زمین پر باقی نہ رہے گا۔

آخر انہوں نے مقابلہ چھوڑ کر سالانہ جزیہ دینا قبول کیا اور صلح کر کے واپس چلے گئے۔

حضور سراپا نور ﷺ نے فرمایا اگر مباہلہ کرتے تو وادی آگ بن کر ان پر برستی۔ خدا تعالیٰ نجران اور وہاں کے چرند پرند درند تک نیست ونابود کر دیتا اور ایک سال کے اندر اندر تمام نصاریٰ ہلاک ہو جاتے۔

یاایھا الذین امنو اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین.

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

رئیس المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:۔

کونوا مع علی لانہ سید الصادقین. (ابو نعیم، در المنثور)

ترجمہ: یعنی اے ایمان والو! حضرت علیؓ کے ساتھ ہو جاؤ کیونکہ وہ صادقین کے سردار ہیں۔

۴۔ ترجمان القرآن، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

کہ ایک بار حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ولید بن عتبہ کا جھگڑا ہو گیا۔ ولید نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہا کہ چپ رہو تم ابھی بچے ہو اور میں تجربہ کار بوڑھا ہوں اور زبان دراز ہوں۔ میری نوک سناں تجھ سے زیادہ تیز ہے اور میں تجھ سے زیادہ جری اور بہادر ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''خاموش او فاسق! جن باتوں پر تو ناز کرتا ہے ان میں سے کوئی بھی قابل فخر اور لائق تعریف نہیں انسان کو اشرف وکمال صرف ایمان اور پرہیزگاری میں ہے جسے یہ دولت حاصل نہیں وہ بدنصیب ومردود ہے۔''

اس واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

افمن کان مومنا کمن کان فاسقا لا یستوٗن.

ترجمہ: تو کیا وہ شخص جو مومن ہو وہ اس جیسا ہو جائیگا جو فاسق ہے! انہیں وہ برابر نہیں ہو سکتے۔

یعنی ولید فاسق ومردود ہے اور حضرت علی مومن ومقبول۔ لہٰذا ان میں برابری کس طرح ہو سکتی ہے۔ (تفسیر خازن، الریاض النضرہ)

۵۔ ایک مرتبہ حسنین کریمین بیمار ہو گئے۔ حضور سید عالم ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے۔ ایک صحابی نے عرض کیا۔ اے علیؓ! تمہارے صاحبزارے بیمار ہیں ان کے لئے نذر مانو اللہ تعالیٰ انہیں صحت کاملہ سے سرفراز فرمائے۔ چنانچہ حضرت علیؓ، حضرت فاطمۃ الزہراؓ اور آپ کی لونڈی فضہؓ نے تین روزوں کی نذر مانی۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے دونوں شہزادوں کو صحت یاب فرمایا تو تینوں حضرات نے روزے رکھے۔

حسن اتفاق سے جس دن روزے رکھے گئے گھر میں کھانے کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ حضرت علیؓ نے ایک یہودی دوکان دار سے بارہ سیر جو قرض لئے۔ سیدہ طاہرہ نے کچھ جو چکی میں پیسے اور گھر کے پانچ افراد کے حساب سے شام کے لئے کھانا تیار فرمایا۔ افطاری کے بعد دسترخوان پر کھانے کے لئے بیٹھے۔ ابھی کھانا شروع نہیں ہوا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی اور ایک فقیر کی صدا بلند ہوئی۔ سلامتی ہو تم پر اے اہل بیت رسول اللہ! ایک مسکین مسلمان تمہارے آستانے پر حاضر ہے اور یہ درخواست کرتا ہے کہ میرے گھر کے پانچ افراد بھوکے ہیں، ان کے لئے کھانے کا انتظام فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کی بے بہا نعمتیں عطا فرمائے گا۔ فقیر کی یہ صدا سن کر ان مقدس حضرات نے وہ کھانا سائل کے سپرد کر دیا اور خود پانی پی کر سو رہے۔

دوسرے دن تمام حضرات نے پھر روزہ رکھا، شام کا کھانا تیار کیا، لیکن جب افطاری کا وقت آیا تو ایک یتیم دروازے پر موجود تھا۔ اس کی درد بھری داستاں سن کر تمام کھانا جو تیار کیا گیا تھا اس کے حوالے کر دیا اور خود بھوکے ہی لیٹ گئے۔

تیسرے دن پھر تمام حضرات نے روزہ رکھا۔ افطاری کے وقت عجیب اتفاق ہوا کہ کھانا سامنے موجود ہے اور بھوک نے بیتاب کر رکھا ہے۔ لیکن ابھی لقمہ اٹھانے بھی نہ پائے تھے کہ کانوں میں یہ فریاد گونجنے لگی کہ نبی پاک ﷺ کے گھر والو! ایک زمانے کا روندا ہوا ستم رسیدہ قیدی دروازے پر کھڑا ہے اور صرف آج رات کا کھانا طلب کرتا ہے۔ اللہ اللہ اہلِ بیت کرام کے جود وسخا اور ایثار و قربانی کا کتنا بلند مقام ہے کہ تین دن مسلسل بھوکے رہنے کے باوجود گھر کے تمام افراد نے بطیبِ خاطر وہ تمام کھانا اس قیدی کو عطا فرما دیا اور ذکر الٰہی کرتے ہوئے سو گئے۔ صبح اٹھے تو شدت بھوک اور کمزوری سے ہلنے کی بھی طاقت نہ تھی۔

حضور انور ﷺ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کو دیکھنے کے لئے کاشانہ علیؓ میں تشریف لائے۔ حضرت سیدہ خاتون جنتؓ نماز پڑھ رہی تھیں اور دیگر حضرات نہایت پژمردہ وافسردہ بیٹھے ہوئے تھے، حضور ﷺ ان حضرات کی پریشان کن حالت دیکھ کر اتنے بیتاب ہوئے کہ

آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ اسی عالم میں حضرت جبریل امین علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے اور کہا۔ اے اہل بیت رسول! تمہیں صد ہزار بار مبارک ہو، تمہاری عظمت وجلالت اور قدر و منزلت کو خدائے بلند و برتر یوں بیان فرماتا ہے۔

یوفون بالنذر و یخافون یوما کان شره مستطیرا و یطعمون الطعام علیٰ حبه مسکینا و یتیماً و اسیراً. انما نطعمکم لوجه الله لا نرید منکم جزاء و لا مشکوراً.

(سورہ دہر)

ترجمہ: (یہ ہیں وہ لوگ) جو اپنی نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن جس کی سختی پھیل جانے والی ہے اور خدا کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تمہیں خاص اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے کھلاتے ہیں تم سے کوئی بدلہ یا شکر گذاری نہیں چاہتے۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ اہل بیت کرام کی آزمائش اور امتحان کے لئے ان تین دنوں میں جبریل امین علیہ السلام مسکین، یتیم اور اسیر کی شکل میں تشریف لاتے رہے۔
چنانچہ مولائے کائنات کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ

"میں نے دنیا کا ملک سنان (نیزہ، تلوار) سے یعنی جہاد کر کے لیا ہے اور عقبیٰ کا ملک سہ نان سے لیا ہے یعنی تین دن کی روٹیوں سے۔"

(تفسیر عزیزی وکشاف)

۶۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کہ ہم بارگاہ رسالت میں حاضر تھے۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ تشریف لائے۔ حضور پرنور ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا۔ خدا کی قسم! یہ علیؓ اور اس کے ساتھی قیامت کی ہولناکیوں میں کامیاب و کامران ہیں۔ حضور ﷺ کا یہ فرمانا تھا کہ جبریل امین علیہ السلام حاضر خدمت اقدس ہوئے اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

ان الذین امنو و عملوا الصالحات اولٰئك هم خیر

البریة. (سورہ بینہ)

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے وہی لوگ سب خلقت سے بہتر ہیں۔

اس کے بعد صحابہ کرام کی یہ شان تھی کہ جب حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو دیکھتے تو فرماتے :قد جاء خیر البریة. (بے شک سب مخلوق سے بہتر و برتر تشریف لے آئے) (ابن عساکر، درمنشور)

۷- **ان الذین امنوا و عملو الصالحات سیجعل لهم الرحمن ودا.** (سورہ مریم)

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کئے اچھے تو پیدا کرے گا رحمٰن ان کے لئے (لوگوں کے دلوں میں) محبت۔

ان آیات کے متعلق حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لا یبقی مومن الا وفی قلبه ود علی و اهل بیته.

(زرقانی، الصواعق المحرقہ)

ترجمہ: کوئی مومن ایسا باقی نہیں رہے گا جس کے دل میں حضرت علی اور آپ کے اہل بیت کی سچی محبت نہ ہوگی۔

۸- **سلام علی ال یاسین.**

ترجمہ: سلام ہو آلِ یاسین پر۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر فرماتے ہیں:

سلام علی ال یاسین ای علیٰ ال محمد ﷺ.

(ابن ابی حاتم، طبرانی، درمنشور)

مراد یہ ہے کہ سلام ہو آل محمد ﷺ پر۔

۹- **واعتصموا بحبل الله جمیعا ولا تفرقوا.**

ترجمہ: اے ایمان والو! سب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور

متفرق نہ ہو۔

حضرت امام جعفر علیہ السلام فرماتے ہیں:

نحن حبل الله.

ترجمہ: وہ اللہ کی رسی ہم اہل بیت ہیں۔ (الصواعق المحرقہ)

۱۰- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فی قوله تعالیٰ: مرج البحرین یلتقیان. قال هو علی و فاطمة و یخرج منهما اللوء و المرجان. قال الحسن و الحسین. (درمنثور)

ترجمہ: کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں دو دریاؤں سے مراد حضرت علی اور فاطمہ رضی اللہ عنہما ہیں اور نکلتا ہے اس میں سے موتی اور مرجان وہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما ہیں۔

نور و ہدایت کے عظیم مینار

زیدؓ بن ارقم بیان کرتے ہیں کہ جب سید المخلوقات، معلم کائنات، دانائے سبل، مولائے کل، فخر الرسل علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات فریضہ حج سے فارغ ہوئے اور مکہ مکرمہ سے باہر غدیر کے مقام پر نزول اجلال فرمایا جہاں سے مختلف اطراف کی طرف راستے جاتے ہیں، تو عرب کے مختلف شہروں سے آئے ہوئے صحابیوں کو الوداع کہنے سے پہلے سرور عالم (فداہ ابی و امی) نے کائنات کے ان چنے ہوئے پاکیزہ انسانوں کے سامنے ایک تاریخی معجز نما خطبہ فرمایا:

اَلَا اَیُّهَا النَّاسُ!

اے میرے ساتھیو! میں اپنے مفوضہ کام کو پایہ تکمیل تک پہنچا چکا ہوں سنت الٰہی کے موافق کسی وقت خدا کے جناب سے پیغام آجائے اور مجھے اس کی تکمیل کرنا پڑے۔ اس

لئے میں تمہاری ہدایت ونجات کے لئے آخری بات کہہ دینا چاہتا ہوں تا کہ تم صراط مستقیم سے بھٹک نہ جاؤ۔

و انا تارك فيكم الثقلين اولهما كتاب الله فيه النور و الهدى فخذوابكتاب الله واستمسكوا به وقال و اهل بيتي اذكر الله في اهل بيتي و قال ثلاثا.

ترجمہ: میں تم میں دو بڑی عمدہ چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک تو خداوند کریم کی کتاب (القرآن) ہے جونور وہدایت سے معمور ہے، اس کو بہت مضبوطی سے پکڑے رہنا۔ دوسری بزرگ چیز میرے اھل بیت (گھر والے) ہیں میں تم کو خدایا دولاتا ہوں اپنے اہل بیت کے معاملہ میں۔ میں تم کو خدایاد دلاتا ہوں اپنے اہل بیت کے معاملہ میں تم کو خدایاد دلاتا ہوں اپنے اہل بیت کے معاملہ میں۔

سرور عالم ﷺ نے اپنی امت کو قرآن پاک اور اہل بیت پاک کی بزرگی اور اہمیت سے آگاہ فرمایا اور تاکید فرمائی کہ نور وہدایت کے ان دو روشن چراغوں کی روشنی میں اپنی زندگی کا سفر پورا کر کے منزل رضا حاصل کریں۔ کیونکہ شاہد کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ نبوت آنے والے خونی انقلاب کو دیکھ رہی تھی اور قلب بینا جانتا تھا کہ مسلمانوں کا یہ روح پرور اور مثالی اتحاد زیادہ دیر تک قائم نہ رہے گا اور یقیناً ملت اسلامیہ میں اختلاف نمودار ہوگا اور خدا کی مقدس کتاب سے بے اعتنائی برتی جائے گی۔ اور اس زندہ کتاب سے درس حیات لینے کی بجائے غیروں کے دروازوں سے بھیک مانگی جائے گی اور اہل بیت کی محبت اور تعظیم سے اکثر دل و دماغ خالی ہو جائیں گے اور کائنات سے ان کا نام ونشان مٹانے کی بدترین کوششیں ہوں گی۔ اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیر خم اور عرفات کے اس غیر معمولی اجتماع کے سامنے واضح الفاظ میں اپنی امت کو آگاہ فرمادیا کہ میں اس دار فانی میں زندگی دوام لے کر نہیں آیا۔ "الرفیق الاعلیٰ" کی قدسی بہاریں میرا انتظار کر رہی ہیں، میں اپنا فریضہ ختم کر چکا ہوں۔ آئندہ سال یہ مبارک دن اپنی بے پناہ

بخششوں اور رحمتوں کے ساتھ آئے گا۔ مگر میں آج کی طرح تم میں موجود نہ ہوں گا۔ خدائی قاصد آنے سے پہلے پہلے ہر چیز مجھ سے دریافت کرتے رہو اور میرے بعد ہدایت، نور اور فیضان کی صورت یہی ہے کہ خدا کی مکمل کتاب قرآن حکیم کو مضبوطی سے تھامے رکھنا کہ اس میں سراسر ہدایت اور نور ہے اور کائنات کی ہر چیز مجمل یا مفصل اس میں موجود ہے اور میری اہل بیت کی محبت اور تعظیم وتقدیس کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنانا کہ وہ قرآن حکیم کی تفسیر ہیں۔ قرآن اور اہل بیت درحقیقت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ قرآن علم ہے اور اہل بیت عمل۔ اور حضرت امام حسین اہل بیت ہی کے آسمان فضیلت کا ایک درخشندہ ستارہ ہیں۔"

حسین ابن علی کی زندگی قرآن کی صورت
رسول اللہ کی دنیا میں اک روشن نشانی ہے

الحمد علی احسانہ! کہ ان ارشادات نبوت پر پورا عمل اہلسنت والجماعت حضرات کو نصیب ہوا کہ ان کا عقیدہ اور ان کا عمل قرآن وسنت کی تعلیم کے موافق ہے اور تمام اہل بیت (خواہ حضرت کی پاک بیبیاں ہوں یا جناب فاطمۃ الزہراؓ کی پاک اولاد ہو) رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت وعقیدت اور تعظیم وتکریم کو اپنے ایمان کی جان سمجھتے ہیں۔

....

اہل بیت کی امتیازی شان

نبی اکرم رحمت عالم ﷺ کی ذات گرامی سے خصوصی تعلق، ممتاز قرب اور اختصاص کی بنا پر پروردگار نے اپنے اہل بیت کے برگزیدہ نفوس کو بعض ایسی بزرگیوں فضیلتوں اور سربلندیوں سے مشرف فرمایا ہے کہ سوائے حضور کی ذات جامع الکمالات کے کوئی انسان ان فضائل وکمالات میں ان کے شریک نہیں۔

ذلك فضل الله يوتيه من يشاء.

۱- رب العزت نے جیسے اپنے رسول مکرم محبوب محترم ﷺ کو طاہر و پاک فرمایا، ایسے ہی آپ کی پاکیزہ صفات آل پاک کو بھی طاہر فرمایا گیا۔ **یطھر کم تطھیرا** کے ارشاد خداوندی نے اہل بیت کو طہارت و پاکیزگی میں سرور عالم ﷺ سے یک گونہ مساوات کا لازوال فخر بخشا۔

۲- جس طرح خالق کائنات نے سرور کائنات ﷺ کیلئے امت کے صدقات سے متمتع ہونا جائز نہیں رکھا۔ حضور گرامی کی آل پاک کے لئے بھی صدقہ کو حلال نہیں کیا گیا۔ اس خصوصیت میں کوئی امتی شریک نہیں۔

حضرت ابوھریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک بار صدقہ کی کھجوریں بارگاہ رسالت پناہ میں پیش کی گئیں۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے ایک کھجور اٹھا کر منہ میں ڈال لی۔ حضور نے دیکھا تو فرمایا۔ بیٹا! تھوک دو۔ کیا تم نہیں جانتے۔

ان هذا الصدقات انما هی اوساخ الناس وانها لا تحل لمحمد و لا لاهل محمد. (رواہ مسلم)

ترجمہ: یہ صدقات لوگوں کا میل کچیل ہیں جو محمد ﷺ اور ان کی آل پاک کے لئے حلال نہیں۔

فائدہ: ازواج مطہرات کو نبی کریم ﷺ سے ایک خاص نسبت حاصل ہے جو کسی کے مٹانے سے نہیں مٹ سکتی۔ امت کے لئے حضور ﷺ کی حیات میں بھی حرام تھیں اور بعد ممات بھی حرام رہیں۔ اس دنیا میں بھی وہ کاشانہ نبوت سے وابستہ تھیں اور جنت الفردوس کی بلندیوں میں بھی وہ جناب رسالت مآب ﷺ کی رفیق زندگی ہوں گی۔

یہی نسبت خصوصی قائم مقام نسبت ہے جس کے باعث سرور عالم ﷺ نے ان کو درود و سلام میں شریک فرمایا اور اسی بنا پر قول صحیح کے موافق صدقات ان پر بھی حرام تھے۔ جیسا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی ہے:

"بیشک رحمۃ اللعالمین کی شان اقدس اس سے کہیں زائد ارفع و اعلیٰ ہے کہ آپ یا آپ کے متعلقین اوساخ الناس سے سود مند ہوں۔"

۳- نماز جو افضل ترین عبادت ہے۔ اس کی قبولیت کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ کی طرح آپ کی آل پاک کے حضور میں بھی درود عرض کیا جائے۔ حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دعا بارگاہ قبولیت تک نہیں پہنچتی جب تک مجھ پر اور میرے اہل بیت پر درود نہ پڑھا جائے۔

الدعاء محجوب عن الله حتی یصلی علی محمد و اهل بیته. (بیہقی)

دعاء اللہ تعالیٰ سے حجاب میں ہے جب تک حضور سید المرسلین ﷺ اور آپ کی اہل بیت مکرم کی بارگاہ میں ہدیہ درود و سلام پیش نہ کیا جائے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کفا کم من عظم القدر انکم
من لم یصل علیکم لا صلوۃ له

ترجمہ: اے اہل بیت نبوت! آپ کی یہ تعظیم و بزرگی کیا کم ہے کہ نماز جیسی عبادت میں جب تک آپ پر درود نہ پڑھا جائے نماز ہی قبول نہیں ہوتی۔

بے حب آل بیت عبادت حرام ہے
ظالم تیری نماز کو میرا سلام ہے

۴- مومن ایمان کامل کا صحیح کیف و سرور اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ جناب رسالت مآب ﷺ کی عقیدت و محبت میں بیخود و سرشار نہ ہو جائے۔ چونکہ آپ کی محبت آپ کی آل پاک کی محبت سے وابستہ تھی اس لئے آل پاک سے محبت کرنے کا بھی حکم فرمایا۔ ارشاد الٰہی ہے: **لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربی۔** (اے محبوب مکرم! آپ صاف صاف اعلان کر دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سے اپنی تبلیغ رسالت اور ہدایت کی کوئی مزدوری اور

اجرت نہیں مانگتا مگر تم میرے اھل بیت سے سچی محبت کرو۔)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

یا رسول الله! من قرابتك هو لاء الذين وحبت علينا مودتهم قال على وفاطمة و ولداهما. (زرقانی، ابن ابی حاتم)

ترجمہ: یا رسول اللہ! وہ آپ کے قریبی لوگ کون ہیں جن کی محبت ہم پر واجب کی گئی ہے! فرمایا۔ علی۔ فاطمہ اور ان کے دونوں بیٹے رضی اللہ عنہم۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یا اهل بیت رسول الله حبكم
فرض من الله فى القرآن انزله

ترجمہ: اے اہلِ بیت نبوت! آپ سے محبت رکھنا رب کعبہ نے قرآن عزیز میں فرض قرار دیا ہے۔

یہ وہ چند خصائص ہیں جن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہل بیت کو سرور کائنات ﷺ سے یک گونہ مساوات کی کرامت وسعادت عطا فرمائی ہے:

تری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

معیار ایمان

والذى نفسى بيده لايومن عبدلى حتى يحبنى ولا يحبنى حتى يحب ذوى قرابتى.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس اللہ کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میری محبت کے بغیر کوئی شخص ایمان دار نہیں بن سکتا اور میری محبت کا صحیح معیار یہ ہے کہ میرے رشتہ داروں کے ساتھ سچی محبت کی جائے۔

خصوصی شفاعت

یوں تو جناب رحمۃ اللعالمین شفیع المذنبین ﷺ قیامت کی ہولناکیوں میں ہر گنہگار و بدکردار کی دست گیری فرمائیں گے۔ مگر چار خوش نصیب انسان حضرت شفیع یوم النشور ﷺ کی شفاعت کے خصوصی مستحق قرار دیئے گئے۔ چنانچہ حدیث میں ارشاد گرامی ہے:

اربعة انالهم شفيع يوم القيامة و لو اتوا بذنوب اهل الارض المكرم لذريتى والقاضى لهم حوائجهم، والساعى لهم فى امورهم والمحب لهم بقلبه و لسانه.

(صواعق محرقہ)

ترجمہ: میں قیامت کے دن چار شخصوں کی سفارش کرونگا ان پر دنیا بھر کے گناہ کیوں نہ ہوں۔ ایک وہ جو میری اولاد کی تعظیم کرتا ہے۔ دوسرا وہ جو ان کی حاجت روائی کرتا ہے۔ اور تیسرا وہ جو ان کے کاروبار کی تکمیل میں کوشش کرتا ہے۔ اور چوتھا وہ جو ظاہر و باطن ان سے محبت کرتا ہے۔

راز بقائے عالم

کائنات کا یہ نظام شمسی اس وقت تک قائم ودائم رہے گا جب تک اس عالم میں محبوب دوعالم ﷺ کے اہل بیت عظام تشریف فرما ہیں۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

النجوم امان لا هل السماء فاذا ذهبت النجوم ذهب اهل السماء واهل بيتى امان لاهل الارض فاذا ذهب اهل بيتى ذهب اهل الارض. (مرقات)

ترجمہ: ستارے آسمان والوں کے لئے سلامتی کا باعث ہیں جب ستارے جھڑ جائیں گے آسمان والے فنا ہو جائیں گے اور (ایسا ہی) میرے

اہل بیت زمین والوں کے لئے سلامتی کا باعث ہیں۔ جب یہ نہ
رہیں گے تو اہل زمین بھی ختم ہو جائیں گے۔

اہل بیت سے محبت کی تلقین

نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ بطحا کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایمان ہو نہیں سکتا

ابوالشیخ اور دیلمی نے روایت کیا کہ سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ کوئی بندہ مومن کامل کا درجہ نہیں پا سکتا جب تک کہ میں اس کو اس کی جان سے زیادہ پیارا نہ ہوں اور میری اولاد اس کو اپنی جان سے زیادہ پیاری نہ ہو اور میرے اہل اس کو اپنے اہل سے زیادہ محبوب نہ ہوں اور میری ذات اس کو اپنی ذات سے زیادہ عزیز نہ ہو۔ دیلمی بیان کرتے ہیں کہ حضور گرامی ﷺ نے فرمایا:

جو اللہ کی محبت رکھتا ہے وہ قرآن کی محبت رکھتا ہے اور جو قرآن کی محبت رکھتا ہے وہ میری محبت رکھتا ہے اور جو میری محبت رکھتا ہے وہ میرے اصحاب اور قرابت داروں کی محبت رکھتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ

سرور عالم ﷺ نے فرمایا:

احبو الله لما يغذوكم من نعمته و احبوني لحب الله و احبو اهل بيتي لحبي. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سے محبت کرو کیونکہ اس نے تمہیں بے شمار نعمتیں عطا فرمائی ہیں اور خدا کی محبت کی بنا پر مجھ سے محبت کرو اور میری محبت کی وجہ سے میرے اہل بیت سے محبت کرو۔

جن لوگوں نے صحابہ کرام کو برا بھلا کہنا اور ان کی شان اقدس میں گستاخی و بے باکی کرنا اپنی زندگیوں کا مقصد سمجھ رکھا ہے۔ ان احادیث صحیحہ کی روشنی میں ان کو اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ اور فرمان نبوت کے مطابق رسول خدا ﷺ کی

عقیدت و محبت کے بغیر نہ تو دین مکمل ہو سکتا ہے اور نہ ہی انسان نجات پا سکتا ہے۔

محمدؐ کی محبت دین حق کی شرط اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

محبت کا صحیح معیار اور سچی علامت یہ ہوتی ہے کہ انسان جس سے محبت رکھتا ہے اس سے محبت و تعلق رکھنے والی ہر چیز اس کو محبوب ہو جاتی ہے۔ لہذا حضور سید عالم ﷺ سے محبت رکھنے والے حضرات کو آپ کی اولاد آپ کے اصحاب آپ کے ارشادات و افعال اور آپ کے شہر اور آپ کے وطن عزیز کو جان و دل سے محبوب رکھنا چاہیے۔ آنحضرت ﷺ کے اہل بیت کرام اور آپ کے صحابہ کرام کی محبت عین رسول پاک ﷺ کے اہل بیت کرام اور آپ کے صحابہ کرام کی محبت عین رسول پاک ﷺ کی محبت ہے اور ان حضرات کی عداوت عین پیغمبر خدا ﷺ کی عداوت ہے۔ ایمان و نجات کے لئے دونوں کی محبت کا ہونا ضروری و لازمی ہے۔ جس طرح نیکی اور برائی، سفیدی و سیاہی کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ایک دل میں حب اہل بیت اور بغض صحابہ جمع نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

لا يجتمع حب علي و بغض ابي بكر و عمر في قلب مومن.

یعنی حضرت مولیٰ علی مرتضی کرم اللہ وجہہ کی محبت اور شیخین ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا بغض کسی مومن کے دل میں جمع نہیں ہو سکتا۔

جناب رسالت مآب نے امت کے لئے اہل بیت کو کشتی نوح کا درجہ دیا۔

الا ان مثل اهل بيتي فيكم مثل سفينة نوح من ركبها نجا و من تخلف عنها هلك. (مسند امام احمد)

دیکھو! میرے اہل بیت کی مثال تم میں کشتی نوح کی طرح ہے جو اس میں سوار ہوا نجات پا گیا جو اس سے باہر رہا وہ غرق ہو گیا۔

اور اپنے اصحاب کو رشد و ہدایت کے روشن ستارے قرار دیا ہے۔

اصحابي كالنجوم فبايهم اقتديتم اهتديتم. (مشکوٰۃ)

یعنی میرے صحابہ (کرام) ستاروں کی مانند ہیں جس کی (ان میں سے) پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

نتیجہ صاف ہے کہ دریا کو کشتی کے بغیر عبور نہیں کیا جا سکتا اور کشتی کا ستاروں کی رہبری کے بغیر ساحل مراد تک پہنچنا ممکن نہیں ہے۔ تو لامحالہ تسلیم کرنا ہوگا کہ اھل بیت کی ارادات واحترام کی کشتی میں سوار ہونے کے بغیر اور ہدایت کے چمکتے ستاروں (صحابہ کرام) کی رہنمائی وہدایت کے بغیر ہم نجات حاصل نہیں کر سکتے۔ ایمان کی سلامتی اور نجات کے لئے ہدایت وبصیرت کی اس بے نظیر روشنی سے استفادہ حاصل کرنا لابدی ضروری ہے۔

اہل سنت کا ہے بیڑا پار اصحاب حضورؐ
نجم ہیں اور ناؤ ہے عترت رسول اللہ کی

الہ العالمین! اپنے حبیب لبیب ﷺ کی جوتیوں کے صدقہ میں ہمیں اھل بیت اطہار اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعظیم وتکریم اور ارادت ومحبت کے پاکیزہ جذبہ سے سرشار فرما! (آمین)

منافق کی نشانی

ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ سرور عالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اھل بیت سے بغض رکھتا ہے وہ منافق ہے۔ (رواہ احمد)

تین عظیم ترین باتیں

دیلمی نے روایت کیا ہے کہ معلم کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اپنی اولاد کو تین خصلتیں سکھاؤ:

۱- اپنے نبی کریم ﷺ کی محبت

۲- اور ان کے اہل بیت کی محبت

۳- اور قرآن پاک کی قرات

نجات کی دستاویز

معرفة ال محمد ﷺ براء ة من النار وحب آل محمد ﷺ جواز علی الصراط والولایة لال محمد امان من العذاب. (شفا شریف)

ترجمہ: اہل محمد ﷺ کے مقام کی پہچان دوزخ سے نجات ہے۔ آل محمد ﷺ کی محبت پل صراط کو عبور کرنا ہے اور آل محمد کی دوستی ورفاقت امن و امان کی دستاویز ہے۔

والذی نفسی بیدہ لا یبغضنا احد الا ادخلہ النار.

(مستدرک، حاکم، زرقانی)

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ جس کسی نے ہمارے اہل بیت سے بغض رکھا اللہ تعالیٰ نے اس کو جہنم میں داخل کیا۔

ان ارشادات نبوت سے ثابت ہوا کہ اہل بیت عظام کی سچی عقیدت اور مخلصانہ محبت ہی سرمایہ ایمان اور ذریعہ نجات ہے اور ان کی گستاخی و بے ادبی اور بغض وعداوت سراسر بے ایمانی اور موجب تباہی وہلاکت ہے۔

خاندان نبوت خلفائے راشدین کی نظر میں

خلفائے اسلام اھل بیت کو کس نگاہ احترام سے دیکھتے تھے اور ان کے دل ودماغ میں ان حضرات کی کس قدر تعظیم وتکریم اور محبت وشفقت تھی اس کا صحیح مقام معلوم کرنے کے لئے خلفائے راشدہ کے چند اقوال اور ان کے شفقت آمیز طرز عمل کے چند تاریخی حقائق پیش کیے جاتے ہیں جن سے منصف مزاج قارئین کرام کو اندازہ ہوگا کہ اکابر صحابہ کو اہلِ بیت سے کس قدر بے پناہ محبت وعقیدت تھی اور وہ اپنی پیاری چیز سے بھی کہیں زیادہ اہلِ بیت کو پیار اور محبت سمجھتے تھے۔

حضرت صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ)

والذی نفسی بیده القرابة رسول الله ﷺ احب الی من قرابتی. (بخاری)

اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے مجھ کو اپنے اقرباء سے حضور پرنور ﷺ کے اقرباء زیادہ محبوب ہیں۔

جب بارگاہ صدیقی میں جناب فاطمۃ الزہرؓا نے باغ فدک وغیرہ کا مطالبہ کیا تو مسند نشین خلافت جناب صدیق اکبرؓ نے جواب میں اپنے طرز عمل کی وضاحت فرماتے ہوئے اھل بیت کے متعلق اپنے پاکیزہ جذبات کی یوں ترجمانی فرمائی:

حضور کی محبوب بیٹیؓ! خدا کی قسم! میں اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے حضور اکرم ﷺ کے عزیزوں اور رشتہ داروں کو زیادہ محبوب رکھتا ہوں اور مجھ کو عائشہؓ سے زیادہ پیاری فاطمہؓ ہے۔ جس روز تمہارے والد حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے انتقال فرمایا تھا اس روز میں نے یہ آرزو کی تھی کہ مجھ کو بھی خدا موت دے دے اور میں حضور اقدسؐ کے بعد زندہ نہ رہوں گا۔ مگر کاش ایسا نہ ہو سکا۔

فاطمہؓ! کیا تم یہ خیال رکھتی ہو کہ میں تم سے واقف نہیں ہوں۔ تمہارے فضل و شرف سے آگاہ نہیں ہوں اور تمہارے حق سے بے خبر ہوں؟ ایسا نہیں، میں سب کچھ جانتا ہوں۔ بایں ہمہ میں نے تم کو حضور انور ﷺ کے ترکہ سے صرف اس بنا پر محروم کیا ہے کہ میں نے تمہارے والد حضور رسالتمآب ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''ہمارے مال کا کوئی وارث نہیں ہوتا، جو کچھ ہم (اپنے بعد) چھوڑیں صدقہ ہے۔ (بخاری، ابن سعد)

پیکر صدق و صفا حضرت صدیق اکبرؓ، ذات نبوی کے تعلق کی وجہ سے دونوں شہزادوں کے ساتھ بڑی محبت اور شفقت فرماتے تھے۔ حضرت عقبہ فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ عصر کی نماز پڑھ کر مسجد نبوی سے نکلے۔ راستہ میں حضرت حسنؓ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔

فحمله على عاتقه وقال بابی شبيه بالنبی ﷺ ليس شبيها بعلی وعلی يضحك. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت صدیق اکبرؓ نے انہیں اٹھا کر اپنے کندھے پر بٹھا لیا اور فرمانے لگے۔ قسم ہے! یہ نبی (علیہ السلام) کے مشابہ ہے علیؓ کے مشابہ نہیں۔ حضرت علی ہنسنے لگے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

حضرت فاروق اعظم خلافت کے جاہ وجلال اور حشمت وعظمت کے باوجود اھل بیت کے ساتھ بہت محبت آمیز سلوک فرماتے تھے اور ہمیشہ ان کی عزت وعظمت کا خاص خیال رکھتے تھے، چنانچہ جب بیت المال سے کبار صحابہ کے وظائف مقرر کیے تو گو حسنینؓ اکابر صحابہ کی صف میں نہ آتے تھے مگر محض نبیرہ رسول کی حیثیت سے انکا بھی پانچ پانچ ہزار ماہانہ وظیفہ مقرر فرمایا۔ (فتوح البلدان)

ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم منبر نبوی پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اہل فضل و کمال سے مسجد نبوی معمور تھی، اسی دوران میں حضرت امام حسینؓ تشریف لائے اور آپ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا! عمر! میرے باپ (رسول کریمؐ) کے منبر سے اتر آؤ اور اپنے باپ کے منبر پر بیٹھو۔ مسجد کے در و دیوار سناٹے میں آ گئے۔ خلیفۃ المسلمین نے آپ کے یہ کلمات کمال خندہ پیشانی سے سنے اور رسول محترم ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے خطبہ چھوڑ کر انتہائی شفقت سے اٹھا کر اپنے پاس منبر پر بٹھا لیا اور فرمایا، اے نبیرہ پاک صاحب لولاکؐ! میرے باپ کا تو کوئی منبر ہی نہ تھا۔ مجھ کو جو یہ جلیل القدر منصب ملا ہے یہ آپ کے باپ یعنی رسول مقبول ﷺ کی جوتیوں کی برکت سے ملا ہے۔ خطبہ تمام کرنے کے بعد حضرت امامؓ کو اپنے ساتھ گھر لیتے گئے۔ (اصابہ، صواعق محرقہ)

ایک مرتبہ شہزادہ کونین سیدنا امام حسینؓ۔ حضرت فاروق اعظمؓ کے در دولت پر تشریف لے گئے۔ اتفاق سے اس وقت آپ امیر شام سے کسی خاص معاملہ پر تبا

خیالات فرمارہے تھے۔ دروازہ پر حضرت ابن عمرؓ کھڑے تھے، آپ بھی انھیں کے پاس کھڑے ہوگئے اور تھوڑی دیر کے بعد واپس تشریف لے گئے۔ اسکے بعد جب فاروق اعظم سے ملاقات ہوئی۔ امیر المومنین نے پوچھا حسینؓ! تم وعدہ کے مطابق آئے، کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا امیر المومنین میں حاضر ہوا تھا مگر آپ اس وقت تنہائی میں امیر شام سے محو گفتگو تھے، اندر آنا مناسب نہ سمجھا اور آپ کے صاحبزادہ عبداللہ کے ساتھ تھوڑی دیر کھڑا رہا اور پھر انہیں کے ساتھ واپس لوٹ آیا۔ حضرت فاروق اعظم نے فرمایا آپ جیسی عزیز القدر ہستی اور عبداللہ کا کیا مقابلہ ہوسکتا ہے، اندر تشریف لے آتے، آپ ان سے زیادہ حق دار ہیں۔ خدا کی قسم! جو کچھ ہماری عزت ہے وہ خدا کے بعد آپ ہی حضرات کی دی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی بدولت ہمارے سروں پر بال اگائے۔ آپ کے طفیل راہ راست پائی اور آپ کی برکت سے اس بلند مقام کو پہنچے۔ ''اذا جئت فلا تستاذن'' حضرت آپ کے لئے اجازت کی ضرورت نہیں۔ آپ جب تشریف لایا کریں۔ بغیر اجازت آجایا کریں۔

(اصابہ، صواعق محرقہ)

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر بے حد مہربان تھے اور اپنے فرزندار جمند حضرت عبداللہؓ سے بھی زیادہ محبت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے، حالانکہ حضرت عبداللہ ان سے فضائل و کمالات میں کم نہ تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ مسجد نبوی میں حضرت عمرؓ مال غنیمت تقسیم فرمارہے تھے، حضرت امام حسنؓ تشریف لائے اور فرمایا اے امیر المومنین! ہمارا حق جو اللہ نے مقرر کیا ہے ہمیں عطا کرو! آپ نے فرمایا: بالبرکۃ والکرامۃ اور ایک ہزار درہم نذر کیے، ان کے جانے کے بعد حضرت امام حسینؓ تشریف لائے۔ آپ نے ان کو بھی ایک ہزار درہم دیئے۔ ان کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ تشریف لائے۔ آپ نے ان کو پانچ سو درہم دیئے۔ فاروق اعظم کے صاحبزادے عبداللہ نے جب یہ خصوصی امتیاز دیکھا تو کہا۔ ابا جان! یہ کیا انصاف ہے۔ میں بہت پہلے اسلام لایا۔ ہجرت کی شرافت بھی حاصل کر چکا ہوں اور کئی اسلامی معرکوں میں شامل ہو چکا ہوں اور حسنین کریمینؓ اس وقت بچے تھے اور مدینہ کی گلیوں میں کھیلا کرتے تھے۔ مگر آپ ان دونوں بچوں

کو مجھ پر ترجیح دیتے ہیں؟ انھیں ایک ایک ہزار کی گراں قدر رقم اور مجھے صرف پانچ سو درہم۔ فاروق اعظم نے فرمایا: اے جان پدر! مجھے تمہارے اس سوال سے بہت روحانی اذیت ہوئی۔ بیٹا! پہلے وہ مقام اور فضیلت تو حاصل کرو جوان شہزادوں کو حاصل ہے پھر ہزار درہم کا مطالبہ کرنا۔ جاؤ! پہلے انکے نانا جیسا نانا لاؤ، ان کی نانی جیسی نانی لاؤ، ان کے باپ جیسا باپ لاؤ۔ ان کی ماں جیسی ماں لاؤ۔ ان کے چچا جیسا چچا لاؤ۔ ان کی پھوپھی جیسی پھوپھی لاؤ۔ ان کے ماموں جیسا ماموں لاؤ۔ انکی خالہ جیسی خالہ لاؤ!

اے عبداللہ! خدا کی قسم میں جانتا ہوں تم ہرگز نہ لاسکو گے۔

ان کے نانا جان رسول اللہؐ ہیں، ان کے والدہ حضرت فاطمہؓ سیدہ النساء العالمین ہیں۔ ان کے باپ علی مرتضیٰؓ ہیں۔ ان کی نانی ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰؓ ہیں۔ ان کے ماموں رسول خدا کے صاحبزادے ہیں۔ انکی خالائیں سرور عالم ﷺ کی صاحبزادیاں حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ ہیں۔ انکے چچا حضرت جعفر طیارؓ ہیں اور ان کی پھوپھی حضرت ام ہانیؓ ہیں۔

پھر تم کس منہ سے انکی برابری کا دعویٰ کرسکتے ہو۔

مرحب سے پہلوان کو عمرؓ نے پچھاڑا ہے؟
کیا ترے باپ نے درخیبر اکھاڑا ہے؟

کاندھے پہ مصطفےٰ نے چڑھایا ہے کیا تجھے؟
جھولے میں حوروں نے جھلایا ہے کیا تجھے؟

علم نبی علی نے سکھایا ہے کیا تجھے؟
بیٹا نبی نے اپنا بنایا ہے کیا تجھے؟

جو کچھ کہا ہے تو نے یہ منہ کی بڑائی ہے
کیا تری ماں کو چادر تطہیر آئی ہے؟

جب اس حسن سلوک کی خبر حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا: میں نے حضور سید عالم ﷺ سے سنا ہے کہ (حضرت) عمر اہل جنت کے چراغ ہیں حضرت

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ یہ خبر سن کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دولت کدہ پر تشریف لائے اور فرمایا ، اے ابوالحسنؓ! کیا آپ نے خود سرورِ عالم ﷺ سے یہ سنا ہے کہ ''عمر اہل جنت کا چراغ ہے؟'' آپ نے فرمایا ہاں میں نے اپنے کانوں سے حضور ﷺ کو یہ ارشاد گرامی فرماتے ہوئے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا اے علیؓ! آپ اپنے ہاتھ سے یہ حدیث لکھ کر مجھے عنایت فرما سکتے ہیں؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کیوں نہیں؟ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے دست مبارک سے یہ تحریر لکھ کر حضرت عمرؓ کے حوالے کی:

هذا ما ضمن علی بن ابی طالب لعمر بن الخطاب عن رسول الله وعن جبریل عن الله تبارك وتعالىٰ ان عمر بن الخطاب سراج اهل الجنة. (الرياض النظرة، ازالة الخفا)

یہ وہ بات ہے جس کے ضامن علی بن ابی طالب ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عمر بن خطاب اہل جنت کے چراغ ہیں۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نجات کی یہ دستاویز لے کر خوش خوش واپس لوٹے اور گھر والوں کو تاکید فرمائی کہ جب میری وفات ہو تو اس تحریر کو میرے کفن میں رکھ دینا۔

جب میں مروں تو رکھنا کفن میں نوشت یہ
تحریر ہے علیؓ کی دلیل بہشت یہ
کچھ خوف قبر کا نہیں ہے مجھ حقیر کو
چٹھی میں یہ دکھاؤں گا منکر نکیر کو

چنانچہ جب آپ شہید ہوئے تو وہ کاغذ حسب وصیت آپ کے کفن میں رکھ دیا گیا۔

ایک دفعہ یمن سے حلے (قیمتی جبے) آئے تو حضرت عمر فاروقؓ نے تمام صحابہ میں بانٹ دیئے۔ اس وقت فاروق اعظمؓ گنبد خضرا اور منبر نبوی کے درمیان رونق افروز تھے۔ جب لوگ حلے پہن پہن کر سلامی کے لئے آنے شروع ہوئے تو ٹھیک اسی وقت حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ حضرت فاطمۃ الزہرؓا کے مکان سے باہر نکلے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے دونوں شہزادوں کو دیکھا۔ جب انہیں حلے پہنے نہ پایا تو آپ کو بہت ملال ہوا۔

آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ مجھے تم لوگوں کو حلے پہنا کر قطعاً مسرت نہیں ہوئی۔ پوچھا امیر المومنین! یہ کیوں؟ ارشاد فرمایا کہ ان دونوں صاحبزادوں کے جسم پر یمنی حلے نہیں ہیں۔ اس کے بعد فوراً حاکم یمن کو حکم صادر کیا کہ جلد سے جلد دو حلے ان شہزادوں کے شایان شان بھجواؤ۔ جب حلے آئے تو دونوں شہزادوں کو پہنائے۔ فرطِ مسرت سے آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور فرماتے تھے ہاں! اب مجھے سچی خوشی حاصل ہوئی ہے۔ (ابن عساکر)

....

قافلہ حجاز میں ایک حسینؓ بھی نہیں
گرچہ ہے تابدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات
عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدہ تصوات
صدق خلیل بھی ہے عشق صبر حسینؓ بھی ہے عشق
معرکہ وجود میں بدر وحنین بھی ہے عشق

حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ

پیکر علم وحیا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تو بات ہی کیا ہے۔ تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ آپ زندگی بھر ازواج مطہرات اور آپ کی ذریات طیبات سے احسان اور حسن سلوک کرتے رہے۔ اس مختصر صحبت میں ان کی تفصیلات ممکن نہیں۔

دامان نگاہ تنگ گل حسن تو بسیار

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ

خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما کو خاندان نبوت سے کتنی والہانہ عقیدت اور بے لوث محبت تھی۔ ان کی زندگی کا تنہا یہ واقعہ دل کی بینائی تیز اور بصیرت کی آنکھیں روشن کرنے کے لئے کافی ہے۔

حضرت عبداللہ بن حضرت حسن رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں اپنی کسی ضرورت کے

لئے بارگاہ خلافت میں حاضر ہوا، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فوری طور پر میری ضرورت کو پورا کیا اور خلوص بھرے لہجے میں مجھ سے فرمایا۔

اذا کان لك حاجه فارسل الی او اکتب فانی استحی من الله ان یراك علی بابی. (شفا شریف)

آپ کو جب کوئی حاجت ہو تو کسی خادم کو بھیج دیا کریں یا خط لکھ دیا کریں۔ مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ آپ کسی ضرورت کے واسطے میرے دروازے پر آیا کریں۔

....

اہل بیت نبوت اور اہل سنت والجماعت

اہل سنت کی جماعت حقہ کے خلاف آئے دن پراپیگنڈا ہوتا رہتا ہے کہ یہ لوگ اہل بیت کے دشمن ہیں اور ان کا تذکرہ جمیل پسند نہیں کرتے۔ ذیل میں ہم اہل سنت والجماعت کے ائمہ مجتہدین اور چند دیگر برگزیدہ شخصیتوں کے ارشادات عالیہ قلم بند کرتے ہیں، جس سے قارئین وسامعین حضرات کو واضح ہوگا کہ بفضلہ تعالیٰ اہل سنت اہل بیت عظام کے دل وجان سے غلام ہیں۔ ان کے اتباع کو نجات کا ذریعہ کامل اور ہدایت کا روشن چراغ سمجھتے ہیں۔ آپ کی اولاد کو اپنی جان اور اپنی اولاد سے زیادہ محبوب جانتے ہیں۔ اور ان کی محبت کو عین محبت رسولؐ اور ایمان کی جان خیال کرتے ہیں۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ

علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اہل بیت کی بہت ہی تعظیم وتکریم کرتے اور احترام سادات میں نہایت مبالغہ فرماتے تھے اور اکثر اوقات ان کی مالی امداد فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک حاجت مند سید زادے کو آپ نے دو لاکھ درہم عطا فرمائے۔ (کشاف)

تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے ذی علم احباب جانتے ہیں کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی

گرفتاری اور پھر جیل میں آپ کی شہادت یہ سب کچھ اہل بیت سے محبت کرنے اور ان کی موافقت میں فتویٰ دینے کا ردعمل تھا۔

چنانچہ جب حضرت سیدنا زین العابدین کے صاحبزادہ علی الشہید رضی اللہ عنہم نے بنی امیہ کی حکومت کے خلاف اعلان جہاد کیا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زید محمد نفس زکیہ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ فتویٰ دیا۔

کان ابوحنیفه یفتی سرا لوجوب نصة زید و حمل المال الیه. (مقدمہ ۳۶ روض)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پوشیدہ طور پر حضرت زید رضی اللہ عنہ کی امداد فرض ہونے کا فتویٰ دیتے تھے اور انکے پاس پوشیدہ طور پر مالی امداد بھی بھیجتے تھے۔

حضرت امام صاحب نے حضرت محمد نفس زکیہؓ کے ساتھ جہاد میں شریک ہونے کے متعلق یہ فتویٰ دیا:

خراجه ایضاهی خروج رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یوم بدر. (۲۶۰ روض)

حضرت زید رضی اللہ عنہ کا اس وقت اٹھ کھڑا ہونا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدر میں تشریف لے جانے کے مشابہ ہے۔

ایک شخص نے پوچھا: اس وقت حضرت محمد نفس زکیہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ میں شریک ہونا بہتر ہے یا خانہ خدا کا حج کرنا؟

حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت محمد نفس زکیہ رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینا پچاس حج سے بھی زیادہ فضیلت وثواب رکھتا ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحفہ اثنا عشریہ میں لکھتے ہیں: کہ جو صحبت وتلمذ اور علم وعرفان حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو حضرات ائمہ اہل بیت حضرت امام محمد باقر اور امام جعفر صادق اور زید بن علی بن حسین علیہم السلام سے حاصل ہو وہ بیان سے مستغنی ہے۔ خود حضرت امام صاحب نے اس کا اعتراف ان الفاظ میں فرمایا ہے:

لو لا ثنتان لَهَلَكَ النعمان.

اگر مجھے سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی فیض صحبت اور فیضان نظر نصیب نہ ہوتا تو میں (نعمان) ہلاک ہو جاتا۔

اہل سادات کی تعظیم وتکریم کے سلسلہ میں آپ کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ ایک مرتبہ ارباب علم وفضل کی محفل گرم تھی۔ مسند صدارت پر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ متمکن تھے، دوران گفتگو میں کئی بار کھڑے ہو جاتے اور پھر بیٹھ جاتے۔ بظاہر بار بار کھڑا ہونے کی وجہ معلوم نہ ہوتی تھی۔ اختتام مجلس پر ایک شخص نے اس تعجب خیز واقعہ کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

''میدان میں جو لڑکے کھیل رہے ہیں ان میں ایک سید زادہ ہے،
جب نگاہ اس پر پڑتی ہے تو تعظیما کھڑا ہو جاتا ہوں۔''

قدر والے جانتے ہیں قدر شان اہل بیت

ان ائمہ اہل بیت کی مجالس میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی حاضری کی کیفیت کیا ہوتی تھی اور آپ ان حضرات کا کتنا ادب واحترام کرتے تھے۔ اس کا صحیح نقشہ مورخین نے ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

قعد ابو حنیفه کالمستوفز معظما له.

امام ابو حنیفہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک بے چین اور مرعوب انسان کی طرح بیٹھا کرتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت امام صاحب کی فضیلت اور عظمت سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا دل معمور ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جب کبھی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے خطاب کرتے تو پورے خلوص قلب سے عرض کرتے۔

جعلت فداك!

میں حضور پر قربان جاؤں!

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

دنیا جانتی ہے کہ آپ کو اہل بیت اطہار سے بے پناہ محبت وارادت تھی اور آپ کی

سوانح حیات اس قسم کے گوہر ہائے شب چراغ کی روشنی سے بھر پور ہے، ان اوراق کی تنگی داماں اس تفصیل کی اجازت نہیں دیتی۔

وسعت دل ہے بہت وسعت صحرا کم ہے
اس لئے مجھ کو تڑپنے کی تمنا کم ہے

صرف ایک حیرت انگیز واقعہ عرض کرتا ہوں۔ اندازہ لگائیں کہ اہل سنت کے ائمہ حق خاندان نبوت کو کیسی عقیدت مندانہ نگاہوں سے تکتے تھے، اور انکے قلوب میں اہل بیت کرام کا کتنا ادب واحترام موجزن تھا،

اہل بیت اطہار کے چشم و چراغ محمد نفس زکیہ صلوٰۃ اللہ علیہ وعلیٰ آباء الکرام کی اعلانیہ امداد واعانت کے سلسلہ میں حکومت وقت نے آپ کے ساتھ انسانیت سوز برتاؤ کیا۔

چنانچہ خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی کے حکم سے جعفر بن سلیمان گورنر مدینہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے جسم نازنین پر سو کوڑے مروائے گئے اور حضرت والا کے مونڈھے سے ہاتھ اتروائے گئے، جس کی وجہ سے آخر عمر تک نہ ہاتھ پوری طرح اٹھا سکتے تھے اور نہ بدن پر چادر اپنے دست مبارک سے درست کر سکتے تھے، مار کی شدت جب نا قابل برداشت ہوگئی تو آپ بے ہوش ہوگئے۔ جب ہوش آیا تو زبان اقدس پر یہ دعا جاری تھی:

اللهم اغفرلهم فانهم لايعلمون.

پروردگار! ان لوگوں کو معاف فرما دیجئے کیونکہ یہ جانتے نہیں ہیں۔

سیاسی مصلحت اور بغاوت کے خوف کی بنا پر خلیفہ منصور نے آپ سے سیاسی معافی مانگی اور مدینہ کے اسی گورنر جعفر بن سلیمان کو گرفتار کروا کر سیدنا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ میرے گورنر نے آپ کے ساتھ جو بدسلوکی اور زیادتی کی تھی وہ سلیمان کا ذاتی فعل تھا۔ میں اس سے بری الذمہ ہوں، تاہم میں آپ سے معافی چاہتا ہوں، میں اس کو آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔ آپ جس طرح چاہیں اس بدبخت سے بدلہ لے سکتے ہیں۔

اس موقعہ پر امام اھل سنت جس عالی ظرفی اور بلندی کردار کا ثبوت دیا اس پر

دشمن بھی عش عش کر اٹھا۔ آپ نے فرمایا:

''خدا کی پناہ! قسم ہے رب محمد ﷺ کی! ہر کوڑا جو میرے بے گناہ جسم پر مارا گیا حضور سید عالم ﷺ کی قرابت کا خیال کر کے اسی وقت معاف کرتا چلا جاتا تھا۔'' (الدیباج المذہب ۴۸)

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

آپ اہل بیت کے سچے فدائی اور خادم تھے۔ اہل بیت کے فضائل وکمالات کا جس قدر مواد آپ کی کتابوں میں ملتا ہے کہیں اور موجود نہیں۔ آپ کی زندگی کا یہ روشن باب اکابرین اہل سنت کو مطعون کرنے والوں کے لئے سرمۂ بصیرت ثابت ہونا چاہئے کہ سادات کرام کا کوئی فرد خواہ بچہ ہو یا بوڑھا، عالم ہو یا جاہل آپ کی مجلس میں تشریف لاتا تو محبت رسولؐ میں سرشار امام صاحب اس سید کی تعظیم کیلئے کھڑے ہو جاتے تھے۔

(صواعق محرقہ)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

اہلِ بیت کی تعریف وتوصیف آپ کا وظیفۂ حیات تھا۔ آپ نے اہلِ بیت کی بارگاہِ عظمت مآب میں بارہا نظم اور نثر میں نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ سفر وحضر میں سادات کرام کی تعریف وتوصیف فرمایا کرتے تھے۔

يَا اَهْلَ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ حُبُّكُمْ
فَرْضٌ مِّنَ اللّٰهِ فِي الْقُرْاٰنِ اَنْزَلَهٗ

ترجمہ: اے اہلِ بیت رسول اللہ ﷺ آپ سے محبت رکھنا، اللہ نے قرآن میں جو اُس نے اتارا ہے فرض قرار دیا ہے۔

كَفَاكُمْ مِّنْ عَظِيْمِ الْقَدْرِ اِنَّكُمْ
مَنْ لَّمْ يُصَلِّ عَلَيْكُمْ لَا صَلٰوةَ لَهٗ

ترجمہ: تمہاری عظمت وشان کے لیے یہی کافی ہے کہ جس نے تم پر درود نہیں پڑھا اس کی نماز ہی قبول نہیں۔

قَالُوْا تَرَفَّضْتَ قُلْتُ كَلَّا
مَا الرِّفْضُ دِيْنِيْ وَلَا اِعْتِقَادِيْ

ترجمہ: بعض جاہلوں نے مجھ کو کہا کہ تُو رافضی ہو گیا ہے۔ حَاشَاءَ لِلّٰه میرا دین اور میرا اعتقاد رافضیوں کا سا نہیں ہے۔

حق کے علمبردار اور اسلام کے داعی امامِ اہل سنت، اہلِ بیت عظام کے متعلق کتنے پاکیزہ خیالات رکھتے ہیں اور کس قدر حب آلِ محمد ﷺ میں سرشار معلوم ہوتے ہیں۔ اس شعر کے تیور ملاحظہ فرمائیں:

اِنْ كَانَ رِفْضًا حُبُّ اٰلِ مُحَمَّدٍ
فَلْيَشْهَدِ الثَّقَلَانِ اَنِّيْ رَافِضٌ

ترجمہ: اگر اہلِ بیت نبوت سے محبت کرنے کا نام رفض ہے تو دونوں جہان گواہ رہیں کہ ان معنوں میں مَیں پکا رافضی ہوں۔ (سیرت الشافعی رحمۃ اللہ علیہ)

اہلِ بیت سے محبت کرنا رفض نہیں بلکہ رافضی وہ گستاخ اور بدبخت انسان ہے جو (خاکم بدہن) حضور ﷺ کی عظمت مآب ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اور اکابرِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو مسلمان ہی نہیں سمجھتا اور اہلِ بیت کی جھوٹی محبت کا دعویٰ تو کرتا ہے مگر عملاً اُن کا مخالف ہے۔

ہمارے علماء ومفتیانِ اہلِ سنت نے اُس شخص کو کافر کہا ہے جو کسی قاضی یا عالم یا فقیہہ یا سید کی توہین کرتا ہے۔ (طحطاوی)

از خدا خواہیم توفیقِ ادب
بے ادب محروم گشت از فضلِ رب

سید صحیح النسب اگرچہ علم سے تہی دامن اور میزانِ عمل میں ہلکا ہو، مگر نسبی شرافت کی وجہ سے وہ ادب وتعظیم اور محبت وشفقت کا مستحق ہے اور اُس کی اہانت اور گستاخی جناب سرورِ دو عالم ﷺ کی قلبی اذیت کا باعث ہے۔

چنانچہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لا یجوز للعالم والمتقی ان یصدر ای یَجْلِس مقدّما علی الامی والاب الامی لانه اساء ة فی الدین. (فیصلہ شرعیہ)

ترجمہ: کسی عالم یا پرہیز گار کے لیے جائز نہیں کہ وہ سید امی (ان پڑھ) یا باپ امی کے آگے بیٹھے۔ کیونکہ یہ مذہب و دین میں بے ادبی اور گستاخی ہے۔

سید کی تعریف

دراصل سید اُس خوش نصیب انسان کو کہتے ہیں جس کا شجرۂ نسب حسنین کریمین رضی اللہ عنہما تک پہنچتا ہو اور اُس کے افعال اور اعمال حد کفر وشرک تک نہ پہنچے ہوں کیونکہ آیتِ تطہیر کے لحاظ سے کوئی صحیح النسب سید کفر وشرک کی گندگی ونجاست سے آلودہ نہیں ہوسکتا۔ شرعی طور پر عزت وتعظیم کے وہی سید مستحق ہیں جو سرتاپا شریعت محمدیہ کا مجسمہ ہوں۔ افعالِ شنیعہ اور اعمالِ قبیحہ سے اُن کا دامن داغدار نہ ہو۔ اخلاقِ حمیدہ اور صفاتِ سعیدہ کی بولتی ہوئی تصویر ہوں۔ اپنے آباواجداد (رضی اللہ عنہم) کے مسلکِ حقہ پر سختی سے عمل پیرا ہوں۔ بیشک ایسے سید کی محبت اور تعظیم نجات کا ذریعہ اور اُس کی پیروی سلامتی ایمان کا موجب ہے اور اگر کوئی سید صحیح النسب ہو عقائد صحیحہ کا حامل ہو مگر علم وعمل کی حیثیت سے اپنے بزرگوں کا صحیح نمونہ نہ ہو تب بھی وہ اس شرافتِ نسبی کی وجہ سے محبت وتعظیم کا حق دار ہوگا۔ مگر اُس کے افعال غیر شرعیہ ہمارے لیے حجت نہیں اور اُن افعال غیر شرعیہ کی تقلید اور پیروی کسی مسلمان کے لیے کسی حالت میں جائز نہ ہوگی۔

اس پُرفتن زمانہ میں نیک وبد، حق وباطل اور سید وغیر سید کی شناخت نہایت ضروری ہے۔ آج کل ہر شخص کے دل میں سید بننے کی خواہش کروٹ لے رہی ہے۔ حالانکہ اسلامی عدالت میں یہ ایک بدترین جرم ہے کہ کوئی شخص اپنا نسب تبدیل کرے اور غیر باپ کو

اپنا باپ بنائے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جو شخص اپنا نسب غیر شخص کی طرف منسوب کرے اُس پر خدا، فرشتوں، جنوں اور انسانوں کی لعنت ہے اور وہ میری شفاعت سے بھی محروم ہے۔“

ظاہر ہے کہ جو شخص غیر سید ہوکر اپنے آپ کو سید کہلوا رہا ہے تو وہ بھی اپنے حقیقی باپ کو چھوڑ کر کسی سید کو اپنا باپ مقرر کر رہا ہے۔

مملکتِ پاکستان میں بھی ایسے لوگوں کی اکثریت موجود ہے جو درحقیقت سید نہیں، مگر وہ اپنے آپ کو سید ظاہر کرکے قوم کے مال ومتاع اور اسلام وایمان کی دولت کو دن رات لُوٹ رہے ہیں۔ بیشک ملت اسلامیہ کی تابندہ پیشانی پر یہ ایک بدنما دھبہ ہے جس کو جتنی جلدی ہوسکے دور کردینا چاہیے۔

سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ منزلِ عرفان میں رونق افروز ہونے سے پہلے فنونِ سپہ گری میں یکتائے زمانہ تھے اور اسی فن نے اُنہیں شاہی دربار تک پہنچادیا۔ ایک مرتبہ ایک دبلا پتلا شخص دربارِ شاہی میں آیا اور اس نے کہا ظلِ الٰہی! میں نے تمہارے پہلوان جنید رحمۃ اللہ علیہ کی بہت شہرت سنی ہے میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ آپ اجازت بخشیں تاکہ میں اُس سے کشتی لڑوں۔ بادشاہ اور ارکانِ حکومت حیرت سے اُس کا منہ دیکھنے لگے کہ یہ کیا کہہ رہا ہے۔ جنید رحمۃ اللہ علیہ جیسے شہرۂ آفاق پہلوان سے کشتی لڑنے کی خواہش۔ سبحان اللہ!

آخرکار اُس شخص کے بے حد اصرار کی وجہ سے بادشاہ نے اجازت دے دی۔ جب حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ خم ٹھونک کر مقابل ہوئے تو اس شخص نے کشتی لڑنے سے پہلے جنید رحمۃ اللہ علیہ کے کان میں کہا کہ ”میں سید ہوں اور سخت محتاج ہوں۔“

کشتی شروع ہوگئی۔ تماشائیوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں جب انہوں نے دیکھا کہ زمانہ کا یہ نامی گرامی پہلوان چاروں شانے چت زمین پر پڑا ہے اور وہ دبلا پتلا شخص

اس کی چھاتی پر بیٹھا ہوا ہے۔ بادشاہ کو سخت حیرت ہوئی کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ چنانچہ اس نے تین بار کشتی کرائی نتیجہ وہی ظاہر ہوا۔ آخر بادشاہ نے اس کو انعام دے کر رخصت کیا اور تنہائی میں حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی وجہ دریافت کی۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے وجہ بیان کر دی۔ بادشاہ بہت متعجب ہوا اور اُن کی اس بہادری اور جرأت کی بہت تعریف کی کہ مجمعِ عام میں ایک سید کی عزت کے لیے تم نے کس قدر ذلت اور توہین برداشت کی۔ اُسی شب جمالِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے۔ ذرہ کو آفتاب بنانے والے آقا نے فرمایا: شاباش اے جنید رحمۃ اللہ علیہ! آج تو نے میرے بیٹے کی عزت افزائی کر کے دو جہان کی نعمتوں سے اپنا دامن مالا مال کر لیا ہے۔ تو نے میری اولاد کو عزت کی نگاہ سے دیکھا، کائنات کا ذرہ ذرہ تیری عزت کرے گا۔

دوسرے روز آپ شاہی ملازمت سے الگ ہو گئے اور اپنے ماموں حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ بیعت میں شامل ہو گئے۔ (تذکرۂ غوثیہ)

نگاہِ نبی میں یہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

اَلْعَظَمَۃُ لِلّٰہِ! ایک سیدزادہ کی عزت و تعظیم سے حضرت جنید عظمت و رفعت کے عرشِ عظیم اور علم و عرفان کے سدرۃ المنتہیٰ پر جلوہ فگن ہو گئے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ مکتوبات شریف میں ارقام فرماتے ہیں کہ

''اللہ تعالیٰ کے وصل اور وصال کے دو طریقے اور راستے ہیں ایک نبوت کا طریقہ اور ایک ولایت کا راستہ۔ نبوت کا طریقہ حضرت ختمی مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا۔ دوسرا طریقہ ولایت کا ہے اور یہ منصب جلیل حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی ذات گرامی سے متعلق ہے۔ جب

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دور ختم ہوا تو یہ عالی منصب حسنین کریمین رضی اللہ عنہما ان کے بعد دوازدہم امام کو بالترتیب عطا ہوا۔ حتیٰ کہ حضور غوث الثقلین رحمۃ اللہ علیہ کا دور ہمایونی آیا تو یہ رفیع الشان منصب اصالۃً آپ کو تفویض ہوا، اور یہ دولت سرمدیہ آپ کے بعد کسی کو اصالۃً حاصل نہیں ہوئی۔''

انہی مکتوبات شریف میں اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ میں فرماتے ہیں کہ ''میرے والد محترم ہمیشہ اہلِ بیت اطہار سے ظاہری و باطنی طور پر محبت کرنے کی ترغیب دیا کرتے تھے اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ سلامتی خاتمہ محبت اہل بیت پر منحصر ہے۔ والد محترم کی وفات کے وقت میں نے یہ بات یاد دلائی اور عرض کیا: قبلہ! آپ کا خاتمہ کیسے ہو رہا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ بیٹا احمد! ایمان سلامت لے جا رہا ہوں اور اہلِ بیت کی محبت میں مستغرق ہوں۔'' اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلًا وَّ اٰخِرًا۔

وگویم چگونہ عدم محبت اہلِ بیت برحق اہلِ سنت گمان بردہ شود کہ آں محبت نزد ایں بزرگواراں جزو ایمان است و سلامتی خاتمہ را بر شیوخ آں محبت مربوط ساختہ اند۔ محبت اہلِ بیت سرمایۂ اہلِ سنت است مخالفان ازیں معنی غافل اند و از محبتِ ایشاں جاہلِ جانب افراط را خود اختیار کردہ اند و ماوراء افراط را تفریط انگاشتہ حکم بخروج نمودہ اند و مذہب خوارج انگاشتہ اند، نہ دانستہ اند کہ درمیان افراط و تفریط حدیست وسط کہ مرکزِ حق است و موطنِ صدق کہ نصیب اہلِ سنت گشتہ است شکر اللہ تعالیٰ سعیہم۔ (مکتوبات شریف، جلد: ۲، صفحہ: ۳۶)

ترجمہ: ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ گمان کیسے کیا جاتا ہے کہ اہلِ سنت کو اہلِ بیت سے محبت نہیں۔ جب کہ یہ محبت ان بزرگوں کے نزدیک جزوِ ایمان ہے اور خاتمہ کی سلامتی اس محبت کے راسخ ہونے پر موقوف ہے اہلِ بیت کی محبت تو اہلِ سنت کا قیمتی سرمایہ ہے مگر مخالفین اس حقیقت سے

غافل اور اہلِ بیت کی محبت متوسطہ سے جاہل ہیں۔ انہوں نے جانبِ افراط کو خود اختیار کیا ہے اور افراط کے ماسوا کو تفریط خیال کر کے خروج کا حکم لگا دیا اور سب کو خارجی سمجھ لیا۔ یہ نہیں جانتے کہ افراط و تفریط کے درمیان ایک حد وسط ہے، جو مرکزِ حق اور موطنِ صدق ہے اور جو اللہ کے فضل و کرم سے اہلِ سنت کو حاصل ہوئی ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

غلامِ حلقہ بگوشِ رسولِ ساداتم
زہے نجات نمودن حبیب و آیاتم
ز غیر آلِ نبی حاجتے اگر طلبم
روا مدار کسے از ہزار حاجاتم
دم ز عشقِ محمد پُر است و آلِ مجید
گواہ حالِ من است ایں ہمہ حکایاتم
چو ذرہ ذرہ شود ایں تنم بخاکِ لحد
تو بشنوی صلوات از جمیع ذراتم
کمینہ خادمِ خُدّامِ خاندانِ تو ام
ز خادمی تو دائم بود مباہاتم
سلام گویم و صلوٰۃ برتو ہر نفسے
قبول کن بہ کرم ایں سلام و صلواتم

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ

فَلَا تَعۡدِلۡ بِاَهۡلِ الۡبَیۡتِ خَلۡقًا

فَاَهۡلُ الۡبَیۡتِ هُمۡ اَهۡلُ السِّیَادَةِ

ترجمہ: اہلِ بیت کرام کے ساتھ کسی مخلوق کو برابر نہ سمجھو۔ کیونکہ تمام روحانی سعادتیں اہلِ بیت ہی کا حصہ ہیں۔

فَبُغۡضُهُمۡ مِنَ الۡاِنۡسَانِ خُسۡرٌ
حَقِیۡقِیٌّ وَ حُبُّهُمۡ عِبَادَةٌ

ترجمہ: ان کی دشمنی اور عداوت میں انسان کے لیے سراسر خسران و ہلاکت ہے اور اُن کی محبت و عقیدت سراپا عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔

(درالاصداف للغزانی)

حضرت ملا جامی رحمۃ اللہ علیہ

خوشا مسجد و منبر و خانقاہے
کہ دروے بود قیل و قالِ محمد
بصدق و صفا می تواں گشت جامی
غلامِ غلامانِ آلِ محمد

حضرت معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ

شاہ است حسینؓ شہنشاہ است حسین
دین است حسین دین پناہ است حسین
سر داد و نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

حضرت شیخ اماں پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

سرمایۂ درویشی پیش ما دو چیز است ۔ تہذیبِ اخلاق ومحبتِ خاندان پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) (اخبارالاخیار)

ترجمہ: صوفیائے کرام کے نزدیک سرمایہ درویشی (صرف) دو چیزیں ہیں۔
تہذیب اخلاق اور اہلِ بیت نبوت سے سچی محبت۔

چنانچہ آپ سادات کرام کی بے حد تعظیم وتکریم فرمایا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ درس و تدریس کے وقت بھی کسی سیدزادے لڑکے کو دیکھ لیتے تو فوراً احتراماً کھڑے ہو جاتے اور جب تک وہ صاحبزادہ نظروں کے سامنے رہتا ہرگز نہ بیٹھتے۔ (اخبارالاخیار)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

''میں نے ہمیشہ ارواح اہلِ بیتِ نبوت کو حظیرۃ القدس میں بوجوہ اتم واجمل کیفیت میں مشاہدہ کیا ہے اور اچھی طرح معلوم ہوا کہ اہلِ بیت کرام کی تنقیص وتوہین کرنے والا سخت نقصان اور سراسر خطرے میں ہے۔ (تفہیمات)

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

تحفۂ اثنا عشریہ میں لکھتے ہیں:

صوفیائے اہلِ سنت والجماعت کے تمام سلسلے طریقت میں ائمہ اہلِ بیت کرام پر ختم ہوتے ہیں۔ لہٰذا اہلِ بیت کے یہ تمام ائمہ اہلِ سنت کے پیرومرشد ٹھہرے اور اہلِ سنت کے نزدیک پیرومرشد کی عظمت وجلالت اور اُن سے عقیدت ومحبت کا یہ عالم ہے کہ وہ پیرو مرشد کی عداوت واہانت کو ارتدادِ طریقت جانتے ہیں۔ ازروئے انصاف اندازہ لگائیں کہ اس علاقہ اور اِس نسبت سے اہلِ سنت کے خواص وعوام کو اہلِ بیتِ نبوت سے کس قدر

عقیدت ومحبت ہوگی۔

لہٰذا یہ کہنا کہ اہلِ سنت کو خاندانِ نبوت سے بغض وعناد ہے سراسر ظلم اور حد درجہ کی بے انصافی ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی نور کو ظلمت اور آفتاب کو تاریک کہے۔

حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحق بنی فاطمہ
کہ بر قولِ ایماں کنی خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی ور قبول
من و دست و دامانِ آلِ رسول

امامِ اہلِ سنت حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

کیا بات رضا اُس چمنستانِ کرم کی
زہرا ہے کلی جس میں حسین اور حسن پھول
تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تُو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانہ نور کا

حضرت حسن رضا البریلوی رحمۃ اللہ علیہ

کس زباں سے ہو بیانِ عزوشانِ اہلِ بیت
مدح گوئے مصطفیٰ ہے مدح خوانِ اہلِ بیت
باغِ جنت چھوڑ کر آئے ہیں محبوبِ خدا
اے زہے قسمت تمہاری کشتگانِ اہلِ بیت

حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

اے دل بگیر دامنِ سلطان اولیاء
یعنی حسین ابن علی جانِ اولیاء

قطبِ عالم حضرت مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ

مہر علی ہے حبِ نبی اور حبِ نبی ہے مہر علی
لَحْمُکَ لَحْمِیْ جِسْمُکَ جِسْمِیْ فرق نہیں مابین پیا

جناب بیدم صاحب وارثی رحمۃ اللہ علیہ

شگفتہ گلشنِ زہرا کا ہر گلِ تر ہے
کسی میں رنگ علی ہے کسی میں بوئے رسول

جناب محمد علی صاحب جوہر رحمۃ اللہ علیہ

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

ترجمانِ حقیقت ڈاکٹر محمد اقبال صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مریم از یک نسبتِ عیسیٰ عزیز
از سہ نسبت حضرتِ زہرا عزیز

نورِ چشمِ رحمۃ للعالمین
آں امامِ اوّلین و آخرین
بانوئے آں تاجدارِ ھَلْ اَتٰی
بو الحسن خیبر شکن شیرِ خدا
مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق
مادرِ آں قافلہ سالارِ عشق
بر زمین کربلا بارید و رفت
لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت
بہر حق در خاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے لا الٰہ گردیدہ است
سرِّ ابراہیم و اسماعیل بود
یعنی آں اجمال را تفصیل بود

آں امامِ عاشقاں پورِ بتول
سروِ آزاد و بستانِ رسول
بہر آں شہزادۂ خیرُ الملل
دوشِ ختم المرسلیں نعم الجمل
نقش الا اللہ بر صحرا نوشت
سطرِ عنوانِ نجاتِ ما نوشت
در نوائے زندگی سوز از حسین
اہلِ حق حریت آموز از حسین
تار ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز
زندہ از تکبیر او ایماں ہنوز

دعوتِ فکر

قارئینِ کرام! یہ اہلِ سنت والجماعت کے خلفائے اسلام، ائمہ مجتہدین اور اُن کی برگزیدہ علمی اور ادبی شخصیتوں کے چند زریں اقوال تھے جو پیشِ خدمت کیے گئے ہیں۔ جن سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہوتا ہے کہ اہلِ سنت کی پاکیزہ جماعت کس قدر اہلِ بیت کی ادب و تعظیم کرتی ہے اور اُن کے دل و دماغ میں اہلِ بیت کی محبت و ارادت کا بحرِ ذخار موجیں لے رہا ہے۔

مصنف شہیدِ کربلا

اہلِ بیت نبوت کی محبت ایک ایسا امر ہے، جس کے بغیر ایمان کی حقیقت ایک جسد بے روح کی سی ہے۔ اہلِ بیت کی تعظیم و توقیر اور اُن کی رضا اور محبت حقیقتاً حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ادب و تعظیم اور رضا اور محبت کا درجہ رکھتی ہے۔ اہلِ بیت کی حقیقی اقتدا اور سچی پیروی موجبِ نجات اور اُن کی بے حرمتی و بے عزتی باعثِ زوالِ ایمان ہے۔ اہلِ بیت کے حریمِ قُدس کی دریوزہ گری کے بغیر کوئی شخص منزلِ عرفان تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا۔ اہلِ بیت کی کتابِ زندگی مسلمانوں کے لیے اعلیٰ اور عمیق لائحہ عمل کی حیثیت رکھتی ہے۔ خصوصاً کربلا کا شہیدِ اعظم، رشد و ہدایت اور حق و صداقت کا وہ نیرِ اعظم تھا کہ جب وہ اُفقِ شہادت کی بلندیوں پر چمکا تو ساری فضا حق کے نور سے معمور اور اسلام کی روشنی سے بھرپور ہوگئی۔

دلِ کائنات اس روشن حقیقت کو کیونکر فراموش کرسکتا ہے کہ شہیدِ کربلا نے بھوک کی تکلیف، تشنگی کی اذیت، عصمت مآب بیٹیوں اور بہنوں کی توہین قتل کی سختی اپنے لیے اور اپنے دل کے ٹکڑوں اور اپنے عزیز دوستوں کے لیے کمال خندہ پیشانی سے گوارا کرلی لیکن وقت کی ظالمانہ، غیر اسلامی عظمتوں اور حشمتوں کے تخت و تاج کے سامنے سرِ اقدس نہ جھکایا اور اسلام کی عظمت و حقانیت کے مقابلہ میں طاغوتی نظام کو ایک لمحہ کے لیے بھی تسلیم نہ کیا۔

کون کہتا ہے کہ اسلام کی ترقی اور اس کی مثالی زندگی ظلم کی تلواروں اور جبر و اکراہ کے تیروں کی رہینِ منت ہے۔ شمس و قمر کی نورانی کرنیں گواہ ہیں کہ چمنستانِ اسلام کی یہ مسرت زا تر و تازگی اور روح پرور بہاریں صرف اولیاء کرام کی بے لوث خدمت اور شہدائے کرام کے مقدس خون کا نتیجہ ہے۔

الٰہ العالمین! اپنے محبوبِ یکتا کے رُخِ انور کا صدقہ! اپنی اور اپنے محبوبِ محترم کی محبت ہمارے رگ و ریشہ میں پیدا فرمادے۔ امینِ نبوت کے مخلص ساتھیوں اور مقرب اہلِ بیت (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کی الفت و محبت کا جذبۂ صادق اور پُرخلوص ادب و تعظیم سے ہمارے دلوں کو نشاط اندوز فرما۔ نعم الوکیل! اہلِ سنت والجماعت کے عقائدِ صحیحہ اور اعمال حقہ پر ہمارا خاتمہ فرما۔

و صلى الله تعالى عليه و عليهم و على جميع اخوانه من الانبياء والمرسلين والملائكة المقربين و على سائر عباد الله الصالحين اجمعين، آمين.

❁❁❁❁

حضرت حسین بن علی علیہ السلام

نام ونسب

آپ کا اسمِ گرامی حسین، ابوعبداللہ کنیت، سید شباب اہل الجنۃ اور ریحانۃ النبی لقب تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ بتول فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا جگر گوشہ رسول ﷺ تھیں اور آپ کے پدر بزرگوار ابوالحسن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ابن عم رسول تھے۔ نسبی شرافت اور خاندانی وجاہت کے جس اُفق پر نظر ڈالی جائے آپ آسمانِ فضائل کے آفتاب و ماہتاب نظر آتے ہیں۔ شجرۂ طیبہ یہ ہے:

حسین بن علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف قرشی۔

دل وجاں بادفدایت چہ عجب خوش لقبی ست

ولادت باسعادت

امام حسین علیہ السلام ابھی دنیا میں تشریف فرما نہیں ہوئے تھے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نے ایک رات حیرت انگیز اور ڈراؤنا خواب دیکھا۔ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اس نیک دل خاتون نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے ایک ہولناک خواب دیکھا ہے کہ ''کسی نے آپ کے جسم اطہر کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں رکھ دیا ہے۔''

حضور ﷺ نے فرمایا: یہ خواب تو بہت مبارک اور حسین ہے۔

تَلِدُ فَاطِمَةُ اِنْشَاءَ اللّٰهُ غُلَامًا يَكُوْنُ فِيْ حَجْرِكَ.

ترجمہ: انشاء اللہ میری فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا، اور اے ام الفضل! تم اُس کو اپنی گود میں پرورش کروگی۔ (مستدرک حاکم جلد: ۳، صفحہ: ۱۷۶)

چند دنوں کے بعد مدینہ طیبہ کے باشندوں نے اس ناگوار خواب کی خوشگوار تعبیر اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ یعنی ۵ شعبان ۴ھ بمطابق ۵ جون ۶۲۶ء بروز منگل کو عرشِ شہادت کے مسند نشیں، دوشِ نبوت کے شہسوار، انسانیت کے محسنِ اعظم کی ولادت سے علی المرتضیٰ کا کاشانۂ اقدس رشکِ فردوس بنا۔ وہ ذات ستودہ صفات ظہور میں آئی جس کی شہادتِ عظمیٰ کی بدولت خیر وشر، نیکی وبدی، اور حق و باطل میں امتیاز ہونے والا تھا اور جن کے ایثار اور خلوص کے صدقے ریگستانِ کربلا کا ذرہ ذرہ قرآنِ عظیم کی عملی تفسیر پیش کرنے والا تھا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت کی خبر سن کر تاجدارِ دوعالم ﷺ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے دولت کدہ پر تشریف لائے۔ خوشی سے چہرۂ اقدس بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ فرمایا: میرا بیٹا مجھے دکھاؤ۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا آپ کو لے کر آئیں اور حضرت امام کو آغوشِ رسالت میں دے دیا۔ سرکارِ دوعالم ﷺ نے محبت بھری نظروں سے دیکھا اور زبانِ وحی ترجمان سے آپ کے کانوں میں اذان اور تکبیر فرمائی۔ اس طرح گویا زینت بخشِ عالم ہوتے ہی خود زبانِ نبوت نے آپ کے کانوں میں توحید و رسالت کا لاہوتی صور اس شان سے پھونکا کہ رہتی دنیا تک آپ کے نام اور مقام کو دوام کی دولت عطا کردی۔ درحقیقت یہ اُسی نطقِ قدسی کا اثر تھا کہ

سر داد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسین

حسین نام تجویز فرمایا اور بیٹی کو عقیقہ کرنے اور بچے کے بالوں کے ہم وزن چاندی خیرات کرنے کا حکم فرمایا۔ (مستدرک حاکم)

گیتی پہ عرش کی جونشانی تھاوہ حسین

جو صاحبِ مزاجِ نبوت تھا وہ حسین
جو وارثِ ضمیرِ رسالت تھا وہ حسین
جو خلوتیِ شاہدِ قدرت تھا وہ حسین
جس کا وجود فخرِ مشیت تھا وہ حسین
سانچے میں ڈھالنے کے لیے کائنات کو
جو تولتا تھا نوکِ مژہ پر حیات کو
جو کاروانِ عزم کا رہبر تھا وہ حسین
خود اپنے خون کا جو شناور تھا وہ حسین
اک دینِ تازہ کا جو پیمبر تھا وہ حسین
جو کربلا کا داورِ محشر تھا وہ حسین
جس کی نظر پہ شیوۂ حق کا مدار تھا
جو روحِ انقلاب کا پروردگار تھا

بے پناہ محبت

سرورِ دوعالم ﷺ کو حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے ساتھ جو والہانہ محبت اور پدرانہ شفقت وپیار تھا وہ کم خوش قسمت انسانوں کے حصہ میں آیا ہوگا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑے ناز ونعم اور شوق ودلچسپی سے اُن کی تربیت فرمائی۔

خورشید، آسمان و زمین، نورِ مشرقین
پروردۂ کنارِ رسولِ خدا، حسین

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کبھی آغوشِ رسالت میں آرام فرما نظر آتے اور کبھی دوشِ

نبوت پر جلوہ فرما ہوتے۔ تقریباً روزانہ آپ دونوں شہزادوں کو دیکھنے کے لیے فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جاتے اور فرماتے میرے بیٹوں کو لاؤ۔ پھر آغوش میں لیتے چومتے، سینے سے لگاتے، پیار کرتے اور ان کے پاکیزہ جسم کو وفورِ محبت سے سونگھا کرتے تھے۔

حسنین کریمین رضی اللہ عنہما بھی آپ سے بے حد مانوس وشوخ تھے۔ کبھی نماز کی حالت میں پشت مبارک پر چڑھ جاتے، کبھی رکوع میں ٹانگوں کے درمیان گھس جاتے، کبھی آگے سے نکل جاتے، کبھی ریش مبارک سے کھیلتے، لیکن حضور ﷺ کو ان مہ پاروں سے اتنی محبت تھی کہ آپ نہایت پیار ومحبت سے ان طفلانہ شوخیوں اور معصومانہ حرکتوں کو برداشت فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ ان کی شوخیوں پر اپنی عبادت میں بھی رعایت فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک صحابی اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ سرورِ عالم ﷺ عشاء کی نماز کے لیے مسجد میں اس شان سے تشریف لائے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ آپ کے کندھوں پر سوار تھے۔ محبوبِ خدا (علیہ السلام) نے اُنہیں اپنے پاس بٹھا کر نماز شروع کر دی۔ جب آپ سجدے میں گئے تو بڑی دیر تک سجدے سے سر نہ اٹھایا۔ میں نے سجدے سے سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ سجدے میں جھکے ہوئے ہیں اور دونوں شہزادے پشت مبارک پر سوار ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر میں پھر سجدے میں جھک گیا۔ جب نماز ختم ہوئی تو لوگوں نے عرض کی: یارسول اللہ! ایک سجدہ خلافِ معمول بہت طویل ہو گیا تھا۔ ہمارا خیال ہے کہ شاید اس دوران میں وحی نازل ہوتی رہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بات نہ تھی بلکہ میرے دونوں بیٹے میری پشت پر سوار ہو گئے تھے۔ میں نے اس خیال سے سجدہ کو طول دے دیا کہ جب تک یہ خود نہ اُتریں سر سجدے سے نہ اُٹھایا جائے۔ (مسند امام احمد)

بہر آں شہزادۂ خیر الملل
دوش ختم المرسلین نعم الجمل

حسین رضی اللہ عنہ مجھ سے ہے

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ ایک دن حضور اکرم ﷺ مسجد نبوی میں جلوہ

افروز تھے۔ اتنے میں حضرت حسین ؓ تشریف لائے اور حضور ﷺ کی گود میں بیٹھ گئے آپ ﷺ نے حسین ؓ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا:

حسین منی و انا من حسین حب الله من احب حسینا.

(رواہ الترمذی)

ترجمہ: حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں جو شخص حسین کو دوست رکھتا ہے خدا اس کو دوست رکھتا ہے۔

اس لیے کہ حسین ؓ کی محبت رسول خدا ﷺ کی محبت ہے اور رسول خدا کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت ہے۔ اس حدیث سے حضرت امام حسین ؓ کی کمال تعریف اور نہایت فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ محبوبِ خدا ﷺ مسجد میں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اتنے میں دونوں شہزادے سرخ قمیص پہنے ہوئے خراماں خراماں آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ سرکار انہیں دیکھ کر منبر سے نیچے اُتر آئے اور دونوں کو گود میں لے کر اپنے سامنے بٹھالیا اور حاضرین سے فرمایا اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے کہ مال اور اولاد انسان کے لیے فتنہ اور امتحان ہوتے ہیں۔ میں نے ان بچوں کو گرتے پڑتے دیکھا تو ضبط نہ کرسکا اور خطبہ چھوڑ کر ان کو اٹھالیا۔ (ترمذی)

و کشفه فاذا الحسن والحسین علی ورکیه.

ترجمہ: حضور ﷺ نے چادر ہٹائی تو دیکھا حسن حسین ؓ آپ کے پہلوؤں سے چمٹے ہوئے ہیں۔

پھر سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا: اسامہ ؓ! یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری لختِ دل فاطمہ ؓ کے بیٹے ہیں۔

اللھم انی احبهما فاحبهما و احب من یحبهما. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: اے اللہ! میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں اس لیے تو بھی محبوب رکھ اور ان کے محبوب رکھنے والوں کو بھی محبوب رکھ۔

ایک مرتبہ حضور سرورِ دو عالم ﷺ سیدہ خاتونِ جنت کے کاشانۂ اقدس کے قریب سے گذر رہے تھے کہ آپ نے حضرت حسین ؓ کے رونے کی آواز سنی۔ بے قرار ہو گئے۔ بے تابی سے گھر کے اندر تشریف لے گئے اور لاڈلی بیٹی سے فرمایا: فاطمہ ؓ! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حسین ؓ کے رونے سے مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے؟

کنز المعارف میں حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ ایک دن حبیب خدا ﷺ حضرت حسین ؓ کو دائیں طرف اور اپنے لختِ جگر حضرت ابراہیم ؓ کو بائیں طرف بٹھائے ہوئے اظہارِ محبت فرما رہے تھے کہ روح الامین حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور سلام کے بعد عرض کیا: حضور! یہ دونوں شہزادے دنیا میں جمع نہ ہوں گے۔ آپ ان دونوں میں سے ایک کو منتخب فرمالیں۔ آپ نے دونوں شہزادوں کو محبت بھری نگاہ سے دیکھا اور سیدنا حسین ؓ کو سینے سے لگالیا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت ابراہیم ؓ بیمار ہو گئے اور تین دن کے بعد آنحضرت ﷺ سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئے۔ اس قربانی کے بعد ہم نے یہ دیکھا کہ جب امام حسین ؓ حضور ﷺ کے پاس آتے تو آپ اہلاً و سہلاً کہہ کر ان کی پیشانی کا بوسہ لیتے اور فرماتے:

"یہ میرا وہ بیٹا ہے جس پر میں نے اپنے لختِ جگر ابراہیم ؓ کو قربان کیا۔"

پیغمبری کو ناز ہے اپنے حسین پر

اگر چشمِ دل وا اور دیدۂ حق بیں کور نہ ہو تو صرف اسی ایک روایت سے حضرت حسین ؓ کی رفیع المرتبت شخصیت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ درحقیقت یہ انتخاب ایک بلند و بالا انسان کے محیر العقول کارناموں کا انتخاب تھا اور حضرت حسین ؓ نے حق و صداقت، عزم و استقلال، توکل و اخلاص، صبر و رضا، جرأت و بسالت، ایمان و عمل، ایثار و قربانی، ثابت قدمی و اولوالعزمی، حق پرستی اور راستبازی کا ایک عدیم النظیر اُسوۂ حسنہ پیش کر کے ثابت کر دیا کہ درحقیقت وہ اس انتخاب کے لیے ہر طرح موزوں تھے۔

چمن رسالت کے دو پھول

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ سرورِ دو عالم ﷺ نے حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی شان میں فرمایا کہ

هُمَا رَيْحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا. (رواہ البخاری)

ترجمہ: یعنی حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما گلشنِ رسالت کے دو شگفتہ پھول ہیں۔

نوجوانانِ جنت کے سردار

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے رسولِ خدا ﷺ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی۔ نماز کے بعد حضور علیہ السلام جب تشریف لے چلے میں بھی ساتھ ہولیا۔ میرے قدموں کی آواز سن کر فرمایا: کون ہے؟ یہ تو حذیفہ ہے۔ میں نے عرض کیا: جی۔ فرمایا: کیا ہے حاجت تیری؟ خدا تیری اور تیری ماں کی مغفرت کرے۔ دیکھو ابھی یہ فرشتہ نازل ہوا ہے، جو اس سے پہلے کبھی زمین پر نہیں آیا تھا۔

استاذن ربه ان يسلم علی و يبشرنی بان فاطمة سيدة النساء اهل الجنة و ان الحسن والحسين سيدا شباب اهل الجنة. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: اس کو خدا نے اجازت دی ہے کہ وہ مجھے سلام کہے اور مجھے بشارت دے کہ فاطمہ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں اور حسن و حسین رضی اللہ عنہما جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔

— مقامِ حسین علیہ السلام

کس قلم اور زبان میں یہ طاقت وقدرت ہے کہ نواسۂ رسول ﷺ جگر گوشۂ بتول سید الشہدا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی رفعت وعظمت اور فضائل ومناقب کو کماحقہٗ بیان کر

سکے۔ چشمِ دل وا اور دیدۂ حق میں رکھنے والے اصحاب بصیرت کے لیے سرکارِ دو عالم ﷺ کا ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے، جس سے مقام حسین کی ایک ادنیٰ جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی جلالت و بزرگی کا جو مقام ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ اسلام کی اس پر عظمت شخصیت کا احترام ساداتِ کرام کے سلسلہ میں ایک واقعہ سنیے!

ایک دفعہ انہوں نے حضرت حسین علیہ السلام کے نعلین پاک کی خاک کو جھاڑ کر اپنے دامن میں سمیٹا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ! یہ کیا کرتے ہو؟ آپ نے عرض کیا: حضور مجھے معذور تصور فرمائیے۔ واللہ! جتنے مراتب اور مدارج آپ کے میں جانتا ہوں اگر وہ عام لوگوں کو معلوم ہوجائیں تو وہ حضور کو اپنے کندھوں پر اٹھائے پھریں۔ (اظہار السعادت)

یہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنا ایک چشم دید واقعہ بیان فرماتے ہیں:

ابصرت عيناى هاتان و سمعت اذناى رسول الله ﷺ وهو اخذ بكفى حسين و قد ماه على قدم رسول الله وهو يقول ترق، ترق عين بقه قال فرقى الغلام حتى وضع قدميه على صدر رسول الله ﷺ ثم قال له رسول الله ﷺ افتح فاك ثم تفل ثم قبله ثم قال اللهم احبه فانى احبه. (اصابہ ابن حجر عسقلانی، الاستیعاب)

ترجمہ: میری ان ظاہری آنکھوں نے دیکھا اور میرے ان کانوں نے سنا۔ حضور پرنور ﷺ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو پکڑے ہوئے تھے اور حسین رضی اللہ عنہ کے پاؤں حضور کے پاؤں پر رکھے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ فرما رہے تھے اے ننھے قدموں والے چڑھ آ، چڑھ آ۔ چنانچہ امام حسین رضی اللہ عنہ جسمِ اطہر پر چڑھنے لگے۔ یہاں تک کہ آپ نے اپنے قدم حضور پرنور کے سینہ پر رکھ دیئے۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ بیٹا،

منہ کھول۔ پھر حضور نے اپنا لعابِ دہن امام حسین کے منہ میں ڈالا
اور رخساروں کو چوما اور فرمایا: اے اللہ! میں اسے محبوب رکھتا ہوں تو
بھی اسے محبوب رکھ۔

سبحان اللہ! عرش فرش ان پر قربان، کیا سعادت ہے۔ ذالك فضل الله یوتیه من یشاء۔

اللہ اکبر! جس گرامی قدر شخصیت نے کاشانۂ نبوت میں تادیب و تربیت کی بہاریں حاصل کی ہوں جن کے ہاتھ نبوت کے دستِ ہمایونی میں ہوں، جس نے آغوشِ رسالت کا سکون پایا ہو، جس کے قدم رحمت دو عالم ﷺ کے سینۂ اقدس پر ہوں، جس کے منہ میں لعابِ دہن مصطفیٰ کا شہد ٹپکا ہو، اس کی شانِ اقدس کا اندازہ اور اس کے مقام کا تعین کون کرسکتا ہے۔

ہر قدم جس کا شریعت ہر نفس جس کا حدیث
اُس نبوت کے حقیقی ترجماں پر صد سلام

فضل وکمال

گو سیدنا امام حسین کو براہِ راست فیضانِ نبوت سے بہرہ یاب ہونے کا موقعہ کم نصیب ہوا تاہم آپ نے نبوت و رسالت کے گہواروں میں نشو ونما پائی۔ سرکار، مدینۃ العلم تھے آپ کے سینۂ رسالت سے جو حکمت و معر[illegible] علم [illegible]ت کسی انسانی سینہ میں منتقل ہو سکتی ہے وہ سب سینۂ حسین رضی اللہ عنہ میں منتقل ہوئی تھی۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد جس باپ کی آغوش میں تعلیم و تربیت پائی تھی وہ خود علوم و معارف کا مجمع البحرین تھے۔ اس لیے حضرت حسین کا دامنِ علم مذہبی جواہر ریزوں سے خالی نہ رہا تھا۔ تمام بڑے بڑے اربابِ سیر اس پر متفق ہیں کہ حسین بہت بڑے عالم و فاضل تھے۔ مدینہ طیبہ میں جو جماعت علم و افتاء کے منصب پر فائز ہوئی تھی اُن میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی بھی شامل تھی۔ جس پرعظمت شخصیت نے خانوادۂ نبوت کے ماحول میں آنکھ کھولی ہو۔ بچپن رسول خدا کی آغوش میں گذرا ہو، جوانی علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جیسے مجموعۂ کمالات ہستی کے زیرِ سایہ بسر ہوئی ہو اور برسوں امام حسن رضی اللہ عنہ جیسے بھائی کی صحبت نصیب ہوئی ہو، وہ شخصیت یقیناً ہر قسم کے شرف و مجد کی حامل ہوگی۔ چنانچہ آپ کے معزز معاصروں میں حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ جیسے صاحب فضل وکمال آپ سے استفادہ کیا کرتے تھے۔

عبادت و ریاضت

تمام اخلاقی محاسن میں راس الاخلاق عبادت ہے خدائے قدوس کی عبادت اور یاد آپ کا پرلطف مشغلہ تھا۔ شب و روز میں کوئی ایسا لمحہ ہوتا جب آپ کا دل خدا کی یاد سے اور آپ کی زبان خدا کے ذکر سے غافل ہو۔ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے، پہنتے اوڑھتے ہر حالت اور ہر وقت خدا کا ذکر اور اُس کی حمد زبان مبارک پر جاری رہتی تھی۔ نماز کی تعلیم خود صاحبِ شریعت علیہ السلام سے حاصل کی تھی۔ اس لیے رات بھر نماز اور وظائف میں مشغول رہتے تھے۔ اسی تعلیم وتلقین کا نتیجہ تھا کہ دس دن سخت ترین محاصرہ کے باوجود کوئی نماز قضا تو کیا بلکہ ہر نماز باجماعت ادا فرماتے رہے۔ آخری وقت جب سارا بدن زخموں سے چور چور تھا، وضو کے لیے پانی تک میسر نہ تھا لیکن جب نمازِ عصر کا وقت آیا تو زخمی ہاتھوں سے خون آلود زمین کے ذروں پر تیمم کیا اور کربلا کی ریتلی زمین پر خدائے قدوس کے سامنے سر جھکا دیا۔ اللہ اللہ! کیسا پرعظمت نمازی تھا اور کیسی خلوص بھری نماز تھی۔ کربلا کے خون آلود ذرے اور دسویں محرم کا وقتِ عصر قیامت تک فخر کرتا رہے گا کہ اس کو وہ پرخلوص سجدہ نصیب ہوا جس کی مثال تاریخ عالم میں کہیں نہیں ملتی۔

نہ مسجد میں نہ بیت اللہ کی دیواروں کے سائے میں
نمازِ عشق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سائے میں

اس کے علاوہ تمام اربابِ سیر آپ کی روزہ داری اور حج کی کثرت پر متفق البیان ہیں۔ چنانچہ معصب الزبیری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے پاپیادہ پچیس حج کیے تھے۔ (استیعاب)

صبر واستقلال

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی حیات طیبہ کا یہ نہایت روشن عنوان ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کربلا کے حادثہ عظیمہ کے وقت جس صبر واستقلال اور عزم وایثار کا ایک عدیم المثال نمونہ پیش کیا۔ تاریخ عالم کو اس پر ناز ہے۔ انتہائی مظالم اور سفاکیوں کی تلخی کو راہِ حق میں خندہ پیشانی اور کشادہ دلی کے ساتھ گوارا کیا۔ مگر صبر وشکر کے علاوہ کوئی حرف شکایت زبان پر نہیں آیا۔

اللہ اکبر! ایک وقت وہ بھی آیا جب حسین رضی اللہ عنہ کا سارا باغ ویران ہو چکا تھا۔ کربلا کا میدان اہلِ بیت کے خون سے لالہ زار بنا ہوا ہے۔ آنکھوں کے سامنے تین گھرانوں کی لاشیں تڑپ رہی ہیں۔ عزیزوں کے قتل پر آنکھیں خونبار ہیں۔ بھائیوں کی شہادت پر سینہ وقف ماتم ہے۔ جواں مرگ لڑکوں اور بھتیجوں کی موت سے دل فگار ہے اور اُن پر نماز جنازہ پڑھنے اور اُن کو دفن کرنے کی بھی فرصت نہیں، لیکن اللہ! اللہ! جگر گوشۂ رسول ﷺ اس حالت میں بھی راضی برضا ہیں اور خدا کی تسبیح وتکبیر کے سوا کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکلتا۔

کیا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی محبت کا دعویٰ کرنے والوں کے لیے ان واقعات میں عبرت ونصیحت کا سبق نہیں؟ کیا ان کی زندگی میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے افعال واخلاق کی کوئی ادنیٰ جھلک بھی نظر نہیں آتی ہے؟ محبت وعقیدت کا تقاضا تو یہ تھا کہ ان کی پوری زندگی حسینی کردار کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہوتی اور اُن کی نقل وحرکت، قول وفعل بلکہ ہر ادا اُسوۂ حسینی کی مکمل ترین نمونہ ہوتی۔ مگر افسوس! صد افسوس!!

اتباع اہلِ بیت پاک کر سکتے نہیں
عشق کا دعویٰ ہے اور تقلید کر سکتے نہیں

کیا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اور ان کے خاندان کو بھرپور جوان علی اکبر رضی اللہ عنہ اور معصوم علی اصغر رضی اللہ عنہ و ننھے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے محبت نہ تھی؟ کیا عزیزوں، بھتیجوں اور بھائیوں کے حق میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا دل پتھر بن گیا تھا؟ ہرگز نہیں بلکہ محبت تھی اور ضرور تھی اور جتنی

اُنہیں تھی ان کا ہزارواں حصہ بھی محبانِ اہلِ بیت کو نہیں۔ مگر کیا حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے عزیزوں اور بھتیجوں کی موت پر ایسا ہی طریقہ اختیار کیا تھا جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے؟ بلکہ ایسے سخت اور زہرہ گداز موقعہ پر انتہائی صبر وتحمل کا ثبوت دیا اور صبر واستقامت، رضا وتوکل اور رجوع وانابت الی اللہ کا مکمل ترین اُسوۂ حسنہ پیش کیا۔

چنانچہ حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس رات کی صبح کو میدانِ شہادت گرم ہونے والا تھا۔ اُسی رات کا واقعہ ہے کہ میں خیمہ میں بیمار تھا اور میری جاں نثار پھوپھی حضرت زینب رضی اللہ عنہا میری تیمارداری کر رہی تھیں۔ اتنے میں والد محترم خیمہ میں داخل ہوئے اور آپ عبرت انگیز اشعار پڑھ رہے تھے۔

"اے زمانے تیرا بُرا ہو، تو کیسا بے وفا دوست ہے۔ صبح وشام تیرے ہاتھوں کتنے مارے جاتے ہیں۔ زمانہ کسی کی بھی رعایت نہیں کرتا۔ سارا معاملہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ ہر زندہ موت کی راہ پر چلا جا رہا ہے۔"

تین چار مرتبہ آپ نے یہ شعر دہرائے۔ میرا دل بھر آیا۔ سمجھ گیا کہ مصیبت ٹلنے والی نہیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے جب بھائی کی تلوار کی درستی دیکھی اور اُن کی زبان سے یہ شعر سنے بیتاب ہو گئیں۔ بے اختیار دوڑتی ہوئی آئیں اور نالہ وفریاد کرنے لگیں۔ کاش! آج موت میری زندگی کا خاتمہ کر دیتی۔ ہائے میری ماں فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے باپ علی رضی اللہ عنہ اور میرے بھائی حسن رضی اللہ عنہ میں سے کوئی بھی باقی نہ رہا۔ بھائی جان! آپ ہی ہمارے محافظ اور آخری سہارا ہو۔

حضرت امام رضی اللہ عنہ نے جب غمگسار بہن کی یہ بے صبری و بے چینی دیکھی، تو غضب آلود نظروں سے دیکھا اور فرمایا، اے بہن! میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں کہیں ایسا نہ ہو نفس و شیطان کی بے صبریاں ہمارے ایمان و استقامت پر غالب آ جائیں۔ حضرت زینب بولیں۔ بھائی! میں آپ پر قربان! میں آپ کے بدلہ میں اپنی جان دے سکتی ہوں مگر اس

حالت پر کیونکر صبر و قرار کیا جائے کہ آپ نگاہوں کے سامنے قتل ہو رہے ہوں۔ بہن کی یہ محبت بھری باتیں سن کر والد محترم کا دل بھی موم ہو گیا اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: بہن! مشیت کا ایسا ہی فیصلہ ہے۔ یہ جواب سن کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بے قراریاں اور بڑھ گئیں۔ وہ دیکھ رہی تھیں کہ آنے والی صبح کن واقعاتِ خونیں کے ساتھ طلوع ہونے والی ہے۔ فرطِ غم سے آپ بے ہوش ہو گئیں۔ بہن کی یہ حالت دیکھ کر آپ نے ان کو صبر و استقامت کی تلقین فرمائی۔ آپ نے فرمایا: زینب رضی اللہ عنہا! خدا سے ڈرو! اللہ ہی کے نام اور اُس کی تعریف سے تسکین حاصل کرو اور جان لو کہ دنیا میں ہر زندگی کے لیے موت ضروری ہے آسمان و زمین کی ہر چیز فانی ہے۔ دوام و بقا تو صرف ایک خدا کی ذات کے لیے ہے۔ پھر موت کے خیال سے اس قدر بے تابی اور بے قراری کیوں ہے۔ میرے باپ مجھ سے بہتر تھے۔ میری ماں مجھ سے بہتر تھیں اور میرے بھائی مجھ سے بہتر تھے۔ دیکھو! میرے لیے، اُن بزرگوں کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے پیغمبر خدا ﷺ کی ذاتِ گرامی ہی نمونہ ہے۔ حضور پرنور ﷺ کا اسوۂ حسنہ ان مصائب و مشکلات میں صبر و ثبات اور توکل و رضا کی تعلیم دیتا ہے۔ بہن! ہمیں تو لامحالہ کسی حال میں نانا پاک علیہ السلام کے اُس اسوہ حسنہ سے منحرف نہیں ہونا چاہیے۔

پیاری بہن! میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اگر میں شہید ہو جاؤں تو اسوۂ رسولِ پاک ﷺ کے خلاف نہ کرنا۔ میری موت پر گریبان نہ پھاڑنا، منہ نہ نوچنا اور بَین نہ کرنا۔

(کامل ابن اثیر، جلاء العیون)

اہل بیتِ کرام کو سیدنا امام حسین علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ کے جس اُسوۂ حسنہ کی پیروی کی تاکید فرمائی تھی وہ یہی تھا کہ نبی کریم ﷺ نے زمانۂ جاہلیت کے تمام ماتمی طریقوں کو ممنوع قرار دیا اور میت کے لیے بَین کرنے، بال نوچنے، منہ پیٹنے، چھاتی کوٹنے، کپڑے پھاڑنے کو شیطانی اعمال قرار دیا۔ مثلاً:

۱- لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَ شَقَّ الْجُيُوْبَ وَ دَعٰى بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ. (بخاری و مسلم)

ترجمہ: جس نے ماتم کرتے وقت منہ کو پیٹا، کپڑے پھاڑے اور بَین کیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

۲- اَنَا بَرِيْءٌ مِمَّنْ حَلَقَ وَ صَلَقَ وَ خَرَقَ. (بخاری و مسلم)

ترجمہ: جس نے ماتم میں سر کے بال منڈوائے یا بلند آواز سے بَین کیا یا کپڑے پھاڑے میں اس سے بیزاری کا اعلان کرتا ہوں۔

چنانچہ حضرت سرورِ عالم ﷺ نے سوگ اور ماتم کے سلسلہ میں اعلیٰ اور فطرت انسانی کے مطابق جو تعلیم دی اور اُسوۂ حسنہ پیش کیا وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے انتقال پر جب عورتوں نے رونا شروع کر دیا، تو حضور ﷺ نے عورتوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: دیکھو! ''شیطانی آواز مت نکالو۔'' پھر حضور ﷺ نے فرمایا:

اِنَّهٗ مَهْمَا كَانَ مِنَ الْقَلْبِ وَالْعَيْنِ فَمِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَ مِنَ الرَّحْمَةِ وَمَا كَانَ مِنَ الْيَدِ وَاللِّسَانِ فَمِنَ الشَّيْطَانِ. (مسند احمد)

ترجمہ: یعنی میت کے غم میں جہاں تک دل کے غم اور آنکھ کے آنسوؤں کا تعلق ہے سو یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور انسانی ہمدردی اور رحم کا نتیجہ ہے مگر ہاتھ سے پیٹنا اور زبان سے بَین کرنا یہ سب شیطانی اعمال ہیں۔

خود حضور پرنور ﷺ نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات حسرت آیات پر ارشاد فرمایا:

اَلْقَلْبُ يَحْزَنُ وَالْعَيْنُ تَدْمَعُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا يَرْضٰى بِهٖ رَبُّنَا. (بخاری و مسلم)

ترجمہ: اے ابراہیم! تیری جدائی کی وجہ سے دل غمزدہ ہے آنکھ سے آنسو بہہ رہے ہیں لیکن زبان سے وہی لفظ نکالیں گے جس سے ہمارا رب راضی ہو۔

شیعہ حضرات کی مشہور کتاب ''جلاء العیون'' میں حضور ﷺ کی وہ وصیت جو حضور ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہرا خاتونِ جنت کو کی تھی ان الفاظ میں موجود ہے:

ابن بابویہ بسند معتبر از حضرت امام محمد باقر روایت کردہ است کہ رسول خدا در ہنگامِ وفات حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا را گفت، اے فاطمہ رضی اللہ عنہا! چوبمیرم روئے خود برائے من مخراش وگیسو پریشان مکن وواویلا مگو ونوحہ گراں رامطلب۔ (صفحہ:۶۵)

ترجمہ: ابن بابویہ نے حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ سے معتبر سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے وصال کے وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اے فاطمہ رضی اللہ عنہا! جب میرا انتقال ہو جائے تو میرے لیے چہرہ نہ نوچنا، بال نہ بکھیرنا، آہ وفغاں نہ کرنا اور نوحہ گروں کو نہ بلانا۔

ائمہ اہلِ بیت اطہار نے حضور ﷺ کے ان ارشاداتِ عالیہ پر کیسے عمل فرمایا۔ واقعات کی روشنی میں ملاحظہ فرمایئے:

پیغمبر خدا ﷺ کی وفات حسرت آیات سے بڑھ کر خاندانِ نبوت کے لیے غم کی اور بڑی کون سی منزل ہو سکتی تھی لیکن اس سانحۂ عظیم کے موقعہ پر مولائے کائنات علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا کردار یہ تھا:

قاله وهو يلي غسل رسول الله ﷺ و تجهيز بابی و أمّی يا رسول الله لقد انقطع بموتك ما لم ينقطع بموت غيرك من النبوة والانباء و اخبار السماء ..... ولو لا انك امرت بالصبر و نهيت عن الجزع لنفدنا عليك ماء الشيون و لكان الداء مما طلا. (نہج البلاغۃ صفحہ ۷۲۳)

ترجمہ: جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضور ﷺ کے غسل اور تجہیز و تکفین میں مصروف تھے۔ اُس وقت آپ نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں آپ کی وفات سے وہ چیزیں منقطع ہو

گئیں جو کسی اور کی موت سے ہرگز منقطع نہ ہوئی تھیں یعنی نبوت، عالم غیب کی خبریں اور آسمان کی باتیں اور اگر آپ نے صبر کا حکم نہ دیا ہوتا اور جزع فزع سے نہ روکا ہوتا تو آپ پر ہم آنکھوں کا پانی ختم کرتے اور یہ درد وغم نہایت طول ہو جاتا اور ہم ہمیشہ رنج وغم کی محفلیں لگائے رہتے۔

شیعہ فرقہ کی مستند کتاب ''من لا یحضرہ الفقیھہ'' جلد اول صفحہ ۴۹ میں حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

انا اهل بيت نجزع قبل المصيبة فاذا نزل امر الله عزوجل رضينا بقضائه و سلمنا لامره و ليس لنا ان نكره ما احب الله لنا.

ترجمہ: ہم اہلِ بیت مصیبت نازل ہونے سے پہلے (بتقاضائے بشریت) مصیبت سے ڈرتے ہیں لیکن جب امرالٰہی نازل ہوتو ہمارا شیوہ رضا بالقضا اور حکم الٰہی کو بے چون وچرا تسلیم کر لینا ہے اور ہمیں کسی طرح بھی لائق نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے جس چیز کو پسند کریں ہم اس کو مکروہ سمجھیں۔

اسی کتاب مذکور کے صفحہ ۴۶ پر جناب سیدہ فاطمہ زہرا جنت رضی اللہ عنہا سے یہ روایت درج ہے:

و قال عليه السلام لفاطمة عليها السلام حين قتل جعفر بن ابی طالب عليه السلام لا تدعی بذل (بويل) ولا تكل ولا حوب (ضرب) وما قلت فيه فقد صدقت.

ترجمہ: حضور ﷺ نے جناب سیدہ فاطمہ زہرا کو جعفر بن ابی طالب کی موت پر فرمایا: فاطمہ رضی اللہ عنہا! نوحہ نہ کرنا اور منہ اور سینہ کوبی نہ کرنا۔ ہاں اس کی تعریف میں جو کچھ تو نے کہا ہے وہ صحیح ہے۔

ان روایات سے واضح ہوا کہ اہلِ بیت کرام نے اپنے محبوب آقا کے وصال پر بھی دامنِ صبر و قرار ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اور ثابت کر دیا کہ مردِ مومن مصائب کی روح فرسا فضاؤں میں بھی دنیا کی جاہل قوموں کی طرح جذبات کے جوش سے مغلوب نہیں ہو جاتا بلکہ وہ زندگی کی دشوار گذار راہوں اور جگر پاش صدمات کے موقع پر بھی اپنے بلند ترین اصولوں پر قائم رہتا ہے۔

لمحۂ فکریہ

ان حقائق اور اقتباسات کی روشنی میں اب آپ خود فیصلہ فرمائیں کہ اب جو دین اسلام سے بے خبر ناواقف اور اُسوۂ رسول کریم واہلِ بیت سے جاہل انسان امام حسین علیہ السلام کے غم میں منہ پیٹتے، چھاتی کوٹتے، بال نوچتے، سیاہ لباس پہنتے اور کپڑے پھاڑتے ہیں۔ یہ تمام حرکات جو جزع وفزع، گریہ وزاری، بے چینی اور بے صبری کا مظہر ہیں۔ کیونکر اسلامی اعمال اور اُسوۂ حسنہ رسول ہو سکتے ہیں؟ اور کس طرح یہ حضور ﷺ اور آپ کے اہلِ بیت کی خوشنودی اور رضا کا سامان بن سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور ﷺ کے ارشاداتِ عالیہ اور اہلِ بیتِ عظام کے اُسوۂ حسنہ کے پیشِ نظر یہ سب غیر اسلامی اور ناپسندیدہ افعال ہیں جس کا شریعت محمدیہ سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ آج دنیا میں ایسی کون سی آنکھ ہے جس میں حضرت حسین علیہ السلام کے لیے آنسو نہیں اور کون سا ایسا دل ہے جو اہلِ بیت کے ان زُہرہ گداز مصائب ونوائب پر خونبار نہیں، بلکہ

آسماں راحق بود گر خوں ببارد بر زمیں

مردِ مومن غم والم کی ان گھنگھور گھٹاؤں میں بھی دامنِ شریعت ہاتھ سے چھوڑنے کے لیے ایک لمحہ کے لیے بھی آمادہ نہیں ہے۔

بھلا کس طرح چھوڑ دوں اُن کا دامن
کہ اس بھیڑ میں میرا کوئی نہیں ہے

رسالت مآب ﷺ کے فرمانِ عالی کی حقیقی اور قلبی تعمیل ہی ایک مومن کا سرمایۂ حیات ونجات ہے۔ ان افعالِ شنیعہ کا اگر اسلام میں کچھ بھی وجود وجواز ہوتا تو اہلِ سنت والجماعت اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔

عُرفی اگر بہ گریہ میسر شدے وصال
صد سال می تواں بہ تمنا گریستن

حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ اہلِ بیت عظام کے احکامات وارشادات اور افعال واعمال سے صرف اہلِ سنت والجماعت کے مسلک اور عقائد کی پوری پوری تائید وتصدیق ہوتی ہے۔ جیسا کہ آپ گذشتہ صفحات میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ آپ کی تسلی اور پختگی ایمان کے لیے مزید تین واقعات پیش کیے جاتے ہیں۔

۱- جب میدانِ کربلا میں جنگ کا باقاعدہ آغاز ہوتا ہے۔ اس سے چند منٹ پہلے امام عالی مقام تمام اہلِ بیت کو اپنے خیمہ میں جمع فرماتے ہیں اور اُن کو مخاطب کر کے یہ وصیت فرماتے ہیں:

اُوْصِیْکُنَّ اِذَا اَنَا قُتِلْتُ فَلَا تَشَقَّقْنَ عَلَیَّ جَیْبًا وَّلَا تَلْطَمْنَ عَلَیَّ خَدًّا وَّلَا تَخْدَشْنَ عَلَیَّ وَجْهًا.

ترجمہ: میں تمہیں یہ وصیت کرتا ہوں کہ میں جس وقت دشمن کے ہاتھوں قتل کر دیا جاؤں تو تم میرے ماتم میں نہ گریبان چاک کرنا نہ اپنے رخساروں پر طمانچے مارنا نہ اپنے منہ کو زخمی کرنا۔

۲- جب حضرت قاسم بن حسن علیہ السلام شہید ہوئے اور حضرت امام عالی مقام اُن کی لاش اٹھا کر خیمے میں لائے اور اپنے شہید لختِ جگر علی اکبر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں لٹایا تو اہلِ بیت کے رونے کی آواز آپ کو سنائی دی آپ نے اس قیامت خیز گھڑی میں بھی یہی ارشاد فرمایا:

صَبْرًا یَا اَهْلَ بَیْتِیْ. صَبْرًا یَا ابْنَ عُمُوْمَتِیْ لَا رَأَیْتُمْ هَوَانًا بَعْدَ ذٰلِكَ.

ترجمہ: اے اہلِ بیت! صبر کرو، اے چچا کی اولاد! صبر کرو، اس کے بعد تمہیں کوئی ذلت اور تکلیف آنے والی نہیں۔

۳۔ جب حضرت امام حسین علیہ السلام کے معصوم صاحبزادے حضرت علی اصغر رضی اللہ عنہ پیاس کی شدت سے مثل ماہی بے آب تڑپنے لگے۔ امام عالی مقام اس اندوہناک منظر سے بے تاب ہو گئے۔ لختِ جگر کو اپنی آغوش میں لے کر پیار کیا اور گود میں لے کر یزیدی لعینوں کے سامنے آئے اور ارشاد فرمایا:

ظالمو! تمہارا گنہ گار اور نافرمان تو میں ہوں۔ تمہیں مجھ سے تو دشمنی ہو سکتی ہے لیکن اس معصوم شیر خوار نے تو کسی کا کچھ نہیں بگاڑا۔ دیکھو شدتِ تشنگی سے اس کی کیا حالت ہو گئی ہے۔ تڑپ رہا ہے، اس ننھی سی جان پر تو رحم کرو۔ اس کے حلق میں تو پانی کی چند بوندیں ٹپکا دو۔ اس کی پیاسی ماں کی چھاتیوں کا دودھ بھی خشک ہو گیا ہے۔ پتھر بھی ہوتے تو یہ درد بھرے الفاظ سُن کر پانی پانی ہو جاتے، فولاد بھی ہوتا تو مظلومِ کربلا کی اس مخلصانہ استدعا پر پگھل کر بہہ نکلتا، کفر و شقاوت کی آنکھیں بھی اشک بار ہو جاتیں۔

لیکن اس کے جواب میں اشقیا کی صفوں سے ناگہاں ایک سنسناتا ہوا تیر آیا اور اس نرم و نازک اور معصوم سیدزادے کے حلق میں تیرِ قضا بن کر پیوست ہو گیا۔ معصوم سیدزادے کی آنکھیں ایک دفعہ شدتِ تکلیف سے کھلیں۔ ایک سسکی لی اور شفیق و مہربان باپ کی گود میں دم توڑ دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اللہ اکبر! خاندانِ نبوت کے گلِ سرسبد حضرت امام عالی مقام کا کتنا استقلال، کتنا حوصلہ اور کتنا صبر و ثبات تھا کہ اس قدر ہوشربا سانحہ ہو جانے پر بھی علم و وقار کا کوہِ گراں ثابت ہوئے۔ بُستانِ رسالت کی اس نوشگفتہ کلی کے مَسل جانے پر بھی کچھ کیا تو کیا کہ سیدزادے کے پاکیزہ خون سے چلو بھر کر آسمان کی طرف پھینکا اور درد بھرے لہجہ میں فرمایا:

اَللّٰھُمَّ ھَوِّنْ عَلَیَّ مَا نَزَلَ بِیْ اِنَّہٗ لَا یَکُوْنُ اَھْوَنَ عَلَیْکَ مِنْ فَصِیْلٍ۔

ترجمہ: بارالٰہا! تو میرے جگر سوز اور حوصلہ شکن مصائب کو دیکھ رہا ہے ان کو

میرے لیے آسان کر میں تیری رضا پر صابر ہوں اور ہر حالت میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں۔ لیکن ارحم الراحمین مجھے امید ہے کہ میرے اس معصوم جگر پارے کا خون تیرے نزدیک حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے قتل سے تو کم نہیں ہوگا۔

زمین اس شیون و بُکا سے لرز اُٹھی، آسمان اس مظلومانہ تخاطب سے کانپنے لگا، جن و ملائک کے کلیجے شق ہو کر رہ گئے، فضائے بسیط میں ایک سکوتِ مرگ طاری ہو گیا۔ موت اور اتنی دردناک اور محشر خیز موت کہ چھ ماہ کا شیر خوار، بے گناہ، بے خبر باپ کی آغوش میں، ماں کی نگاہوں کے سامنے شہید کر دیا جائے۔ اس ظلم و چیرہ دستی کے تصور سے کلیجہ کانپ اٹھتا ہے اور جگرِ خامہ سے خون کی بوندیں ٹپکتی ہیں۔

یہ تھے امام عالی مقام کے وہ بے مثال اور ناقابلِ فراموش خطبات جو آپ نے میدانِ کربلا کی خون آلود سطح پر ارشاد فرمائے۔

بیشک آج کچھ ناواقف، نفس پرست اور ہوا و ہوس کے غلام انسان حضرت امام حسین علیہ السلام کی پاک تعلیم اور طرزِ عمل سے منحرف ہو سکتے ہیں۔

لیکن تاریخ کے روشن سینے پر آپ کے یہ خطبات ہمیشہ کندہ رہیں گے اور گردشِ ایام کا کوئی انقلاب اس کو گرد آلود نہ کر سکے گا۔

پھر آج کتنے مدعیانِ محبت و محبانِ اہلِ بیت ہیں جو اپنے اعمال و اخلاق سے حُسینی اسوہ حسنہ کے اتباع کا زندہ ثبوت پیش کر سکتے ہیں؟

کربلا میں اور تجھ میں اتنا بُعد المشرقین
اُس طرف شور رجز خوانی اِدھر لے دے کے تَین
اُس طرف تکبیر اِدھر ہنگامہائے شور و شین
اِس طرف اشکوں کا پانی اُس طرف خونِ حسین
وہ تھے کس منزل میں اور تُو کون سی منزل میں ہے
شرم سے گڑ جا اگر احساس تیرے دل میں ہے

ایفائے عہد

کسی شخص سے وعدہ کر کے اُس کو پورا کرنا ایک بہترین خصلت اور نہایت پسندیدہ عمل ہے۔ اسلام نے عہد پورا کرنے اور اپنے اقرار کو نہ توڑنے کی سخت تاکید کی ہے۔ تاریخی اوراق گواہ ہیں کہ سیدنا امام حسین کی ایفائے عہد اور پابندیٔ معاہدہ کا یہ عالم تھا کہ آپ کے دشمنوں کو بھی اس حقیقت کا اعتراف تھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے زندگی بھر کبھی عہد شکنی نہیں کی۔

۹ محرم ۶۱ ھ کو جب یزیدی سپہ سالار ابن سعد نے اعلان جنگ کیا تو حضرت امام عالی مقام نے ابن سعد سے فرمایا۔ دن تو ختم ہو رہا ہے اب باقی ہی کیا رہا ہے۔ ایک رات کی مہلت دو، میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ زندگی کی یہ آخری رات خدا کی عبادت، نماز، استغفار اور دعا و تضرع میں گذارنا چاہتا ہوں۔ ہم رات کو کہیں بھاگ نہیں جائیں گے۔

آخر مجبوراً یزیدیوں نے آپ کو رات بھر کی مہلت دے دی۔

امام عالی مقام اور آپ کے ساتھی جانتے تھے کہ آنے والی صبح کن ہولناک تباہ کاریوں کے ساتھ طلوع ہونے والی ہے اور ہمیں کیسے کیسے مصائب و نوائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اپنی مصیبت، اپنے رفقا کی مصیبت، غربت و مسافرت کی تکلیف، بھوک و پیاس کی تکلیف، عفت مآب بہنوں، بیویوں اور بیٹیوں کا بے پردہ ہونا اور دشمنوں کے ہاتھوں قید ہونے کی وحشت ناک تکلیف، غرضیکہ اذیت و تکلیف کا ایک اندوہناک سیلاب نگاہوں کے سامنے اُمڈ رہا تھا۔

اِس معاہدہ کے تھوڑی دیر بعد بنی طے کا سردار طرماح بن عدی حاضر خدمت ہوتا ہے اور عرض کرتا ہے:

''خدا کی قسم! میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا ہوں مگر آپ کے ساتھ کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ اگر صرف یہی لوگ ٹوٹ پڑیں جو آپ کے پیچھے لگے ہوئے ہیں آپ کا خاتمہ یقینی ہے۔ حالانکہ کوفہ کے عقب

میں انسانوں کا اتنا بڑا اجتماع دیکھا ہے جتنا کسی مقام پر میں نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔ یہ سب صرف اس لیے جمع کیے گئے ہیں تا کہ آپ سے جنگ کریں۔ میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ اگر ممکن ہو تو ایک بالشت بھی آگے نہ بڑھیے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ایسی جگہ پہنچ جائیں جہاں دشمنوں سے بالکل امن ہو تو آپ ہمارے ساتھ چل کر ہمارے پہاڑ کے دامن میں قیام فرمائیں۔ خدا کی قسم! یہ پہاڑ ایسا ہے کہ ہم نے بڑے بڑے سرکش بادشاہوں کو اس کے ذریعے روکا ہے۔ اگر وہاں کوئی خطرہ پیش آیا تو قبیلہ طے کے بیس ہزار بہادر تلواریں لیے آپ کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے اور جب تک اُن کا دم میں دم رہے گا دشمن آنکھ اُٹھا کر آپ کی طرف نہ دیکھ سکے گا!''

آپ نے فرمایا:

''خدا تمہیں اور تمہاری قوم کو جزائے خیر دے۔ دراصل ہمارے اور اُن کے درمیان ایک عہد ہو چکا ہے، جس کی رُو سے ہم ایک قدم نہیں اُٹھا سکتے۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ہمارا اور اُن کا معاملہ کیا صورت اختیار کرے گا۔'' (ابن اثیر)

سیدنا امام حسین علیہ السلام سردارِ طے کی اس درخواست کو قبول فرما لیتے تو تمام قیامت خیز مصائب کا خاتمہ ہو جاتا، مگر آپ نے انتہائی روح فرسا مصائب برداشت کیے لیکن کسی حال میں عہد شکنی گوارا نہ فرمائی۔

حق پرستی و اعلائے کلمۃ الحق

یہ آپ کے صحیفۂ حیات کا درخشاں باب ہے۔ اس کی مثال کے لیے تنہا واقعۂ شہادت کافی ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے حق و صداقت، آزادی و حریت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی خاطر مٹھی بھر غیر مسلح اور ناتجربہ کار بھوکے پیاسے ساتھیوں کے ساتھ اس

عظیم الشان جابرانہ حکومت کا مقابلہ کیا، جس کے جاہ وجلال اور حشمت وشوکت کا پھریرا دنیا
کے اکثر حصہ پر لہرا رہا تھا اور جس کی حدود سلطنت کراچی سے فرانس کے آخری کنارے تک
پھیلی ہوئی تھیں۔ اسلام نے باطل کے خلاف اور سلطان جابر کے سامنے کلمہ حق کہنے کو
بہترین جہاد قرار دیا ہے۔ اور حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس فریضہ جہاد کو اس خوبی سے ادا
فرمایا کہ کائناتِ عالم میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ یزید کی تخت نشینی سے لے کر معرکۂ کربلا
تک ہر مقام اور ہر حال میں کلمۂ حق بلند فرماتے رہے اور یزیدی حکومت کے غیر اسلامی
افعال واطوار پر سخت تنقید کرتے رہے۔ مقامِ بیضہ پر آپ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا، اس
میں واضح طور پر اعلان کیا کہ ہم یزید کے طرزِ حکومت کو پسند نہیں کرتے۔

ان ھٰؤلاء قد لزموا طاعة الشيطان و تركوا طاعة الرحمٰن
و اظهر والفساد و عطلوا الحدود واستاثروا بالفئ. (طبری)

ترجمہ: بیشک ان لوگوں نے شیطان کی پیروی قبول کر رکھی ہے اور رحمٰن کی
اطاعت چھوڑ دی ہے فتنہ وفساد پھیلا رکھا ہے۔ احکامِ الٰہی کو معطل کر
دیا ہے اور مالِ غنیمت میں ناجائز تصرف کرتے ہیں۔

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

آپ نے اپنی زندگی کے نازک ترین دور میں بھی اعلائے کلمۃ الحق کا فریضہ اسی
جوش وخروش سے ادا کیا۔ غور فرمائیے! کتنا نازک وقت ہے کہ ایک بے آب وگیاہ میدان
کے اندر بے شمار تشنۂ خون دشمنوں میں محصور ہیں۔ اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے دل وجگر
کے ٹکڑوں کو بھوک وپیاس کی شدت سے تڑپتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ نہ پاس رسد ہے اور نہ
سپاہ، جتنے گنے چنے ساتھی ہیں وہ بھی ایک ایک کر کے آنکھوں کے سامنے خاک وخون میں
تڑپ رہے ہیں۔ صرف یہ ہوشربا منظر ہی نہیں دیکھتے بلکہ خانوادۂ نبوت کی پردگیان عفاف
کی بے قراری، معصوم بچوں کا بلکنا، عورتوں کی مظلوم نگاہیں یہ سب کچھ دیکھتے ہیں لیکن قدم
مبارک کو لغزش نہیں ہوتی، جبین پر بل نہیں آتا، ہمت میں ضعف پیدا نہیں ہوتا، عزائم میں

سستی نہیں آتی، حوصلہ پست نہیں ہوتا۔ اور کوئی ہوتا تو قلب پھٹ جاتا، جگر شق ہو جاتا، ہوش
جاتے رہتے، فرطِ خوف اور اذیت سے دیوانہ ہو جاتا اور قاہرانہ وجابرانہ حکومت کے سامنے
گھٹنے ٹیک کر ان تمام مصائب اور روح فرسا تکالیف سے چھٹکارا حاصل کر لیتا۔ مگر ہمارے
امام، اللہ والے امام، رسول کریم ﷺ کے پیارے امام، فاطمہ زہراء جنت کے دلارے
امام، حضرت علی کے جگر پارہ امام، یہ سب کچھ برداشت کرتے ہیں لیکن باطل کے سامنے سر
جھکانے پر رضامند نہیں ہوتے۔

جن کی نظروں پر عیاں ہے حق پرستی کا جلال
پیشِ باطل جھک نہیں سکتی کبھی ان کی جبیں

اور بالآخر نواسۂ رسول، جگر گوشۂ بتول نے اپنا مقدس سر بھی پیش کر دیا کہ انسان
کے پاس حق کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی سرمایہ نہیں ہے لیکن غیر اسلامی نظامِ حکومت کو تسلیم
نہ کیا اور زندگی کے آخری سانسوں تک پیکرِ استبداد یزید لعین کی اطاعت وفرمانبرداری کا
اقرار نہ کیا۔

اے محیط کربلا! اے ارضِ بے آب وگیاہ
جراَتِ مردانۂ شبیر کی رہنا گواہ
حشر تک گونجیں گے تجھ میں نعرہ ہائے لا الٰہ
کج رہے گی فخر سے فرقِ رسالت کی کلاہ

یہ شہادت اک سبق ہے حق پرستی کے لیے
اک ستونِ روشنی ہے بحرِ ہستی کے لیے

ایثار وفیاضی

سخاوت وفیاضی کا یہ عالم تھا کہ آپ کی آمدنی کا بیشتر حصہ راہِ خدا میں خرچ ہوتا
تھا۔ کوئی سائل بھی آستانۂ عالیہ پر آ کر محروم نہ جاتا تھا۔ ہر وقت سخاوت وفیاضی کا دریا
پورے جوش پر رہتا اور دوست ودشمن سب ہی اس چشمۂ فیض سے سیراب ہوتے تھے۔

سیرت نگار بالاتفاق لکھتے ہیں کہ مہمان نوازی، غریب پروری، مسکین دوستی اور صلہ رحمی آپ کی امتیازی اور نمایاں خصوصیت تھی۔

یتیموں، بیواؤں، غریبوں اور مسکینوں کی آپ جائے پناہ تھے۔ زمانے کے روندے ہوئے اور ستم رسیدہ انسانوں کی حمایت و اعانت میں آپ کو قلبی سکون ملتا تھا۔ اپنی بڑی سے بڑی مصیبت اور افتاد کو خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتے تھے۔ مگر دوسروں کو مصیبت میں گرفتار دیکھتے تو مضطرب اور بے قرار ہو جاتے اور جب تک اُن کی مصیبت کا ازالہ نہ کر لیتے چین سے نہ بیٹھتے تھے۔ غریبوں اور نادار انسانوں پر بے دریغ روپیہ ہر وقت خرچ کرنے کے باوجود فرمایا کرتے تھے۔ افسوس! ہمت کے مطابق خرچ نہ کر سکا۔

جب مشہور محبِ اہلِ بیت فرزدق شاعر کو مروان نے شہر بدر کیا تو وہ نہایت بے سر و سامانی کے عالم میں امام عالی مقام کے آستانہ پر حاضر ہوا اور اپنی درد بھری داستانِ غم سنائی۔ اُسی وقت آپ نے چار ہزار اشرفیاں عطا فرما کر رخصت کیا۔

غریبوں، مظلوموں اور یتیموں سے آپ کو والہانہ محبت تھی۔ بعض اوقات جب آپ کے پاس کچھ نہ ہوتا اور کوئی غریب حاجت مند آ جاتا تو آپ قرض لے کر اُس کی حاجت پوری کر دیتے تھے۔ اس پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ ”آپ قرض کا بوجھ کیوں برداشت کرتے ہیں؟“ فرمایا کہ ”میں قرض لینا نہایت برا سمجھتا ہوں، لیکن جب کوئی پریشان حال اور مضطرب حاجت مند آ جاتا ہے تو پھر میں قرض کی ذلت کو برداشت کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔“ ایسا کیوں نہ ہو آخر سرورِ عالم ﷺ کے نواسے تھے جن کے برابر اور کوئی سخی اور فیاض نہ آج تک دنیا میں پیدا ہوا اور نہ آئندہ ہوگا۔ سرورِ عالم ﷺ کی شانِ جرأت و سخاوت سے آپ کو وافر حصہ ملا تھا۔ چنانچہ ایک بار خاتونِ جنت حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اپنے دونوں صاحبزادوں کو لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی:

هٰذَانِ ابْنَاكَ فَوَرِّثْهُمَا شَيْئًا قَالَ اَمَّا حَسَنٌ فَاِنَّ لَهٗ هَيْبَتِيْ وَ سُؤْدَدِيْ وَاَمَّا حُسَيْنٌ فَاِنَّ لَهٗ جُرْاَتِيْ وَجُوْدِيْ. (تہذیب التہذیب)

ترجمہ: ابا جان! یہ آپ کے بیٹے ہیں انہیں کچھ وراثت عطا فرمائیے! حضور

ﷺ نے فرمایا: حسن رضی اللہ عنہ کو میری ہیبت اور سرداری ملی اور حسین رضی اللہ عنہ کو میری جرأت اور سخاوت عطا ہوئی۔

اسی لیے آپ کی کتاب زندگی ایثار و قربانی اور جود و سخا کی گوناگوں رعنائیوں سے آراستہ نظر آتی ہے۔

ایک دفعہ اپنے بچپن کے ساتھی اور حضور کے محبوب غلام حضرت زید رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لے گئے دیکھا کہ اُن کا مخلص دوست نہایت بے قراری سے کروٹیں بدل رہا ہے۔ آپ اُنہیں اس حالت میں دیکھ کر بیتاب ہو گئے۔ پوچھا: ”اُسامہ! کیا بات ہے تم اس قدر پریشان کیوں ہو؟“ انہوں نے کہا: ”ساٹھ ہزار درہم کا مقروض ہوں، موت کو آنکھوں کے سامنے دیکھ رہا ہوں لیکن ابھی تک قرض کی ادائیگی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔“ آپ نے فرمایا: ”اُسامہ! اس کی کچھ فکر نہ کرو، میں ابھی اس کا بندوبست کیے دیتا ہوں۔“ یہ کہہ کر مجلس سے اُٹھے اور اُسی وقت قرض خواہ کو اپنے پاس سے ساٹھ ہزار درہم کی رقم ادا کر دی۔

آپ اپنے دوستوں سے فرمایا کرتے تھے کہ اس بات کو خداوند عالم کا خاص انعام سمجھا کرو کہ لوگ تمہارے دروازے پر اپنی حاجات لے کر آئیں۔ لہٰذا ایسے لوگوں کو اپنے دروازوں سے محروم واپس نہ کیا کرو۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ اپنے حرم پاک میں تشریف رکھتے تھے۔ ایک اونٹنی سوار غریب مسافر آستانہ عالیہ پر حاضر ہوا۔ اور ایک کاغذ پر چند اشعار لکھ کر اندر بھیجے۔ جن کا مضمون یہ تھا:

”میرے پاس کوئی چیز بھی باقی نہیں رہی جس سے ایک دانہ خریدا جا سکے۔ میری ناگفتہ بہ حالت آپ پر عیاں ہے۔ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے اب تک اپنی آبرو بچا رکھی تھی۔ اُسے کسی کے ہاتھ فروخت کرنا پسند نہ کرتا تھا۔ مگر اب وہ بھی فروخت کر رہا ہوں۔ کیونکہ قدر شناس خریدار مل گیا ہے۔“

تھوڑی دیر انتظار کے بعد اس غریب دیہاتی نے اس مضمون کے چند اور شعر لکھ کر اندر بھیجے:

''جب میں آپ کے آستانۂ عالیہ سے واپس لوٹوں گا اور لوگ مجھ سے پوچھیں گے کہ صاحبِ فضل داتا کے دربار سے تجھے کیا ملا؟ تو فرمائیے کیا جواب دوں گا؟ اگر کہوں گا کہ مجھے بہت کچھ عطا ہوا تو یہ جھوٹ ہوگا اور اگر کہوں کہ سخی کے دربار سے میں تہی دامن واپس آرہا ہوں تو کوئی بھی میری بات کو صحیح تسلیم نہیں کرے گا۔''

جب یہ دوسرا رقعہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کو ملا تو آپ نے غلام کے ہاتھ دس ہزار درہم ان اشعار کے ساتھ روانہ فرمائے، جن کا مفہوم یہ تھا:

''اے اعرابی! تُو نے بہت جلدی کی سو تمہیں یہ قلیل صلہ مل گیا ہے۔
اگر تم جلدی نہ کرتے اور صبر سے کام لیتے تو تمہیں بہت زیادہ ملتا۔
اب یہ مختصر سا ہدیہ قبول کرلو اور یوں سمجھو کہ تم نے سوال ہی نہیں کیا اور ہم یہ سمجھیں گے کہ گویا ہم نے کچھ دیا ہی نہیں۔''

❁❁❁❁

امام شہداء کی مدینہ منورہ سے روانگی

۶۰ ہجری میں جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا، تو پیکرِ استبداد یزید تخت نشین ہوا۔ تختِ حکومت پر قدم رکھتے ہی یزید کو سب سے پہلے یہ فکر لاحق ہوئی کہ جن لوگوں نے اب تک مجھے امیر تسلیم نہیں کیا، اوّلین فرصت میں اُن سے حلف وفاداری لینا نہایت ضروری ہے دنیائے اسلام میں اُس وقت چند ہی بزرگ شخصیتیں ایسی تھیں جو مرجع خلائق سمجھی جاتی تھیں۔ اُن میں سے بزرگ ترین شخصیت نواسۂ رسول حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی تھی۔

چنانچہ یزید نے مدینہ طیبہ کے گورنر ولید بن عقبہ کو فرمان بھیجا کہ امیر المومنین کا انتقال ہو چکا ہے۔ اس لیے تم عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمر، عبدالرحمٰن بن ابوبکر اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم سے میری بیعت لو۔ خصوصیت سے اُسے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی جانب سے خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر یہ دونوں حضرات اپنی خلافت کا اعلان کر دیں تو سیاسی فضا مکدر ہو جائے گی اور میری خلافت کے تار و پود بکھر جائیں گے۔

گورنرِ مدینہ نے اپنے نائب مروان سے اس بارے میں مشورہ کیا۔ مروان نے اپنی فطری سنگ دلی اور شقاوتِ قلبی کی بنا پر یہ رائے دی کہ دونوں کو بلا لیا جائے۔ اگر وہ بیعت کے سلسلہ میں تامل کریں تو اُن کے سرتن سے جدا کر دیے جائیں۔ حاکمِ مدینہ نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو قصرِ حکومت میں بلایا اور یزید کا حکم سنایا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے ماتم پُرسی کے بعد فرمایا۔ ولید! میں یزید کو خلیفۂ رسول ﷺ تسلیم نہیں کرتا۔ اس کی بیعت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے اسلامی طریقۂ انتخاب کے خلاف اور غیر شرعی ہے۔ اس لیے میں اسلام میں قیصر و کسریٰ کے طرز کے پہلے نفس پرست اور فاسق بادشاہ سے وفاداری کا عہد کیونکر کرسکتا ہوں؟ ہاں جب تم بیعت کے لیے عام لوگوں کو جمع کرو گے میں بھی آ جاؤں گا اور رائے عامہ جو فیصلہ کرے گی مجھے بھی کوئی عذر نہ ہوگا۔ ولید نرم دل، شریف النفس اور صلح

پسند حاکم تھا۔ امام عالی مقام کی گفتگو سے متاثر ہوا اور رضامند ہو گیا کہ آپ کو ایک دن کی مہلت دی جاتی ہے کہ آپ اس اہم مسئلہ پر مزید غور فرمالیں۔

مروان نے ولید کو بہت بُرا بھلا کہا اور خیال ظاہر کیا کہ اب امام حسین رضی اللہ عنہ پر تمہارا قابو پانا آسان نہیں۔ ولید حاکم مدینہ نے کہا: مروان! افسوس تم سیدۃ النساء فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کے لختِ جگر کا مجھ سے خون کرانا چاہتے ہو۔ قسم بخدا بروزِ محشر حسین کے خون کا جس سے حساب لیا جائے گا اُس کا پلہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت ہلکا رہے گا۔ (ابن اثیر)

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو یقین ہو گیا کہ اب مدینہ میں قیام کرنا دشوار ہے چنانچہ آپ نے مکہ معظمہ جانے کا ارادہ کرلیا۔ رات کو حضرت سرورِ دو عالم ﷺ کے روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے اور لرزتی ہوئی آواز میں کہا:

"نانا جان! اس وقت رات کے سناٹے اور غمناک تاریکی میں آپ کا حسین رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آیا ہے۔ میرا دل بے چین ہے، بیقرار ہے۔ میری غمگینی اور دردمندی کا کوئی پوچھنے والا نہیں۔ دنیا اس وقت محوِ استراحت ہے لیکن حسین رضی اللہ عنہ کے لیے آرام نہیں۔ آنکھوں کی اشکباری اور دل کی بیقراری کے ساتھ آپ کے پاس آیا ہوں۔ میری آنکھوں میں نیند نہیں مگر آنسوؤں کے بوجھ سے جھکی ہوئی ہیں۔ لب پر فغاں نہیں، مگر سوزِ غم سے دل آتش دان بنا ہوا ہے، اب کون ہے جسے بپتا سناؤں اور کون ہے جسے پکاروں۔ اچھا حضور ﷺ! آج آپ کا حسین رضی اللہ عنہ آپ سے بچھڑ رہا ہے۔ کیا خبر دوبارہ یہ روضہ دیکھنا نصیب ہو یا نہ ہو۔ میں نے عہد کیا تھا کہ زندگی کے آخری لمحہ تک روضۂ اقدس پر حاضر رہوں گا لیکن آہ! جفا کار ظالم مجھے پریشان کر رہا ہے۔ میرا اب یہاں رہنا دشوار ہے۔"

یہ کہنے کے بعد آپ پر اس قدر رقت طاری ہوئی کہ آپ بے ہوش ہو گئے۔ جب آنکھیں بند ہوئیں تو کیا دیکھا کہ حضور پرنور ﷺ سامنے جلوہ افروز ہیں اور فرطِ غم سے اشکبار

ہیں۔ حضور ﷺ نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو کلیجے سے لگا کر فرمایا:

"حسین! وہ وقت قریب ہے جب تم بھوکے پیاسے شہید کیے جاؤ گے۔ یاد رکھو! خدا کی مرضی میں کسی کو دخل نہیں۔ دیکھو! صبر و استقلال سے کام لینا اور جانبازی کے ساتھ دین کی حمایت کرنا۔ حسین رضی اللہ عنہ! کیا تو سمجھتا ہے کہ میں تیرے حال سے بے خبر ہوں، مجھے تیری تکلیف کا احساس نہیں۔ مجھے سب کچھ معلوم ہے لیکن تسلیم و رضا کی منزل سخت کٹھن ہے۔ اس لیے خاموش ہوں۔ اچھا خدا حافظ!"

یہ خواب دیکھ کر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی آنکھ کھل گئی اور وہ صلوٰۃ و سلام پڑھ کر رخصت ہو گئے۔

دوسرے روز ۲۷/رجب ۶۰ ہجری کو سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ رات کی تاریکی میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اللہ اکبر! وہ بھی رجب کی ۲۷/ رات تھی جب حضور پرنور ﷺ کو ملاءِ اعلیٰ کا معراج نصیب ہوا تھا اور آج بھی رجب کی ۲۷ رات ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ شہادتِ عظمیٰ کی معراج پانے کے لیے مدینہ طیبہ سے کوچ کر رہے ہیں۔ مدینہ کی گلیوں میں خاموشی طاری تھی۔ لوگ بے فکر اپنے گھروں میں چین کی نیند سو رہے تھے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے مدینہ کو محبت بھری نگاہوں سے کئی بار مُڑ مُڑ کر دیکھا۔ مدینہ چھٹ رہا تھا۔ وہ مدینہ جہاں کے در و بام نے امام حسین رضی اللہ عنہ کے بچپن اور جوانی کی بہاریں دیکھی تھیں۔ جہاں مسجد نبوی کے سایوں میں آپ نے زندگی کے دن گذارے تھے۔ جہاں آپ نبوت کے کندھوں پر کھیلا کرتے تھے۔ گلیاں، کوچے اور بازار کہہ رہے تھے کہ حسین رضی اللہ عنہ! تمہارے نقشِ قدم ہمارے سینوں میں محفوظ ہیں۔ ایک ایک ذرہ زبانِ حال سے کہہ رہا تھا۔

اے تماشاگاہِ عالم روے تو
تو کجا بہرِ تماشا می روی

ہاں نگاہِ غور سے دیکھ اے گروہِ مومنین
جا رہا ہے کربلا خیرالبشر کا جانشین
آسماں ہے لرزہ براندام جنبش میں زمیں
فرق پر ہے سایہ افگن شہپرِ روح الامیں
اے شگوفو السلام اے خفتہ کلیو الوداع
اے مدینہ کی نظر افروز کلیو الوداع

۴ر شعبان ۶۰ ہجری کو آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور شعب ابی طالب میں قیام پذیر ہوئے۔ یہ وہی مقام ہے جہاں حضور ﷺ نے اپنی زندگی کے تین سال گذارے تھے۔ آج پچاس سال کے بعد حضور کا نواسہ ان ذروں کو رشکِ طور بنا رہا ہے۔

حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کی شہادت

اہلِ کوفہ نے جب سنا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت نہیں کی اور آج کل مکہ مکرمہ میں پناہ گزین ہیں تو انہوں نے بے شمار خطوط اپنی عقیدت و وفاداری اور جاں نثاری کے ثبوت میں ارسال کرنے شروع کیے۔ یہاں تک کہ اکابر کوفہ کا ایک وفد بھی شرف یاب ہوا، اور اس نے امام عالی مقام کی خدمت میں عرض کیا کہ

"ہم آپ کے والدِ بزرگوار کے فدائی ہیں۔ ہم خاندان بنی اُمیہ کے جانی دشمن اور خاندانِ نبوت کے غلامانِ غلام ہیں۔ آپ کوفہ تشریف لے چلیے۔ ہم اہلِ کوفہ ہر طرح آپ کی خدمت گزاری کے لیے حاضر ہیں۔ اہلِ کوفہ آپ کے سوا کسی کی امامت و قیادت کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں۔"

کافی غور و فکر کے بعد آخر کار امام حسین علیہ السلام کو کوفہ والوں کی دعوت منظور کرنا ہی

پڑی۔ جب مکہ کے معززین کو معلوم ہوا کہ امام عالی مقام کوفہ تشریف لے جا رہے ہیں تو وہ سخت مضطرب و پریشان ہوئے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"حضرت! کوفیوں کا ہرگز یقین نہ کیجیے، یہ سخت بے وفا، غدار اور نا ہنجار ہیں۔ آپ کے بزرگوں کے ساتھ اُنہوں نے کون سا شریفانہ سلوک کیا ہے؟"

مکہ والوں کے مشورہ سے یہ قرار پایا کہ کسی معتمد علیہ شخص کو کوفہ بھیج کر صحیح حالات کا جائزہ لیا جائے اور اس کی تسلی بخش اطلاع آنے تک آپ یہاں ہی تشریف رکھیں۔

چنانچہ حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو کوفہ کے سیاسی نشیب و فراز اور شیعانِ علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی جذبات اور خیالات معلوم کرنے کے لیے کوفہ روانہ کیا گیا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک محب اور ہمدرد کے ہاتھ کوفہ کے اُن معززین کے نام خط لکھا جنہوں نے پے در پے پیغام بھیج کر آپ کو کوفہ آنے اور امامت و قیادت سنبھالنے کی دعوت دی تھی۔

"مجھے تمہاری خواہش کا اچھی طرح علم ہو گیا ہے۔ میں اپنے چچیرے بھائی اور معتمد علیہ مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو تمہارے پاس بھیج رہا ہوں۔ میں نے اُنہیں ہدایت کر دی ہے کہ وہ تمام حالات کی تحقیق کر کے مجھے اطلاع دیں۔ اگر مجھے معلوم ہوا کہ کوفہ کے خواص و عوام اُسی طرح میری خلافت کے خواہش مند ہیں جس طرح اُنہوں نے اپنے خطوں میں ظاہر کیا ہے تو میں انشاء اللہ تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ امام وہ ہونا چاہیے جو کتاب اللہ پر پوری طرح عمل کرنے والا ہو، عادل ہو اور دینِ حق کا فرمانبردار ہو۔"

اہلِ کوفہ نے حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ امام عالی مقام کے خط نے اُن میں ایک نئی زندگی پیدا کر دی اور یزید کی خلافت کے لیے ایک زبردست احتجاجی تحریک شروع ہو گئی۔ چند دنوں ہی میں ہزارہا شیعانِ علی رضی اللہ عنہ نے حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے دست حق

پرست پر بیعت کر لی۔

جب حضرت مسلم ؓ نے عقیدت و وفاداری کا یہ منظر دیکھا تو حضرت امام حسین ؓ کو خط ارسال کیا کہ یہاں کے حالات امید افزا ہیں۔ یہاں کی پوری دنیا امام کے لیے چشم براہ ہے۔ آپ بلا خطر تشریف لے آئیں۔ اہلِ عراق خاندان اہلِ بیت کے سچے عقیدت مند اور غلام ہیں۔

خط ارسال کرنے کے بعد یکایک کوفہ کے سیاسی حالات نے پلٹا کھایا۔ حضرت نعمان بن بشیر ؓ اُس وقت کوفہ کے گورنر تھے۔ جلیل القدر صحابی، نیک مزاج اور صلح جو انصاری تھے۔ وہ جانتے تھے کہ حضرت امام عالی مقام کے مقابلہ میں یزید خلافت کا اہل نہیں۔ اس لیے کوفہ میں اہلِ بیت کا یہ اقتدار اور عروج دیکھ کر بھی حضرت مسلم ؓ کے خلاف کوئی سخت کارروائی نہ کی۔ یزید کے خیر خواہوں نے جب یہ حالات دیکھے تو اُنہوں نے یہاں کے انقلاب سے یزید کو خبر کر دی کہ اگر حکومت کی خواہش ہے تو فوراً اس کی روک تھام کی جائے ورنہ پھر حالات پر قابو پانا مشکل ہو جائے گا۔ یزید نے حضرت نعمان کو فوراً معزول کر دیا اور کوفہ کا گورنر اُس سفاک اور ظالم انسان کو مقرر کیا جس کو تاریخ عبید اللہ بن زید کے نام سے پکارتی ہے۔ جو اپنی سفاکی، بے رحمی اور تُند مزاجی میں ضرب المثل تھا۔ یزید نے ابن زیاد کے نام شاہی فرمان جاری کیا کہ تم فوراً بصرہ سے کوفہ روانہ ہو جاؤ اور مسلم بن عقیل ؓ کو شہر بدر کر دو۔ اگر وہ اس سلسلہ میں مزاحم ہوں تو بے دریغ قتل کر دو۔ ابن زیاد طوفان کی طرح اُٹھا اور آندھی کی طرح عراق پر چھا گیا۔ ابن زیاد نے جامع مسجد میں باشندگانِ کوفہ کو جمع کیا اور یہ تقریر کی:

"کوفیو! جانتے ہو میں کون ہوں اور کس دل گردے کا انسان ہوں۔ یزید نے مجھے تمہارے شہر کا حاکم مقرر کیا ہے اور تمہاری خبر لینے بھیجا ہے۔ پیچھے پیچھے شامی افواج کا ایک عظیم الشان سیلاب اُمڈا چلا آرہا ہے جو تمہیں پیس کر رکھ دے گا۔ دیکھو! ابھی بتائے دیتا ہوں، حضرت مسلم ؓ جس کے گھر میں ملے گا بلا تکلف اُسے قتل کر دوں گا، اُس کا

مال و اسباب ضبط کر لوں گا اور جو اُسے خود پکڑ کر لے آئے گا وہ انعام و اکرام پائے گا۔"

کوفی آخر کوفی ہی تھے، ابن زیاد کی تقریر سن کر کانپ اٹھے لرز گئے اور اہلِ بیت کی محبت کا سارا جوش فنا ہو گیا۔ تیس ہزار کوفی حضرت مسلم ؓ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے تھے، سب یک بیک منحرف ہو گئے۔

حضرت مسلم بن عقیل ؓ کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا۔ ابن زیاد نے کہا: "تم لوگوں میں تفرقہ ڈالنے آئے ہو؟"

آپ نے فرمایا: "میں اپنی خواہش سے نہیں آیا۔ اہلِ کوفہ نے ہزاروں خط بھیجے تب میں نے بیعت کا سلسلہ جاری کیا۔ میں عدل و انصاف قائم کرنے اور کتاب و سنت کی دعوت دینے کوفہ آیا ہوں۔"

ابن زیاد نے کہا: "کہاں تم اور کہاں کتاب و سنت۔ میں تم کو اس طرح قتل کروں گا کہ زمانہ اسلام میں آج تک کسی کو اس طرح قتل نہ کیا گیا ہو۔"

حضرت مسلم ؓ نے نہایت جرأت سے جواب دیا: "بیشک تم اسلام میں سب سے زیادہ بدعتیں پیدا کرنے والے ہو۔ خباثت اور کمینگی میں تمہارا کوئی شریک نہیں۔"

ابن زیاد نے حکم دیا کہ اسی وقت ان کی گردن اُڑا دی جائے۔ جلاد نے ایک ہی وار میں حضرت مسلم ؓ کی شمع حیات کو بجھا دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت مسلم ؓ شیعانِ علی کے سامنے نہایت بیدردی اور سفاکی سے شہید کر دیئے گئے اور کوفیوں کے کان پر جُوں تک نہ رینگی۔

بے مروت بے وفا تیرا بھی کیا افسانہ ہے
جس نے اپنی شمع گُل کر دی تو وہ پروانہ ہے

ابن زیاد نے حضرت مسلم ؓ کا سر دمشق میں یزید کو بھیج دیا اور خود حضرت امام حسین ؓ کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔

حضرت مسلم ؓ کے صاحبزادوں کے متعلق عام طور پر مشہور ہے کہ وہ بھی آپ

کے ہمراہ تھے اور اُن کو بھی یزیدیوں نے نہایت بے رحمی اور بے دردی سے ذبح کر دیا تھا لیکن میرے نزدیک یہ روایت قطعاً غلط ہے۔ کسی معتبر تاریخ میں اس کا ذکر تک موجود نہیں۔ اس لیے میں اس کو بیان کرنا نہیں چاہتا۔

امام عالی مقام کا عزمِ کوفہ

جب حضرت امام حسین ؓ کو حضرت مسلم ؓ کا اُمید افزا خط ملا تو آپ کوفہ جانے کی تیاریوں میں مصروف ہوگئے۔ جب آپ کے دوستوں اور رشتہ داروں کو علم ہوا کہ آپ عراق تشریف لے جارہے ہیں تو اُنہوں نے اس سفر کی سخت مخالفت کی اور بچشم پرنم سمجھایا کہ ان بے وفاؤں پر اعتبار نہ کیجیے۔ عراق والے بڑے دغاباز ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ اور اہلِ بیت کے دیگر افراد زار و قطار رو رہے تھے۔ عجیب دلدوز اور رقت خیز وقت تھا۔ لیکن حضرت امام کے سامنے اس وقت فریضہ امر بالمعروف تھا۔ اس لیے آپ نے فرمایا: ''اے ابنِ عم! میں جانتا ہوں تم میرے خیر خواہ ہو لیکن میں اب عزم کر چکا ہوں۔''

حضرت ابن عباس ؓ نے فرمایا: ''آپ نہیں مانتے تو عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لے جائیے۔ مجھے اندیشہ ہے آپ اُن کی آنکھوں کے سامنے اُسی طرح قتل نہ کر ڈالے جائیں جس طرح عثمان بن عفان ؓ اپنے گھر والوں کے سامنے قتل کیے گئے تھے۔'' لیکن اس کے باوجود امام حسین ؓ نے اپنا ارادہ ترک نہ کیا۔ (ابن جریر)

بالآخر ۸ ذی الحجہ ۶۰ھ کو خاندانِ نبوت کا قافلہ مکہ سے رخصت ہوا۔

حرمِ پاک کے در و دیوار سناٹے میں دم بخود کھڑے تھے کہ ان سب کی آبرو کا رکھوالا ان کی خاطر پردیس جارہا ہے تاکہ دشمن ان کو خراب نہ کرے۔ مکہ کی گلیوں نے اپنے شہزادہ کو الوداع کہی اور پہاڑیوں نے جھانک جھانک کر ابن رسول کے دیدار کیے اور خدا حافظ کہا۔

جب آپ ''صفاح'' نامی مقام پر پہنچے تو مشہور محبِ اہلِ بیت فرزدق شاعر سے آپ کی ملاقات ہوئی جو کوفہ سے آرہا تھا۔ آپ نے پوچھا: تیرے پیچھے لوگوں کا کیا حال

ہے؟ بولا: کوفیوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں اُن کی تلواریں دشمنوں کے ہاتھ میں ہیں۔

آپ نے فرمایا: ''سچ کہتے ہو مگر اب معاملہ اللہ ہی کے ہاتھ ہے۔ وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔'' (ابن جریر)

اہلِ بیت کا یہ قافلہ تو منازل طے کرتا ہوا عراق کی جانب کوچ کررہا تھا اور اُدھر ابن زیاد نے اپنے حکام کو ہر طرح کیل کانٹے سے لیس کر رکھا تھا۔ تاکہ وقت آنے پر اپنی خباثت کا ثبوت دے سکیں۔ اس نے قادسیہ سے کربلا تک سواروں کے پہرے بٹھادیئے تھے۔ اس صورت میں اسے امام عالی مقام کے قافلہ کی نقل و حرکت کی خبریں برابر پہنچ رہی تھیں۔

امام عالی مقام جب حاجز پہنچے تو آپ نے قیس بن مسہر صیداوی کو اپنی آمد کی اطلاع کے لیے کوفہ بھیجا۔ راستہ میں زبردست پہرہ کا بندوبست تھا قیس بمشکل قادسیہ پہنچے تھے کہ گرفتار کرلیے گئے اور اُنہیں ابن زیاد کے پاس کوفہ پہنچادیا گیا۔

ابن زیاد نے اُنہیں یہ حکم دیا کہ وہ گورنمنٹ ہاؤس کی چھت پر چڑھ کر امام عالی مقام کو بُرا بھلا کہیں۔ قیس اس حکم پر فوراً ہی بالاخانہ پر چڑھ گئے اور اس موقعہ کو غنیمت سمجھتے ہوئے پیغام رسانی کا وہ فریضہ ادا کیا جس کے لیے وہ مامور تھے۔ آپ نے ان الفاظ میں امام حسین ؓ کی آمد کی اطلاع دی۔

''اے لوگو! امام حسین ؓ رسول اللہ ﷺ کے جگر گوشہ اور مخلوق کے بہترین انسان ہیں۔ میں اُن کا قاصد ہوں، وہ حاجز تک پہنچ چکے ہیں۔''

ان الفاظ کے بعد آپ نے ابن زید اور اُس کے باپ پر لعنت بھیجی۔ ابن زیاد نے اس خلاف ورزی اور بے عزتی پر حکم دیا کہ اُنہیں اوپر سے نیچے گرا کر قتل کر دیا جائے۔ لہٰذا اس ناپاک حکم کی تعمیل ہوئی اور مسلم بن عقیل ؓ کے بعد یہ شہادت کا دوسرا واقعہ تھا جو ظہور میں آیا۔ (ابنِ اثیر) اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اندوہناک خبر

آپ نے اپنا سفر جاری رکھا۔ زرُود کے مقام پر آپ کو یہ دردناک خبر موصول ہوئی کہ حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو نہایت بے رحمی کے ساتھ شہید کر دیا گیا ہے۔ اور کوفہ کے تمام شیعانِ علی عبیداللہ ابن زیاد والی عراق کے ساتھ مل گئے ہیں۔

یہاں آپ کے ساتھیوں نے ایک مرتبہ پھر عرض کیا کہ ہم آپ کے اور آپ کے اہلِ بیت کے معاملہ میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتے ہیں کہ خدا کے لیے یہیں سے واپس لوٹ جایئے، کوفہ مین آپ کا کوئی بھی حامی و مددگار نہیں ہے۔ آپ ابھی اس اہم مسئلہ کے متعلق سوچ ہی رہے تھے کہ حضرت مسلم رضی اللہ عنہ شہید کے عزیز پکار اُٹھے۔

''خدا کی قسم! ہم ہرگز واپس نہیں لوٹیں گے۔ ہم اپنا انتقام لیں گے یا اپنے مظلوم بھائی کی طرح شہید ہو جائیں گے۔''

اس پر امام عالی مقام نے اپنے ساتھیوں کو محبت بھری نظروں سے دیکھا اور ٹھنڈی سانس لے کر فرمایا:

''ان کے بعد زندگی کا کوئی مزہ نہیں۔'' (کامل ابن اثیر)

بصیرت افروز خطبہ

بدوؤں کی ایک جماعت اس خیال سے آپ کے ساتھ ہوگئی تھی کہ کوفہ میں امام عالی مقام کے زیرسایہ عیش وسکون کی زندگی بسر کریں گے۔ حضرت امام عالی مقام اُن کی حقیقت اور عزائم سے واقف تھے۔ اس لیے حقائق سے آگاہ کرنے کے لیے سب کو جمع کر کے ایک بصیرت افروز خطبہ ارشاد فرمایا جو صداقت کی انگوٹھی میں بیش بہا نگینے کی طرح جگمگا رہا ہے۔

''لوگو! معاملہ نے جو نازک صورت اختیار کر لی ہے وہ تم دیکھ رہے ہو۔ دنیا نے اپنا رنگ بدل دیا ہے۔ اس کی تمام نیکیاں، بھلائیاں اور خوبیاں ختم ہو چکیں، ذرا تلچھٹ باقی ہے۔ افسوس! آج نہ کسی کو حق

کے اتباع کی پرواہ ہے اور نہ کوئی باطل سے بچنے کی سعی کرتا ہے۔ وقت آ گیا ہے کہ مومن حق کی راہ میں موت کو سعادت سمجھے اور ظالموں اور بدکاروں کے ساتھ زندگی بسر کرنے کو خسرانِ عظیم خیال کرے۔ میں شہادت کی موت چاہتا ہوں۔ ظالموں کے ساتھ زندہ رہنا بجائے خود ایک جرم ہے۔''

''کوفہ والوں کو دیکھو سب نے بے وفائی کی۔ انہوں نے ہمارے نائب اور قاصد قتل کر دیئے۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے میری بیعت کی تھی اور بیعت کے ساتھ نصرت، دین اور حمایتِ حق کا پختہ عہد کیا تھا۔ اب سب کے سب منحرف ہو گئے ہیں اور حق سے منہ موڑ لیا ہے۔ اس لیے میں صاف صاف کہتا ہوں کہ کوفہ میں ہمارا کوئی ناصر و مددگار نہیں۔ یہیں سے جس کا دل چاہے وہ واپس چلا جائے ہم ہرگز خفا نہ ہوں گے، اس پر اُس سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا اور نہ یہ کوئی گناہ ہے۔''

مختلف منازل سے جو لوگ کسی دنیاوی آرام وسکون کے خیال سے ساتھ ہو گئے تھے وہ سب کے سب واپس ہو گئے اور آپ کے ساتھ صرف اہلِ بیت، خدام اور چند مخلص جان نثاروں کی جماعت باقی رہ گئی جو مکہ معظمہ سے ساتھ ہوئی تھی۔ اور جو امام عالی مقام کی طرح آرزوئے شہادت سے سرشار تھی۔ (ابن جریر)

دشتِ کربلا میں نزولِ اجلال

قدوسیوں کا یہ قافلہ قادسیہ سے آگے بڑھا ہی تھا کہ حر بن یزید ایک ہزار فوج کے ساتھ نمودار ہوا اور آپ کے ساتھ ہو لیا تاکہ وہ آپ کو گورنر کوفہ ابن زیاد تک پہنچا دے۔ حُر اپنے یزیدی گورنر کے حکم کے مطابق آپ کو اس بے آب و گیاہ میدان میں لے آیا جس کو نینوا کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ امام عالی مقام کی طرف سے بار بار کہا گیا کہ قرب وجوار میں کئی ایک دیہات ہیں وہاں ٹھہرنے دیا جائے مگر کوئی بات نہ مانی گئی۔ حُر نے کہا: مجھے امیر کا یہی

حکم ہے کہ حسین ؓ کو آبادی اور پانی سے دُور قیام پر مجبور کیا جائے۔

بالآخر آبادی اور دریائے فرات سے تین میل دُور ۲ محرم ۶۱ھ مطابق ۲ اکتوبر ۶۸۰ء کو قدوسیوں کا یہ بزرگ قافلہ ریگ زار کربلا میں خیمہ زن ہوا۔ جس سے بزرگ ترین اور مبارک قافلہ نگاہِ آفتاب نے آج تک نہ دیکھا تھا۔ جس کی محمل نشین عورتیں سیدہ نساء العالمین زہراء جنت کی معصوم بیٹیاں تھیں۔ جس کا امیر کارواں دوشِ رسالت کا شاہسوار تھا۔ جس کے جسمِ اطہر کی پاکیزہ خوشبو تاجدارِ رسالت کے کیف و سرور کا باعث ہوا کرتی تھی۔ جس کی ادنیٰ پریشانی نبوت و ولایت کے قلب و نظر میں زلزلہ پیدا کرتی تھی۔ جسے خاتونِ جنت حضرت فاطمۃ الزہرا ؓ نے اپنی رشکِ طور آغوش میں پالا تھا۔ جس کی رگ رگ میں خونِ رسالت دوڑ رہا تھا۔

اُس حسین ابن حیدر پہ لاکھوں سلام

❁❁❁❁

کرب و بلا

جس کے خاروخس میں ہے خوشبوئے آلِ بوتراب
کربلا! تاریخ عالم میں نہیں تیرا جواب
کربلا! تو آج بھی قائم ہے اپنی بات پر
مہر اب بھی سجدہ کرتا ہے تیرے ذرات پر
رفعتیں ہنستی ہیں جس کی گنبد افلاک پر
عرش کا سایہ پڑے اس کربلا کی خاک پر

ریگ زار کربلا ایک ہُو کا میدان تھا۔ دُور دُور تک ریت کے پست و بلند تودے پھیلے ہوئے تھے۔ نہ دریا نہ چشمہ، نہ درخت نہ گھاس۔

نہ اس میں گھاس اُگتی ہے نہ اس میں پھول کھلتے ہیں
مگر اس سرزمیں سے آسماں بھی جھک کے ملتے ہیں

اوپر سے جھلس دینے والی دھوپ اور نیچے تپتی ہوئی ریت۔ عرب کی تباہ کن گرمی، موسم کی مہلک سختی، بادِ سموم کا زور، ذراتِ ریت کی پرواز جو چنگاریاں بن بن کر جسم سے لپٹتی تھیں۔ اسی بے آب و گیاہ میدان کے اندر جھلستی ہوئی دھوپ میں خیمے نصب کیے گئے۔

دوسرے دن ۳ محرم کو حضرت سعد بن وقاص ؓ فاتح ایران کا بدنہاد بیٹا عمرو حکومت رَے کے لالچ میں اندھا ہو کر چار ہزار یزیدیوں کا لشکر لے کر کربلا آ پہنچا اور ایک قاصد کے ذریعہ حضرت امام عالی مقام سے دریافت کیا کہ آپ کیوں تشریف لائے ہیں؟ جس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ مجھے کوفیوں نے خود خطوط اور وفود بھیج کر بلایا ہے۔ اب اگر وہ مجھے پسند نہیں کرتے ہیں اور اپنے عہد سے منحرف ہو گئے ہیں تو میں جہاں سے آیا ہوں وہیں واپس جانے کے لیے تیار ہوں۔ عمرو بن سعد نے ابن زیاد کو صورتِ حال سے

مطلع کیا۔ ابن زیاد کی طرف سے جواب آیا:

''حسین ؓ سے کہو پہلے اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ میرے ہاتھ
پر یزید کی بیعت کرے پھر ہم دیکھیں گے ہمیں کیا کرنا ہے۔''

عمرو بن سعد سے آپ کی کئی ایک ملاقاتیں ہوئیں۔ آپ نے مسئلہ کے حل کے لیے تین تجاویز پیش کیں مگر یزید کی بیعت سے صاف انکار کر دیا۔ اولاً مجھے وہیں لوٹ جانے دو جہاں سے آیا ہوں۔ ثانیاً مجھے خود یزید سے اپنا معاملہ طے کر لینے دو۔ ثالثاً مجھے مسلمانوں کی کسی سرحد پر بھیج دو۔

عمرو بن سعد نے یہ ساری کیفیت ابن زیاد کو تحریر کی اور مزید لکھا۔ خدا نے فتنہ ٹھنڈا کر دیا۔ امام حسین ؓ کی تینوں تجویزیں نہایت معقول ہیں۔ ان میں سبھی کے لیے خیر و برکت کے نشان پائے جاتے ہیں۔

ابن زیاد نے جواب دیا: ہرگز نہیں ہو سکتا۔ حسین ؓ کی کوئی تجویز قبول نہیں کی جا سکتی۔ پہلے حسین ؓ کو میری بیعت کرنا ہوگی۔

عمرو بن سعد نے حضرت امام ؓ کو ابن زیاد کی خواہش سے آگاہ کیا۔ حضرت اس گستاخانہ درخواست سے سخت برہم ہوئے۔ اس وقت امام عالی مقام کے سامنے زندگی کی دو صورتیں تھیں۔ ایک طرف بیعت سے انحراف کی صورت میں قتل و ہلاکت اور ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا تھا اور دوسری طرف بیعت کی صورت میں دنیاوی جاہ و جلال کا تخت و تاج تھا۔ مگر جنتی نوجوانوں کے سردار، تاجدارِ دو عالم ﷺ کی دنیا کے حسین پھول، فاطمہ زہراء جنت ؓ کے لختِ دل اور علی مرتضیٰ ؓ کے نورِ بصر حضرت امام حسین ؓ نے حق و صداقت کی راہ میں خلعتِ شہادت زیبِ تن فرما کر یہ ثابت کر دیا کہ وہ کسی طاغوتی طاقت کے سامنے جھک نہیں سکتے۔ کسی غیر شرعی حکومت کو قبول نہیں کر سکتے۔ وہ جانتے تھے کہ اپنا دستِ مبارک یزید کے ہاتھ میں دنیا اسلام کی حقیقی روح کے خلاف اور اپنے خاندان کی روایات کے متضاد ہے۔ اس لیے انہوں نے اپنا اور اپنے عزیزوں کے سروں کو نیزوں پر اور اپنی اور اپنے صاحبزادوں اور رفیقوں کی لاشوں کا پامال ہونا برداشت کر لیا لیکن یزید کی

بیعت کے لیے کسی حال میں آمادہ نہ ہوئے۔ اور دنیا والوں کو یہ دعوت دے گئے۔

چڑھ جائے کٹ کے سر ترا نیزے کی نوک پر
لیکن یزیدیوں کی اطاعت نہ کر قبول

۷ محرم کو ابن زیاد کا حکم پہنچا کہ دریائے فرات پر پہرہ لگا دیا جائے تا کہ حسین ؓ اور ان کے ساتھیوں تک پانی نہ پہنچنے پائے۔ جس طرح تقی زکی مظلوم خلیفہ حضرت عثمان بن عفان ؓ کے لیے پانی بند کیا گیا تھا۔ یہ بات صحیح روایت سے ثابت ہے کہ ساتویں محرم سے دسویں محرم تک اہلِ بیت کرام بھوکے پیاسے رہے اور کسی نے ان پر رحم نہ کیا۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ اس وقت اہلِ بیت کے معصوم بچوں اور خاتونانِ حرم پاک کی کیا حالت ہوگی۔ گرم موسم، چٹیل میدان، نہ درختوں کا سایہ نہ باغوں کی خنکی اور نہ سبزہ زار، بادِ سموم کی آتش باریاں، تمازتِ آفتاب کی گرمیاں، دھوپ کی شدت، ریت کی تپش۔ اس آتشیں ماحول میں گنبد خضرا کی چھاؤں میں بیٹھنے والے معصوموں، مدینہ کے باغوں کی روش پر بیٹھنے والے نازنینوں، چمنستانِ نبوت کی نرم و نازک کلیوں پر کیا گذری ہوگی؟

تصور کیجیے کہ گرمیوں کے دنوں میں سندھ و پنجاب کے اندر کیا عالم ہوتا ہے۔ لوگ برف، شربت سب کچھ پیتے ہیں مگر پیاس نہیں بجھتی۔ در و دیوار سے آگ نکلتی ہے۔ نہ گھروں میں چین ہوتا ہے اور نہ باہر سکون ملتا ہے۔ گرمیوں میں دو تین گھنٹے پانی نہ ملے تو انسان بے قرار اور نیم جان ہو جاتا ہے۔ لیکن اہلِ بیت اطہار کا مقدس گھرانا ۱۱۶ درجہ کی جھلسا دینے والی دھوپ میں ایک کھلے میدان کے اندر قیام پذیر ہے۔ آسمان سے آگ برس رہی ہے۔ وہ خطۂ ارض کرۂ نار بنا ہوا ہے۔ دو گھنٹے نہیں چار گھنٹے نہیں پورے تین شبانہ روز سے ان نفوسِ قدسیہ پر پانی بند ہے۔ فرات کا دریا سامنے لہریں لے رہا ہے۔ وحوش و بہائم سیراب ہو رہے ہیں۔ لعین و کفار پانی پی رہے ہیں۔ مگر ساقیِ کوثر کا بلند منزلت گھرانا پیاس سے تڑپ رہا ہے اور ایک ایک قطرۂ آب کو ترس رہا ہے۔

حضرت امام عالی مقام ؓ کے کلیجے پر یہ دل خراش حالت دیکھ کر کیا گذرتی ہوگی۔ معصوم بچوں کو پیاس سے بلکتا دیکھ کر اور اپنے جگر پاروں کو العطش العطش پکارتے سن

کر دل کی کیا کیفیت ہوگی۔

۹ محرم کو تو میدانِ کربلا قیامت کا منظر پیش کر رہا تھا۔ کوئی بچی کہہ رہی تھی بھیا! اب تو پیاس کی شدت سے دَم نکلا جا رہا ہے۔ بچوں کی زبانیں باہر نکلی ہوئی ہیں۔ کوئی کسی کو اپنا سوکھا ہوا حلق دکھا رہا ہے۔ عورتیں عالم یاس میں ایک دوسرے کا منہ تکتی ہیں۔ آنکھ کے آنسو اور چھاتیوں کا دودھ خشک ہو گیا ہے۔ بچے پانی کے لیے ایک خیمے سے دوسرے خیمے میں لڑکھڑاتے ہوئے جاتے ہیں مگر دو گھونٹ پانی کا بھی نام و نشان نہیں۔ آخر حضرت عباس رضی اللہ عنہ پچاس سوار لے کر دریائے فرات سے پانی لینے کے لیے گئے۔ سخت لڑائی ہوئی سب ساتھی شہید ہو گئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ مجروح واپس آ گئے۔ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ہی جانتا ہے کہ اس عالم یاس میں دلوں پر جو گزری ہوگی۔ سب صبر و شکر کے ساتھ خاموش ہو رہے۔

اللہ اکبر! تاجدارِ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ کا نواسہ اور یوں تشنہ لب۔

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

اللہ اللہ! یہ بھی انقلابِ زمانہ کا کیسا عجیب اور عبرت ناک منظر ہے کہ یہ تشنہ لب مجاہد اُسی رحمتِ عالم کا نواسہ ہے کہ جب عرب میں خشک سالی ہوتی تھی، فصلیں تباہ ہونے لگتی تھیں اور اللہ کی مخلوق بھوکوں مرنے لگتی تھی تو رسولِ خدا ﷺ اور دینِ اسلام کے سب سے بڑے دشمن ابوسفیان دربارِ رسالت میں مدینہ طیبہ حاضر ہوتے تھے اور بڑی انکساری سے کہتے تھے۔ محمد! (ﷺ) تم صلہ رحمی کی تعلیم دیتے ہو۔ دیکھو! تمہاری قوم خشک سالی سے ہلاک ہوئی جاتی ہے اپنے اللہ سے بارش کی دعا کرو۔ رحمۃ للعالمین اپنے سب سے بڑے دشمن کی اس عاجزانہ درخواست پر بارش کے لیے دعا فرماتے تھے۔ اِدھر فرش پر زبانِ نبوت سے بارش کے لیے دعائیہ کلمات ادا ہوتے تھے اور اُدھر دفعۃً آسمان پر ابر اُٹھتا تھا اور مسلسل اس شدت کی بارش ہوتی تھی کہ کائنات کا ذرہ ذرہ سیراب ہو جاتا تھا۔ (بخاری)

فقط اشارے سے سب کی نجات ہو کے رہی
نبی کے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی

اب ٹھیک باون برس کے بعد زمانہ کا رُخ بدلتا ہے اور اسی رحمتِ عالم اور دوست د

دشمن کو سیراب کرنے والے نبی ﷺ کا نواسہ اور اُس کے معصوم بچے ایک قطرہ پانی کے لیے ترستے ہیں اور اُنہیں حضرت ابوسفیان کی ذُرّیات (ابن زیاد) کے حکم سے پانی کی ایک بوند اُن کے خشک حلق میں نہیں پہنچنے پاتی۔ نگاہِ آفتاب نے ظلم کا اتنا دردناک منظر کاہے کو دیکھا ہوگا کہ سامنے دریائے فرات کا پانی آسمان کے جگر ایسا موجزن ہے اور جنگل کے وحوش و طیور تک کو پانی پینے کی اجازت ہے مگر جگر گوشۂ رسول ﷺ، حیدر کرار رضی اللہ عنہ کا لختِ دل اور فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا نورِ بصر، حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور اہلِ بیت کے ننھے ننھے معصوم بچے پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں پی سکتے۔

بعض اشقیا کی ابلیسانہ شرارت کا یہ عالم تھا کہ ان قدوسیوں کے سامنے کھڑے ہو کر اور دکھا دکھا کر پانی پیتے تھے۔ ایک بدبخت عبداللہ بن حصین نے حضرت امام کو پکار کر کہا کہ دیکھو یہ کتنا صاف و شیریں پانی ہے لیکن تم مر بھی جاؤ گے جب بھی تمہیں اس کا ایک قطرہ نصیب نہ ہوگا۔ آپ نے بددعا دی اور یہ پیاس کے عذاب سے تڑپ تڑپ کر واصلِ جہنم ہوا۔

ایک اور شقی نے تو شقاوت کی حد ہی کر دی۔ لب فرات کھڑے ہو کر کہا: حسین رضی اللہ عنہ! دیکھتے ہو یہ پانی ہے جسے کتے پیتے ہیں، جس سے سُور تک سیراب ہوتے ہیں، گدھے اور بھیڑیئے اس سے اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔ خدا کی قسم! اس وقت تک تمہیں اس کا ایک قطرہ بھی نصیب نہ ہوگا جب تک (نعوذ باللہ) دوزخ میں نہ پہنچو اور وہاں حمیم نہ پیو۔ یہ لعین یہودی نہ تھا، نصرانی نہ تھا، مسلمان کہلاتا تھا۔ اسی حسین رضی اللہ عنہ کے نانا پاک کا کلمہ پڑھتا تھا لیکن اُس کا کاشانۂ دل نُورِ ایمان سے خالی ہو چکا تھا۔

وائے بر تو، وائے بر اسلام تو
عار دارد کفر از انجام تو

خونیں معرکہ اور احباب کی وفاداری

۳ تا ۹ محرم الحرام چھ دن تک دونوں طرف سے مصالحت کی کوششیں ہوتی رہیں، مگر امن و سلامتی کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔

۹ محرم کو عمرو بن سعد نے آخری پیغام بھیجا۔ ''حسین رضی اللہ عنہ! یا تو یزید کی بیعت کرو یا جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔'' حضرت امام عالی مقام نے صرف ایک رات کی مہلت مانگی۔

(ابن جریر، یعقوبی)

اس رات میں حضرت امام رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عبادت و ریاضت کا شرف بھی حاصل کرنا تھا اور صبح کے لیے جنگی تیاریاں بھی کرنا تھیں۔

آپ نے پہلے یہ کیا کہ منتشر خیموں کو یک جا کرا دیا اور اُن کی پشت پر خندق کھود کر آگ جلوا دی تا کہ دشمن عقب سے حملہ نہ کر سکیں۔ ہتھیاروں کی صفائی کرائی۔ پھر رات کو امامِ عالی مقام نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور خطبہ دیا:

''خدا کی حمد و ستائش کرتا ہوں، رنج و راحت ہر حالت میں اُس کا شکر گزار ہوں۔ الٰہی! تیرا شکر کہ تُو نے ہمارے گھر کو نبوت سے مشرف کیا۔ قرآن حکیم کا فہم عطا کیا۔ دین میں سمجھ بخشی اور ہمیں دیکھنے سننے اور عبرت پکڑنے کی قوتوں سے سرفراز کیا۔''

جان نثارو! میں نہیں جانتا آج رُوئے زمین پر میرے ساتھیوں سے افضل اور بہتر لوگ بھی موجود ہیں یا میرے اہلِ بیت سے زیادہ ہمدرد اور غمگسار اہلِ بیت کسی کے ساتھ ہیں۔ ساتھیو! تم سب کو اللہ تعالیٰ میری طرف سے جزائے خیر دے۔ میں سمجھتا ہوں کل میرا اور اُن کا فیصلہ ہو جائے گا۔ غور و فکر کے بعد میری رائے یہ ہے کہ تم اب بھی اپنی جانیں لے کر اپنے اپنے شہروں اور دیہاتوں میں چلے جاؤ اور اس بھڑکتی ہوئی آگ کی ہلاکت میں نہ پڑو۔ دشمنوں کو پرخاش صرف ایک میری ذات سے ہے، تم سے کچھ سروکار نہیں۔ میں خوشی سے تمہیں رخصت دیتا ہوں اور اپنی بیعت سے آزاد کرتا ہوں۔ میری طرف سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔''

امامِ عالی مقام کی پُرخلوص تقریر سننے کے بعد تمام غلاموں، عزیزوں اور ساتھیوں

نے بیک زبان یہ جواب دیا:

''آقائے نامدار! یہ ہم سے ہرگز نہیں ہوگا۔ کیا ہم نبی کریم ﷺ کے فرزندوں کو دشمنوں میں اکیلا چھوڑ کر چلے جائیں۔ بیشک آپ نے تو آزادی دے دی مگر کل قیامت کو ہم آپ کے نانا پاک حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو کیا منہ دکھائیں گے۔ ہم نے کفن پہن لیا ہے، ہم نے سر ہتھیلی پر رکھ لیے ہیں، ہم سب آپ کے قدموں میں قربان ہو جائیں گے، ہماری جانیں فدا ہو جائیں گی۔ خدا ہمیں وہ منحوس دن نہ دکھائے کہ ہم آپ کے بعد زندگی کے دن گذاریں۔''

حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے باغیرت اور خوددار بھائیوں نے جواب دیا کہ

''ہم لوگوں کو یہ کہنے کا موقعہ نہ دیں گے کہ ہم اپنے آقا، اپنے سردار کو دشمنوں کے رحم و کرم پر چھوڑ آئے ہیں۔ ہم نے ان کی حمایت میں ایک تیر بھی نہ چلایا اور تلوار کا ایک وار بھی نہ کیا۔ خدا کی قسم! ہم اس ذلت اور رسوائی کو کسی حال میں برداشت نہیں کریں گے۔ ہم تو جان و مال اور اہل و عیال سب آپ پر قربان کریں گے۔ جو آپ کا حال ہو ہمارا حال۔ آپ کے بعد خدا ہمیں زندہ نہ رکھے۔''

مسلم بن عوسجہ اسدی رضی اللہ عنہ نے پکار کر کہا:

''خدا کی قسم! میں اس وقت تک آپ سے جدا نہ ہوں گا۔ جب تک دشمنوں کے سینوں میں نیزے نہ پیوست کر لوں۔ قسم بخدا! اگر میرے پاس ہتھیار نہ رہے تب بھی میں دشمنوں پر خشت و سنگ کی بارش کروں گا یہاں تک کہ موت میرا خاتمہ کر دے۔''

سعد بن عبداللہ الحنفی کی جان نثاری کے تیور دیکھیے۔ فرمایا:

''اگر مجھے یہ یقین ہوتا کہ میں ستر مرتبہ قتل کیا جاؤں گا اور ہر مرتبہ میری نعش کو نذرِ آتش کیا جائے گا اور میری خاک فضائے آسمانی میں

اُڑادی جائے گی تو اس صورت میں بھی قطعاً میں آپ سے کنارہ کش
نہ ہوں گا موت صرف ایک بار ہے اور آپ کے ساتھ مرنے میں
ابدی اور سرمدی حیات کا راز مضمر ہے۔"

زہیر بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نعرۂ مستانہ سے اُن کے جذبات کا اندازہ کیجیے! فرمایا:

"خدا کی قسم! اگر میں ہزار مرتبہ بھی آرے سے چیرا جاؤں تو بھی آپ
کا ساتھ چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ خوشا نصیب، اگر میرے
قتل سے آپ کی اور آپ کے اہلِ بیت عظام کے ان نونہالوں کی
معصوم جانیں بچ جائیں۔" (ابن اثیر، طبری)

غرض اس طریقہ سے ہر وفادار اور عقیدت کیش نے اپنے دلی جذبات کا اظہار کیا۔
حضرت امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس عالم بے کسی میں ان مٹھی بھر ساتھیوں اور
عزیزوں کی یہ ہمدردانہ اور جان نثارانہ روش دیکھ کر آبدیدہ ہوگئے۔ آپ نے فرمایا:

"اے میرے جان نثار ساتھیو! خدا تمہاری عاقبت بخیر کرے اور تمہیں
شہادت کا منصب عطا فرمائے اور تمہاری جان نثاری اور حق پرستی
قیامت کے دن قبول ہو۔

عارف تمہیں نہیں ہو محبت میں خستہ دل
اِس راستے میں اور بھی آشفتہ سر ملے

حضرت امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے وفا شعار ساتھیوں نے یہ رات آنکھوں
میں کاٹی اور تمام رات دعا و استغفار، تسبیح و تہلیل اور نماز و تلاوت کی آوازیں ہر خیمہ سے بلند
ہوتی رہیں۔

معرکۂ حق و باطل

عاشورہ کا قیامت خیز دن اپنی پوری خون آشامیوں کے ساتھ طلوع ہوا اور وہ صبح
قیامت آگئی جس کی المناکی پر جن و انس سے لے کر قدسی ملائک آج تک ماتم کناں ہیں۔

ایک طرف بہتر جان نثاروں کی غیر مسلح مختصر جماعت تھی، دوسری طرف یزیدیوں کا عظیم
الشان لشکر جرار جو ہر طرح کے ساز و سامان سے مسلح و آراستہ ہو چکا تھا۔

۱۰ محرم کو نماز فجر کے بعد یزیدی سپہ سالار اپنے ناپاک لشکر کے ساتھ میدان میں
آیا۔ حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرش مقام نے بھی اپنے اصحاب و احباب کی صف بندی کی۔ اپنے
بھائی حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علم سپرد کیا اور خیموں کے پیچھے خندق میں آگ جلوادی تاکہ
ذلیل دشمن خیموں میں نہ گھس آئے۔

شمر کی بکواس

یزیدیوں کے لشکر سے شمر ذی الجوشن گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا اور آگ جلتی دیکھ کر بولا:

"اے حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ! قیامت سے پہلے ہی تُو نے آگ قبول کرلی۔"

حضرت نے جواب دیا:

"اے چرواہے کے لڑکے! گھبرا مت کل قیامت کے دن معلوم ہو
جائے گا کہ کون آگ میں ہے!"

مسلم بن عوسجہ نے عرض کیا: مجھے اجازت دیجیے میں اس ملعون کو تیر مار کر ہلاک
کردوں۔ کیونکہ اس وقت یہ گستاخ بالکل زد پر ہے۔

حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنت مقام نے منع کیا اور فرمایا:

"میں دشمنوں پر حملہ کرنے کی پہل نہ کروں گا۔" (ابن جریر)

خدا کے حضور میں

جب دشمن کا رسالہ قریب آگیا تو آپ نے یہ دعا مانگی: "خداوند! تو ہر مصیبت
اور ہر غم میں میرا بھروسہ اور ہر تکلیف میں میرا سہارا ہے۔ کتنی مصیبتیں پڑیں، دل لرز گیا۔
تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ دوست نے بے وفائی کی، دشمن نے خوشیاں منائیں، مگر میں نے صرف تجھ
ہی سے التجا کی اور تُو نے ہی میری دست گیری فرمائی۔ آج بھی تجھ ہی سے التجا کی جاتی ہے۔

وہ صبر دے الٰہی جس میں خلل نہ آئے
تیروں پہ تیر کھاؤں ابرو پہ بل نہ آئے

اتمامِ حجت

جنگ شروع ہونے سے پہلے حضرت امام عرش مقام نے اونٹنی طلب کی، اس پر سوار ہوئے۔ قرآنِ عظیم اپنے سامنے رکھا اور صفِ اعداء کے سامنے کھڑے ہو کر بہ آوازِ بلند یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

''لوگو! جلدی نہ کرو۔ اس سے پیشتر کہ تم جنگ کا آغاز کرو، میری بات سن لو۔ مجھے وعظ و تلقین کا حق ادا کرنے دو۔ مجھے موقعہ دو کہ میں اپنا عذر بیان کرسکوں۔ اگر میرا عذر معقول ہو اور تم اسے قبول کرسکو تو یہ تمہاری خوش نصیبی کا باعث ہوگا۔ اگر سننے کے بعد بھی تم میرا عذر قبول نہ کرو تو پھر مجھے کسی بات سے بھی انکار نہیں۔ پھر تم جو کرنا چاہو کرو۔ میرا اعتماد ہر حال میں صرف پروردگارِ عالم پر ہے اور وہ نیکوکاروں کا حامی وناصر ہے۔''

آپ کی اہلِ بیت نے یہ تقریر سنی تو بے قرار ہو گئے اور خیموں سے عورتوں اور بچوں کے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں۔ آپ کو یہ رونا بہت برا معلوم ہوا۔ آپ نے فرمایا: حضرت ابن عباس ؓ نے مکہ سے چلتے وقت سچ کہا تھا کہ عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لے جاؤ۔ علی اکبر! تم جاؤ اور ان سب کو رونے سے منع کرو اور کہو آج خاموش رہو۔ تمہارے رونے اور عمر بھر روتے رہنے کا وقت بھی قریب آرہا ہے۔

پھر آپ نے ازسرِنو تقریر شروع کی:

''لوگو! میرے حسب ونسب پر غور کرو، سوچو کہ میں کون ہوں؟ پھر اپنے گریبان میں منہ ڈالو، اپنے دل سے فتویٰ لو، کیا تمہارے لیے میری بے عزتی کرنا اور میرا قتل کرنا روا ہے؟ کیا میں تمہارے رسول

مقبول ﷺ کا نواسہ نہیں ہوں؟ کیا میں نبی پاک ﷺ کے بھائی علی المرتضیٰ ؓ کا بیٹا نہیں ہوں؟ جو سب سے پہلے اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے۔ کیا میں رسول خدا کی چہیتی بیٹی حضرت فاطمہ زہراء، جنت ؓ کا فرزند نہیں ہوں؟ جس کو پیغمبر خدا نے اپنے دل کا ٹکڑا قرار دیا تھا۔ کیا سید الشہداء میرے باپ کے چچا نہ تھے؟ کیا ذوالجناحین حضرت جعفر طیار ؓ میرے چچا نہیں ہیں؟ کیا تم نے حضور پرنور ﷺ کا یہ مشہور عالم ارشاد نہیں سنا؟ کہ آپ میرے اور میرے بھائی حسن ؓ کے حق میں فرماتے تھے سَیِّدا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃ (جنت میں نوعمروں کے سردار) اگر میرا یہ بیان سچا ہے اور ضرور سچا ہے۔ کیونکہ میں نے خدا کی قسم! ہوش سنبھالنے کے بعد آج تک جھوٹ نہیں بولا۔ کبھی وعدہ خلافی نہیں کی۔ نماز کو کبھی ترک نہیں کیا۔ کسی مومن کا دل آج تک نہیں دکھایا۔ تو تم بتلاؤ کہ کیا تمہیں برہنہ تلواروں اور نیزوں سے میرا خیر مقدم کرنا چاہیے؟ اگر تم میری بات پر یقین نہیں کرتے تو جابر بن عبداللہ انصاری ؓ سے دریافت کرو۔ ابوسعید خدری ؓ سے پوچھو۔ زید بن ارقم ؓ تمہیں بتائیں گے۔ انس بن مالک ؓ تمہیں مطلع کریں گے کہ انہوں نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں پیغمبر خدا کو یہ فرماتے سنا ہے یا نہیں؟ خدا کی قسم! اس وقت پوری کائنات میں میرے سوا کسی نبی کی بیٹی کا کوئی بیٹا موجود نہیں۔ حضرت عیسیٰ ؑ کا گدھا اگر زندہ ہوتا تو عیسائی اس کی عظمت و تعظیم کرتے۔ یہودیوں میں بھی حضرت کلیم اللہ ؑ کی کوئی نشانی موجود ہوتی تو وہ اُسے سر آنکھوں پر رکھتے۔ تم کو کیا ہوگیا ہے کہ اپنے رسولِ مکرم کے نواسے کو قتل کرنے کے لیے جمع ہوئے ہو۔ نہ تمہارے دلوں میں خدا کا ڈر ہے اور نہ رسولِ خدا کی شرم۔

شرم نبی خوفِ خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

میں نے عمر بھر کسی کا خون نہیں کیا۔ مجھ پر کسی کا قرض نہیں ہے مجھ پر کسی کا قصاص نہیں ہے۔ پھر میرا خون کرنا تمہارے لیے کیسے جائز ہو سکتا ہے؟''

آپ کے ان بصیرافروز ارشادات کا صرف ایک سعید روح پر اثر ہوا اور وہ تھے: حُر بن یزید رضی اللہ عنہ۔

عمرو بن سعد نے جب فوج کو حرکت دی تو حضرت حر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''ابن سعد! کیا تم نواسۂ رسول حضرت امام رضی اللہ عنہ سے واقعی لڑو گے؟''

ابن سعد نے کہا: ''ضرور لڑیں گے۔''

حضرت حُر نے کہا: ''کیا ان تین شرطوں میں سے کوئی ایک بھی قابلِ قبول نہیں جو اُنہوں نے جنگ کو روکنے کے لیے پیش کی ہیں؟''

ابن سعد نے کہا: ''خدا کی قسم! اگر مجھے اختیار ہوتا تو ضرور منظور کر لیتا مگر کیا کروں ملازم ہوں اور تمہارا حاکم ابن زیاد منظور نہیں کرتا۔''

حضرت حُر گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ کسی نے پوچھا: ''حُر! کسی جنگ میں تمہاری یہ حالت نہیں دیکھی۔ مجھے آج تمہاری یہ خاموشی مشتبہ نظر آتی ہے۔''

حضرت حُر نے سنجیدگی سے جواب دیا:

''میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک طرف جنت کے خوش رنگ پھول کھلے ہیں اور ایک طرف دوزخ کے بھڑکتے ہوئے شعلے بلند ہو رہے ہیں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ کس کا انتخاب کروں۔ واللہ! میں نے جنت کا انتخاب کر لیا ہے خواہ اب مجھے پرزے پرزے کر کے جلا دیا جائے۔''

یہ کہا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر لشکر حسین رضی اللہ عنہ میں پہنچ گئے۔ حضرت امام رضی اللہ عنہ جنت مقام کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ!

حضور! میں ہی وہ بدبخت انسان ہوں جس نے آپ کو واپس جانے سے روکا اور حضور کو اس جگہ پر اُترنے پر مجبور کیا۔ خدا کی قسم! مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا کہ قتل و غارت تک نوبت پہنچ جائے گی۔ میں اپنے کیے پر نادم ہوں اور توبہ کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ میں حضور کے قدموں پر قربان ہو جانا چاہتا ہوں۔ کیا میری توبہ قبول ہو جائے گی؟''

حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ہاں، خدا توبہ قبول کرنے والا اور گناہ بخش دینے والا ہے۔ انشاء اللہ تو دنیا اور آخرت میں حُر (آزاد) ہے۔''

حُر کو جنت بھی ملی اوجِ شہادت بھی ملا
اک نظر میں شاہ نے قطرہ کو دریا کر دیا

شہزادہ علی اکبر رضی اللہ عنہ کی شہادت

جب سارے فدائیانِ اہلِ بیت رسول ﷺ ایک ایک کر کے جامِ شہادت نوش فرما چکے تو اہلِ بیت کرام کی باری آئی اور خاندانِ نبوت کا تابندہ اختر حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ میدان میں جانے کے لیے تیار ہوئے۔

کتنا المناک اور جانسوز وقت تھا جبکہ حرم رسول کا آخری شہزادہ، اٹھارہ سال کا شباب آلود نوجوان، حسینی چمنستانِ آرزو کا یگانہ پھول حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ اپنی دکھیاری ماں اور مظلوم باپ سے اجازت لے رہا تھا۔

حضرت امام عرش مقام نے اس دعا کے ساتھ اپنے لختِ دل کو میدانِ جنگ میں جانے کی اجازت دی۔

''الٰہ العالمین! تو دیکھ رہا ہے کہ میں اپنے اُس لخت جگر اور نورِ بصر کو راہِ حق میں فدا ہونے کے لیے بھیج رہا ہوں جو نہ صرف شکیل و جمیل اور صالح و پارسا ہے بلکہ وہ حسن و جمال، شکل و صورت اور گفتار و کردار

میں میرے نانا پاک صاحبِ لولاک ﷺ سے بہت زیادہ مشابہ ہے۔ ہمیں جس وقت تیرے نبی پاک ﷺ کی زیارت کا شوق بیتاب کرتا تھا، اُسی کو دیکھ کر اپنا اشتیاق پورا کر لیتے تھے۔"

شہزادہ علی اکبر ؓ شیرِ نیستاں کی طرح یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان میں تشریف لائے:

اَنَا عَلِیُّ بْنِ حُسَیْنِ بْنِ عَلِی
نَحْنُ وَ رَبُّ الْبَیْتِ اَوْلٰی بِالنَّبِی

"میں حسین کا بیٹا اور علی کا پوتا ہوں۔ کعبہ مکرمہ کے رب کی قسم! ہم نبی ﷺ کے قرب کے زیادہ حقدار ہیں۔ ہمارے ہی گھر میں وحی و الہام کے انوار و برکات نازل ہوتے تھے۔ ہم ہی نبوت کے کاشانہ اقدس کے مقیم ہیں۔ آؤ میری تلوار کا تماشہ دیکھو! جو کفر و نفاق کے آلودہ سینے اور دل تلاش کرنے نکلی ہے۔ کسی کو دوزخ کی خواہش ہے آؤ! میرے ہتھیاروں نے دوزخ کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ مجھ سے کون مقابلہ کرتا ہے۔ اہل بیت کی آبرومند جماعت کا سپاہی ہوں۔ میرے سامنے کون آتا ہے۔ میں فاطمہ زہراء جنت کی ماتا بھری گود سے اُٹھ کر آیا ہوں۔"

یہ رجز پڑھ کر اس گیسو دراز ماہ جبیں نے تلوار چمکائی اور مُڑ کر اپنے بے کس، پردیسی باپ کو آخری سلام کیا اور شامی لشکر میں گھس گئے۔

آپ نے پیہم حملے کیے اور بہتوں کو جہنم رسید کیا۔ مگر یکہ و تنہا اور بھوکے پیاسے کب تک لڑتے، بدنہاد دشمنوں نے چاروں طرف سے ہجوم کر کے اس صالح و بہادر ماہ رُو کو نرغے میں لے لیا اور ہر طرف سے تیروں کی بارش شروع کر دی۔ چنانچہ ان ظالموں نے علی اکبر ؓ کے جسم مبارک کو تیروں سے چھلنی کر ڈالا اور تلواروں کے وار کرنے لگے۔ جس حسینی پھول کو انہیں سر چڑھانا تھا اور جس فرزند جلیل کو انہیں آنکھوں پر بٹھانا تھا، اُسی کو یہ لعین و شقی اپنی ساری قساوتوں اور سفاکیوں کی آماجگاہ بنائے ہوئے ہیں اور مسلمان کہلاتے ہوئے

مسلم شہزادوں کی پامالی پر تلے ہوئے ہیں۔ جراحتوں اور زخموں سے جسم چور چور ہو گیا تھا۔ ایک آزمودہ کار شقی نے تاک کر ایسا نیزہ مارا کہ شق القمر کا معجزہ دکھانے والے کے چاند سے بیٹے کے جسمِ اطہر میں پیوست ہو گیا۔ اور جب گھوڑے سے گرنے لگے تو یَا اَبَتَاہُ! کہہ کر محترم اور مظلوم باپ کو آواز دی کہ میری خبر لیجیے اور آخری دیدار سے سیراب کیجیے۔ دیکھیے نانا پاک حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مجھے جامِ کوثر پلا رہے ہیں۔ جس کے بعد مجھے قیامت تک پیاس نہ لگے گی۔

حضرت امام ؓ نے اپنے بہادر بیٹے کو گرتے دیکھا تو دوڑ کر میدان کی طرف یہ کہتے ہوئے لپکے:

مل کر غریب و بے کس و تنہا سے جائیو
آئے ضعیف باپ تو دنیا سے جائیو
مجھ کو غریب دشتِ بلا کہہ کے پھر پکار
اک بار یا شہِ دوسرا کہہ کے پھر پکار
اے شیر سید الشہداء کہہ کے پھر پکار
صدقے ہو باپ یا ابتا کہہ کے پھر پکار
دوڑے یہ بات کہہ کے سلطان بحر و بر
بیٹے کی لاش باپ نے دیکھی لہو میں تر
اُٹھا جو دل میں درد تو خم ہو گئی کمر
دیکھا جو زخم منہ کے قریب آ گیا جگر
اکبر تیرے الم سے جگر چاک چاک ہے
جب تو نہ ہو تو باپ کے جینے پہ خاک ہے

دیکھا کہ روح و تن میں کشمکش ہو رہی تھی اور شباب خاک پر ایڑیاں رگڑ رہا تھا۔

یہ بات سن کے ہچکیاں لینے لگا پسر
سوکھی زباں دکھائی کہ پیاسا ہوں اے پدر

زردی اجل کی چھا گئی چہرے پہ سر بسر
دو بار لی کراہ کے کروٹ اِدھر اُدھر
دنیا سے انتقال ہوا نورِ عین کا
ہنگامِ ظہر تھا کہ لٹا گھر حسین کا

"بیٹا! میں تمہارا باپ حسین رضی اللہ عنہ ہوں۔ نانا رسول خدا ﷺ سے سلام کہہ دینا۔ بابا علی رضی اللہ عنہ سے سلام کہہ دینا۔ اماں فاطمہ رضی اللہ عنہا سے سلام کہہ دینا۔ جس باپ سے کبھی اور کسی وقت جدا نہ ہوتے تھے۔ دشتِ کرب وبلا میں اُسے اکیلا چھوڑ کر جاتے ہو۔

اے اولاد والو! یہ میری اٹھارہ سال کی کمائی ہے۔ جس کی اٹھتی جوانی خدا کے نام پر میں نے خاک میں ملائی ہے۔ تم اپنے نونہالوں کی دلکش بہاریں دیکھو۔ میں نے تو اپنے بچوں کی گردنیں حق کی خاطر چھری تلے رکھ دی ہیں۔

اے کربلا کے خون آلود ذرو! گواہ رہنا، مظلوم حسین رضی اللہ عنہ نے اپنا لختِ جگر گود میں لے کر ملک الموت کے سپرد کیا ہے اور ایمان کی سرمدی دولت اس کے عوض لی ہے۔"

جاں نثار پھوپھی خیمہ کے سوراخ سے یہ قیامت خیز نظارہ دیکھ رہی تھیں بے تاب ہو گئیں اور یارائے ضبط باقی نہ رہا۔ بے اختیار خیمہ سے باہر نکل آئیں اور علی اکبر رضی اللہ عنہ کی لاش کے ٹکڑوں پر گر پڑیں۔ حضرت امام عالی مقام نے دکھیاری، آفتوں کی ماری بہن زینب رضی اللہ عنہا کا ہاتھ پکڑ کر خیمہ کے اندر کیا اور فرمایا:

"حسین رضی اللہ عنہ ابھی زندہ ہے اور خاندانِ نبوت کی عفت پناہ خواتین کے بے پردہ ہونے کی قیامت خیز گھڑی ابھی نہیں آئی۔"

خیمے میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔ ستم رسیدہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے لیے یہ بھی بے کسی و بے چینی کا عجیب عالم تھا۔ ایک طرف صدموں سے چور بہن پر غشی طاری

تھی اور دوسری طرف بھائیوں، بھانجوں، بھتیجوں، دوستوں اور بیٹوں کی بے گور و کفن لاشوں کے انبار تھے لیکن اتنے زہرہ گداز اور جگر پاش مصائب میں بھی حسین رضی اللہ عنہ راضی برضا ہیں اور دامنِ صبر واستقلال کو مضبوطی سے تھامے ہوئے تھے۔

ستم رسیدہ اور مظلوم امام رضی اللہ عنہ نے خاک وخون میں لتھڑی ہوئی علی اکبر رضی اللہ عنہ کی لاش کو کندھے پر اٹھایا اور خیمے کے سامنے لاشوں کے انبار میں رکھ دیا۔ اس بے کسی و بے بسی کی فضا میں آپ نے آسمان کی طرف نگاہ اُٹھا کر فرمایا:

"اے عرش وفرش کے مالک! آج تیرے ایک وفادار بندہ نے تیری راہِ حق میں اپنی سب سے بڑی نذر پیش کر کے سنتِ ابراہیمی پوری کی ہے، تو اسے قبول فرما۔" (ابن اثیر)

اللہ اکبر! جس گرامی قدر ذات نے دنیا کی فریادیں سنیں، یگانوں کی سنی بیگانوں کی سنی اور جس نے کبھی اپنے خونخوار دشمنوں کو بھی تلوار کی نوک نہ چبھوئی۔ آج اُس کے محترم نواسے کے بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں، رفیقوں اور بیٹوں کو اُسی کی اُمت چُن چُن کر بے دردی و بے رحمی سے قتل کر دے اور کوئی اُس کی فریاد سننے والا اور اُس کے مظلوموں کو پناہ دینے والا بھی نہ ہو۔ ہر طرف بے کسی، ہر سمت مظلومیت اور ہر جانب دردناک مناظر کا جنگل پھیلا پڑا ہے۔ تین شبانہ روز کی بھوک اور پیاس، عزیزوں کی جواں مرگی، معصوموں کا قتل، دوپہر کی دھوپ، پانی کا قحط، بیواؤں کی فریاد، عورتوں کی بے کسی، دشمنوں کا نرغہ، پیاروں کی لاشیں، رفیقوں کی مفارقت اور اپنی موت سامنے، ایک جانِ زار اور اتنے کوہ ہائے غم والم۔ مگر ان ہوشربا اور صبر سوز حال میں بھی پیشانی پر بل نہیں اور زبان پر حرفِ شکایت نہیں آتا۔ یہ تھا حضرت شبیر رضی اللہ عنہ کا صبر و ثبات اور یہ تھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی جلالت و شان۔

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کی شہادت

یکے بعد دیگرے اہلِ بیت کرام کے جاں فروش شہید ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ میدانِ کارزار میں ایک جوان رعنا نمودار ہوا۔ جو کُرتا پہنے اور تہبند باندھے تھا اور اس

قدر خوبصورت تھا کہ اس کا چہرہ چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا تھا۔ یہ تھے حضرت قاسم ابن حسن بن علی رضی اللہ عنہم۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

حضرت امام رضی اللہ عنہ نے انہیں روکا اور فرمایا:

"قاسم رضی اللہ عنہ! تم میرے مرحوم بھائی کی یادگار ہو اور تم ابھی بچے ہو، جاؤ گھر میں بیٹھو، جنگ کرنا تمہارا کام نہیں۔"

اُنہوں نے جواب دیا:

"بابا! خدا کے لیے مجھے نہ روکیے، مجھ کو بھی نانا رسول کی زیارت کا شوق ہے۔ لڑوں گا اور اُن کی بارگاہ میں پہنچ جاؤں گا۔"

حضرت قاسم شیر کی طرح بپھرتے ہوئے میدان میں آئے اور یزیدیوں سے پکار کر کہا:

"میں اپنے نانا رسول ﷺ کے گھر جانا چاہتا ہوں، تم اپنی تلواروں سے راستہ کھول دو اور میرا نام دنیا کے بچوں میں لیا کرنا کہ اہلِ بیت رسول کے بچے بھی بہشت کے شوقین تھے۔"

یہ کہہ کر دشمنوں پر حملہ کیا اور چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے خوب لڑے۔ آخر ایک شقی نے سر پر تلوار ماری۔ آپ چلائے: "ہائے چچا" اور زمین پر گر پڑے۔ پھر سینکڑوں تلواریں بیک وقت پڑنے لگیں اور مسلمان کہلانے والے ملعونوں نے پیشوائے اسلام کے نواسے کے جگر گوشہ کا قیمہ کر کے رکھ دیا۔

حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کی آواز سنتے ہی آپ اُن کے سرہانے پہنچ گئے۔ دیکھا کہ جسمِ نازنین کے پرزے ہو چکے ہیں اور روح ملاءِ اعلیٰ پہنچ گئی ہے۔ آپ نے سر گود میں لے کر فرمایا:

"قاسم! اُن کے لیے ہلاکت! جنہوں نے تجھے قتل کیا ہے۔ قیامت کے دن تیرے نانا کو کیا جواب دیں؟"

آپ نے لاش کو گود میں اُٹھایا۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کا سینہ آپ

کے سینہ سے ملا ہوا تھا اور پاؤں زمین پر گرتے جاتے تھے۔ اس حال میں آپ اُسے لائے اور علی اکبر رضی اللہ عنہ کی لاش کے پہلو میں لٹا دیا۔

علی اصغر رضی اللہ عنہ کی اندوہناک شہادت

خاندانِ نبوت کا شگفتہ وشاداب باغ اُجڑ چکا۔ چمنستانِ بنی فاطمہ کے ایک ایک کر کے سب پھول جھڑ گئے۔ خزاں رسیدہ گلستانِ اہلِ بیت میں حضرت امام عالی مقام کے سوا کوئی پودا باقی نہ رہا۔

آپ اپنے عزیزوں اور رفیقوں کے شہید لاشوں کو دیکھ رہے تھے کہ دفعۃً خیمہ سے دردناک آوازیں بلند ہوئیں۔ آپ خیمہ میں تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ خواتینِ اہلِ بیت کو وفورِ غم اور شدتِ تشنگی سے غش پر غش آ رہے ہیں۔ لختِ جگر اصغر رضی اللہ عنہ معصوم کا تو پیاس سے منکا ڈھلک گیا ہے۔ ہونٹ نیلے پڑ گئے ہیں، پتلیاں پھیل گئی ہیں اور اس کی درد رسیدہ ماں کا دودھ بھی خشک ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا: لاؤ میرے علی اصغر رضی اللہ عنہ کو لاؤ۔ آپ نے زندگی کی آخری سانس پورے کرنے والے علی اصغر کو گود میں لیا، پیار کیا اور فرمایا۔ میں ایک بار اور ان تشنہ لبوں کی تشنگی دور کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ شاید ظالموں کو رحم آ جائے۔ علی اصغر رضی اللہ عنہ کو گود میں لے کر سنگ دلوں کے سامنے آئے اور فرمایا:

"یزیدیو! میں باغی ہی سہی، مگر اس دودھ پیتے معصوم بچے نے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا ہے۔ پیاس کی شدت سے نیم جان ہے۔ کم از کم اسے تو ایک گھونٹ پانی دے دو، تا کہ اس کی ننھی جان بچ جائے۔"

اس درد بھری اپیل کا جواب پانی کے چند قطروں کی بجائے قصائی پیشہ کوفیوں نے زبان تیر سے دیا۔ ایک لعین ازلی نے ایسا تاک کر تیر مارا کہ ننھے سید کے معصوم حلق کو چیرتا ہوا امام عالی مقام کے بازو میں پیوست ہو گیا۔ شفیق باپ کی گود میں بے گناہ بچے نے اُسی وقت تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔ آپ نے تیر اُس کے حلق سے کھینچ نکالا۔ خون کا فوارہ معصوم

کے گلے سے اُبلنے لگا۔ آپ نے خون سے چلّو بھرا اور بچے کے جسم پر ملنے اور فرمانے لگے:

''واللہ! تو خدا کی نظروں میں حضرت صالح (علیہ السلام) کی اونٹنی سے زیادہ عزیز ہے اور حضرت محمد ﷺ کی نظروں میں حضرت صالح علیہ السلام سے زیادہ افضل ہیں۔ الٰہی! اگر تُو نے آسمانی نصرت ہم سے روک لی ہے تو انجام بخیر فرما اور ان ظالموں سے بدلہ لے۔'' (ابن جریر)

پھول تو کچھ دن بہارِ جانفزا دکھلا گئے
حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ

پوری کائنات ارضی میں آدم تا ایں دم ایک مثال بھی ایسی موجود نہیں کہ کسی انسان پر آفات و مظالم کی بیک وقت اتنی ہولناک ساعتیں گذری ہوں۔ الم و یاس کی اتنی نشتر کاریاں اور بے کسی و بے بسی کے ایسے جانگداز و جانسوز لمحے پیہم آئے ہوں۔ بے شک کسی ملک میں جب انقلاب کے طوفان اُٹھتے ہیں تو خاندان کے خاندان مٹتے اور تباہ ہوتے ہیں۔ لیکن مٹنا اور اس طرح مٹنا، پامال ہونا اور یوں پامال ہونا نہ کسی نے سنا اور نہ کسی نے دیکھا۔ پورے چھ گھنٹے بھی نہ گذرنے پائے تھے کہ تین بھرے گھرانے آنکھوں کے سامنے تباہ و برباد ہو کر رہ گئے ہوں۔ اُس واجب الاحترام اور مایۂ صد افتخار خاندان کا ہر رفیق ہر بہی خواہ ہر فرد خون کے دریا میں ڈبو دیا گیا۔ جس سے اشرف و اعلیٰ خاندان مادرِ گیتی نے آج تک پیدا ہی نہیں کیا اور پھر ان لوگوں کے ہاتھوں جن پر اُن کی حفاظت و نگہداشت فرض تھی اور جن کا عقیدہ یہ تھا:

فلاحِ دارین دنیا ہے محمدؐ کے وسیلے سے

لیکن ان ہوشربا اور دلدوز عالم میں بھی امام عالی مقام کے قدم نہیں ڈگمگاتے اور

ان انتہائی غمناک اور انتہائی محشر خیز اور انتہائی جگر پاش مصائب میں بھی صبر و ثبات اور ہمت و استقامت کے ایک کوہِ گراں ثابت ہوتے ہیں اور کسی حال میں اپنے نصب العین اور مقصدِ حیات سے سرِ مو انحراف نہیں کرتے۔

وہ دیکھ، دستِ امامت پہ شیر خوار کی لاش
وہ دیکھ، پھر بھی کہیں ڈگمگا سکے نہ قدم

لاریب روحانی عظمت اور اُخروی جلالت بغیر دلدوز مصیبتیں اٹھائے اور جانسوز بلائیں جھیلے حاصل نہیں ہوتی۔

اے دل بہ ہوس برسرِ کارے نرسی
تا غم نہ خوری بغم گسارے نرسی
تا سودہ نہ گردی چو حنا در تہِ سنگ
ہرگز بکفِ پائے نگارے نرسی

آخر امام عالی مقام نے صدموں سے مجروح دل اور غموں سے لرزتے ہاتھوں اس چھوٹی سی لاش کو اٹھایا اور گنجِ شہیدوں میں رکھ کر باطل کی یزیدی قوت سے آخری بار نبرد آزما ہونے کے لیے تیار ہو گئے اور حق و صداقت کا بیج بونے اور اسلام کے چمن میں اپنے خون کا پانی دینے کے لیے آمادہ ہو گئے۔

حضرت امامِ عرش مقام نے یہ مصائب و نوائب برداشت کیے اور اپنا اور اپنے رفیقوں، بھانجوں، بھتیجوں اور بیٹوں کے مقدس سر کٹوا دیئے، اس لیے اور محض اس لیے کہ نانا رسول ﷺ کی اُمت حق اور سچ کو پہچانے اور باطل کے سامنے سر جھکانے پر قطعاً آمادہ نہ ہو۔ گویا امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے اپنے اور اپنے دوستوں اور بچوں کے خون سے چمنستانِ اسلام کی آبیاری کی۔ مسلمانوں کے ایمانوں کو نئی زندگی بخش دی اور دینِ اسلام کی بنیادیں جو ہل چکی تھیں اُنہیں از سرِ نو قائم اور مستحکم کر دیا۔

حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسین!

شہادتِ عظمیٰ

اے کربلا کی خاک اس احسان کو نہ بھول
تڑپی ہے تجھ پہ لاش جگر گوشۂ بتول
اسلام کے لہو سے تری پیاس بجھ گئی
سیراب کر گیا تجھے خونِ رگِ رسول

سب یار و انصار اور عزیز و اقارب شہید ہو گئے۔ اب حسین ؓ بالکل یکہ و تنہا تھے۔ جس کے نانا پاک (اُن پر ہزاروں درود اور کروڑوں سلام ہوں) کے گھر کی پاسبانی ملائکۂ آسمانی کرتے تھے۔ آج اُن کا محبوب نواسہ بے برگ و نوا، بے یار و مددگار کربلا کے خون آلود مقام پر کھڑا ہے اور خدا کے علاوہ اُس کا کوئی حافظ و ناصر نہیں۔ ابن زیاد کے سپاہیوں کی خون آشام تلواریں نوجوانانِ اہلِ بیت رسول ﷺ کا خون پی کر بھی سیر نہیں ہوتیں اور حضرت امام حسین ؓ، راکب دوشِ رسول ﷺ کے خون کی پیاس میں زبان چاٹتی ہیں۔ جب حضرت امام عالی مقام کے پاس کوئی ایسا فدیہ نہ رہا جس کو وہ راہِ خدا میں نثار کرتے تو خود اپنی جانِ عزیز کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے میدان میں آئے۔ اگرچہ علی اکبر ؓ کے غم میں آنکھوں نے جواب دے دیا۔ عباس ؓ جیسے بھائی کے ماتم نے کمر خمیدہ کر دی تھی اور قاسم بن حسن ؓ اور علی اصغر ؓ کی بہیمانہ موت سے رہی سہی قوت بھی رخصت ہو گئی تھی، مگر فاطمہ ؓ کے دودھ کی تاثیر اور علی مرتضیٰ ؓ کے خون کا یہ اثر تھا کہ مرتے دم تک دُنیا پر رعب قائم رہا۔ تاریخ شاہد ہے کہ وہ بھوکا پیاسا، رنجور و ملول حسین ابنِ علی ؓ ایسے وقت میں بھی جب اچھے اچھے انسانوں کے ہوش و حواس قائم نہیں رہتے، بہادری کا مجسمہ اور شہادت کا مرقع ثابت ہوا۔

لڑائی کے دوران پیاس کی شدت نے آپ کو نڈھال کر دیا تھا۔ آپ پانی پینے سیدھے دریائے فرات پر تشریف لے گئے۔ شمر لعین نے ابن سعد سے کہا: حسین ؓ پیاس

سے نڈھال اور خستہ جان ہے مگر ہمارے قابو میں نہیں آتا۔ پانی پی کر تر و تازہ ہو گیا تو پھر ہم میں سے کسی کی خیر نہیں۔ عمرو بن سعد نے فوج کو اشارہ کیا کہ حسین ؓ فرات کا پانی نہ پینے پائے۔ آپ نے ایک چلّو پانی لیا تھا اور چاہتے تھے کہ خشک زبان کو تر کریں کہ ایک موذی بدذات نے تیر مارا جو آپ کے دہن مبارک میں گھس گیا۔ آپ نے بڑی تکلیف اور مشکل سے وہ ستم کا تیر منہ سے نکالا۔ جس کے کھینچتے ہی ایک خون کا فوارہ جاری ہو گیا۔ آپ نے خون آسمان کی طرف اُچھالا اور فرمایا:

''اے خدا! تیرے سوا کس سے فریاد کروں۔ دیکھ! تیرے سرکش بندے تیرے محبوب رسول ﷺ کے نواسے سے کیا برتاؤ کر رہے ہیں؟''

تو نیز بر سر بام آ چہ خوش تماشائیست

تلواروں اور تیروں سے جسمِ نازنین چھلنی ہو چکا تھا، خون بہہ رہا تھا، پیاس کی شدت سے زبان سے آواز نہیں نکلتی تھی، لیکن علی ؓ کے شیر اور رسولِ خدا ﷺ کے بیٹے کا ہاتھ تلوار چلانے سے نہ رُکتا تھا۔ دشمنوں کے سر دھڑوں سے کٹ کٹ کر ڈھیر ہو رہے تھے۔ دشمن سخت سراسیمہ تھا کہ جنگ کا یہ انداز رہا تو حیدر کرار ؓ کا شیر کوفہ کے زن و اطفال کو بیوہ اور یتیم بنا دے گا۔ کوفی ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ ایسا بہادر، جری اور نڈر انسان ہم نے آج تک نہیں دیکھا کہ اُس کے سب گھرانے والے، لختِ جگر، بچے اور عزیز و اقارب، بے یار و مددگار مارے گئے اور خود اس کا اپنا جسم زخموں سے چور چور ہے مگر میدان سے منہ نہیں پھیرتا اور بہادروں کے جی چھڑائے دیتا ہے۔

جب تلواروں اور نیزوں کے تابڑ توڑ حملوں کے دوران شمر اور اس کے ساتھیوں نے اہلِ بیت کے خیموں کو لوٹنا چاہا تو حضرت امام نے فرمایا:

''ظالمو! اگر تمہارے سینے نورِ ایمان سے خالی ہو چکے ہیں اور تم کو روزِ آخرت کا ڈر بھی نہیں رکھتے تو کم از کم دنیاوی شرافت پر تو قائم رہو۔ خدارا اہلِ بیت رسول ﷺ کے خیموں کو اپنے جاہلوں اور اوباشوں

سے محفوظ رکھو!"

شمر نے جواب دیا: "اچھا ایسا ہی کیا جائے گا۔ آپ کا خیمہ محفوظ رہے گا۔"

ذوالفقارِ حیدری کا جوش وخروش دیکھ کر شمر لعین نے سپاہیوں کو للکارا۔ شامی لعین نواسۂ رسول ﷺ پر ٹوٹ پڑے۔ پیہم تلواروں اور نیزوں کے زخموں نے امام عالی مقام کو نڈھال کر دیا۔ اعضا جواب دے گئے۔ یہاں تک کہ زمین تھرائی، آسمان کانپا اور کائنات میں ہلچل مچی کہ خالقِ کائنات کے محبوب کا محبوب، رسالت کے کندھے پر کھیلنے والا، نبوت کی پشت مبارک کا سوار، علی مرتضٰی کی آنکھوں کی بینائی، فاطمہ زہراءِ جنت کے دل کی دھڑکن، اہلِ بیتِ رسول کا چشم وچراغ، حضرت امام عرش مقام گھوڑے کی پشت سے گر پڑا۔

تشنہ لب ذروں پہ خون مشک بو بہنے لگا
خاک پر اسلام کے دل کا لہو بہنے لگا

دیر تک حضرت سید مظلوم زمین پر زخمی پڑے رہے۔ مگر جگر گوشۂ بتول رضی اللہ عنہا نواسۂ رسول ﷺ کے خونِ ناحق کا بارِ عظیم کوئی شخص اپنے سر نہ لینا چاہتا تھا۔ انعام کے لالچ میں بڑھتے تھے لیکن جرأت نہ پڑتی تھی، ضمیر ملامت کرتا تھا۔ آخر ابنِ شریک کی تلوار، سنان کا نیزہ اور شمر لعین کا خنجر کام کر گیا۔

بدن زخموں سے لالہ زار تھا۔ رُوح ملاءِ اعلیٰ کے لیے بے چین و بے قرار تھی۔ فردوسِ بریں کے جھروکوں سے حُورانِ بہشت جنت کے اس سردار کو جھانک رہی تھیں۔ کوثر نے اپنے ٹھنڈے اور خوش ذائقہ پانی کی سبیل کو کربلا کے پیاسوں کے لیے تیار کر رکھا تھا۔ دشتِ کربلا کی قیامت خیز دھوپ میں لیٹنے والوں کے لیے طوبیٰ نے اپنے خوشگوار سایوں کا دامن دراز کر دیا تھا۔ حاملانِ عرش سید الشہداء کے لیے چشمِ براہ تھے۔ انبیاء، اولیاء اور شہداء کی ارواحِ مقدسہ سید المرسلین رحمۃ للعالمین ﷺ کے نواسۂ محترم کے استقبال کے لیے ہمہ تن تیار تھیں۔ ملاءِ اعلیٰ کی قدسی فضاؤں کو آراستہ کیا جا رہا تھا۔ جنت الفردوس کی تزئین و آرائش ہو رہی تھی۔ جوانانِ جنت کا سردار، مسندِ شہادت کا شہ نشین بہتے خون کا سہرا باندھے،

زخموں کے ہار گلے میں ڈالے تشریف لا رہا ہے۔

بہاروں پر ہیں آج آرائشیں گلزارِ جنت کی
سواری آنے والی ہے شہیدانِ محبت کی

بلکہ خود حضور پرنور (ﷺ) اپنے محبوب بیٹے، اپنے لاڈلے حسین رضی اللہ عنہ کی قتل گاہ میں تشریف لائے ہوئے ہیں کہ ریشِ مبارک اور سرِاقدس کی عنبریں زلفیں گرد وغبار میں اٹی ہوئی ہیں۔ حسیں آنکھوں سے آنسوؤں کا تار بندھا ہوا ہے۔ دستِ مبارک سے ایک شیشی تھامے ہوئے ہیں۔ جس میں شہدائے کربلا کا خون جمع کیا گیا ہے اور اب اپنی آنکھوں کے نُور، دل کے سرور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے مقدس خون جمع کرنے کی باری ہے۔

بچہ ناز رفتہ باشد ز جہاں نیاز مندے
کہ بوقت جاں سپردن بسرش رسیدہ باشی

آخر لعینِ ازلی سنان ابن انس کے اُس سرِاقدس کو جو بوسہ گاہ لب ہائے رسول ﷺ تھا جسمِ پاک سے جدا کر دیا اور ۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ مطابق ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء میں خانوادۂ نبوی کا آفتاب رُشد وہدایت ہمیشہ کے لیے روپوش ہو گیا اور دُنیا ہدایت وشجاعت، دیانت اور صبر کی اس زندۂ جاوید شخصیت اور سیادت وامامت کی اس پرعظمت روح سے خالی ہو گئی۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

کائناتِ عالم نے ظلم وعدوان اور شقاوت و بربریت کے ہزاروں واقعات دیکھے اور سنے ہوں گے، مگر ایسا زہرہ گداز اور جگر خراش سانحہ آج تک نہ دیکھا اور نہ سُنا ہوگا۔

تُو اور سرِ خاک میرے گیسوؤں والے
یہ دل، یہ بلائیں، یہ زباں اور یہ چھالے
اس پیاس میں گردن پہ چھری جسم پہ بھالے
افسوس ہے اے فاطمہ کے ناز کے پالے

عبرت کا وہ منظر ہے کہ خود ظلم خجل ہے
یہ لاش نہیں خاک پہ اسلام کا دِل ہے

ستم بالائے ستم

امام الشہداء کو شہید کرنے کے بعد بھی سنگدل اور خونی یزیدیوں کا بغض وعناد ختم نہ ہوا، اور ان ظالموں کے کینہ سے پُر سینوں کی جہنمی آگ سرد نہ ہوئی۔ ابھی اس سے بھی بڑھ کر قیامت باقی تھی۔

آسماں تھا زلزلے میں اور تلاطم میں زمیں
اس سے آگے کیا ہوا مجھ سے کہا جاتا نہیں

چنانچہ سرکاٹ لینے کے بعد وحشی یزیدیوں نے اس عظمت وعصمت کے پیکر اور شرم وحیا کے پُتلے کو برہنہ کیا۔ جسم مبارک کے تمام کپڑے اُتار لیے گئے اور آپ کی برہنہ اور سربریدہ نعش کو گھوڑوں کے سموں سے روند ڈالا۔ جس سے جسمِ نازنین کے تمام اعضا الگ الگ ہو گئے۔ شکمِ مبارک سے آنتیں باہر نکل آئیں۔ تمام پسلیاں ٹوٹ گئیں اور وہ جسم پاک جس کو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اپنی رحمت بھری گود میں لیتے تھے، کندھے پر اٹھاتے تھے۔ جس کے جسمِ اطہر کی خوشبو دیر تک سونگھتے رہتے تھے اور جسے حضرت فاطمۃ الزہراء نے اپنی آغوش میں پالا تھا ریزہ ریزہ ہو کر رہ گیا۔ (ابن جریر، یعقوبی)

اَتَرْجُوْ اُمَّۃٌ قَتَلَتْ حُسَیْنًا
شَفَاعَۃَ جَدِّہٖ یَوْمَ الْحِسَابِ

ترجمہ: جس بدنہاد قوم نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا، کیا وہ اُس کے نانا پاک کی شفاعت کی اُمید رکھتی ہے؟

اِس سفاکی و شقاوت کے انسانیت سوز مظاہرے کے بعد یزیدی جنگلی بُھتے بھیڑیوں کی طرح خانوادۂ نبوت کے خیموں کی طرف بڑھے۔ خیموں کو آگ لگا دی اور

خاندانِ رسالت کا کُل سامان لوٹ لیا۔ جس کی کُل کائنات کچھ بوسیدہ کپڑے، چند پیوندلگی چادریں اور ضروریاتِ زندگی کا معمولی سامان تھا۔

اہلِ بیت کی اُن عفت پناہ بیبیوں کو بے پردہ کیا گیا جو جنت کی خاتون کی لختِ جگر تھیں، اُن کو رسیوں میں باندھا گیا، زمین پر گھسیٹا گیا جن کو آفتاب وماہتاب نے بھی بے پردہ نہ دیکھا تھا اور خدائے بلند وبرتر کے نزدیک جن کے تقدس اور بزرگی کا یہ عالم ہے کہ قیامت کے دن، جن وانس اور قدسی وملائک کے مجمع عام میں اعلان ہوگا۔

"اے اہلِ محشر! اپنی آنکھیں بند کر دو، اپنی گردنیں خم کر لو کہ فاطمہ بنت محمد (ﷺ) پُل صراط سے گذرتی ہیں۔"

اُن کے زیور اُتار لیے گئے۔ حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے کانوں سے بالیاں اس بے رحمی کے ساتھ کھینچی گئیں کہ گوشہائے مبارک لہولہان ہو گئے۔

اللہ اللہ! عبرت کا کیسا دردناک منظر ہے کہ جس کے نانا پاک نے حاتم طے کی لڑکی کو ننگے سر دیکھا تو اپنی چادر سے اُس کے سر کو ڈھانپ دیا تھا۔ آج اُسی رحمۃ للعالمین کی صاحبزادیوں کے سروں سے چادریں تک اُتار لی گئیں۔ دل خون ہوا جاتا ہے اور جگر پارہ پارہ! جب انسان تصور کرتا ہے کہ ان درندوں کی شقاوت کس بلا کی تھی جنھوں نے معصوم بچیوں کی اوڑھنیاں تک چھین لیں۔ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ بیمار تھے، اُن کے نیچے سے چمڑے کا بستر نکال کر اُنہیں خاک پر پھینک دیا۔

غور کیجیے کہ ان نبی زادیوں کے قلوب پر اس وقت کیا گذری ہوگی؟ جس وقت یہ بھیڑیئے برہنہ شمشیریں لے کر سرخ سرخ آنکھیں نکالے خیموں میں گھسے ہوں گے اور لوٹ مار شروع کی ہوگی۔ اہلِ بیت رسول ﷺ کی یہ تباہی، یہ رسوائی اور یہ ذلت ان ننگِ آدم، ننگِ دیں اور ننگِ انسانیت انسانوں کے ہاتھوں ہوئی۔ جن کے ہاتھوں میں اسلام کا جھنڈا تھا، جن کی پیشانیوں پر سجدے کے نشان تھے اور جن کی زبانوں سے توحید ورسالت کے نعرے بلند ہوتے تھے، مگر اُن کے دل تاریک تھے، وہ ایمان کی روشنی سے محروم ہو چکے

تھے۔ حضرت رسالت مآب ﷺ کی مظلوم صاحبزادیاں چیخ و پکار کرتی تھیں تو یہ جہنمی اور سیاہ دل یزیدی ہنستے تھے اور کہتے تھے کہ تمہارے حمایتی اور مددگار وہ کٹے پڑے ہیں، تم ہماری لونڈیاں ہو۔ یہ گستاخانہ اور منافقانہ کلمے اُنہیں سنائے جارہے تھے جو تمام جہان کی آقا زادیاں تھیں، جو پیکرِ طہارت و نفاست تھیں۔ جن کے گھروں میں مقرب فرشتے بھی بغیر اجازت داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ یہ اُن کی بے کسی و بے بسی کا دلخراش عالم تھا جن کا نانا پاک جہان کے یتیموں اور بے کسوں کا حامی و مددگار بنا کر بھیجا گیا تھا اور جن کا جدِ امجد مظلوموں اور کمزور انسانوں کی آخری جائے پناہ تھا۔

اہلِ بیتِ پاک سے گستاخیاں بیباکیاں
لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ دشمنانِ اہلِ بیت

منظرِ قیامت

امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی شہادت پر آسمان کانپ اُٹھا، زمین لرز گئی اور آفتابِ جہاں تاب بے نور ہوگیا۔ کائنات میں ایسا اندھیرا چھا گیا کہ دن میں ستارے نظر آنے لگے۔ آسمان کے کنارے سرخ ہوگئے اور چھ ماہ تک یہ سرخی باقی رہی۔ سید مظلوم کے خونِ ناحق نے ہر درخت اور ہر پتھر کو سرخ کر دیا۔ آسمان سے خون ٹپکنے لگا۔ یہاں تک کہ جس چیز کو دیکھتے اُس میں خون ہی خون نظر آتا۔ شام میں جس پتھر کو اٹھایا جاتا اس کے نیچے تازہ خون موجود ہوتا۔ یزیدیوں نے اونٹ ذبح کیا تو اس کے گوشت میں سے آگ کی چنگاریاں نکلنے لگیں۔ (تہذیب التہذیب، تاریخ الخلفاء)

حضور ﷺ کی بے تابی

نبی کریم رؤف و رحیم ﷺ کو اہلِ بیتِ اطہار خصوصاً سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ سے جو محبت تھی وہ آپ گذشتہ اوراق میں ملاحظہ کر چکے ہیں۔ جس محبوب ہستی کی پیشانی کا پسینہ اور آنکھوں کے آنسو حضور ﷺ کے کاشانۂ دل میں ایک حشر بپا کر دیتے تھے۔ جب اسی

پیارے اور لاڈلے حسین رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی پر تیروں کی بارش، تلواروں اور نیزوں کے پیہم وار ہوئے تو اندازہ کیجیے اُس وقت رحمتِ دوعالم ﷺ کے دل کی کیا کیفیت ہوئی ہوگی۔ مشتے نمونہ از خروارے ان حدیثوں میں اس کی ایک جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

رَاَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ فِیْمَا یَرَی النَّائِمُ ذَاتَ یَوْمٍ بِنِصْفِ النَّھَارِ اَشْعَثَ اَغْبَرَ بِیَدِہٖ قَارُوْرَۃٌ فِیْھَا دَمٌ فَقُلْتُ بِاَبِیْ اَنْتَ وَ اُمِّیْ مَا ھٰذَا قَالَ دَمُ الْحُسَیْنِ وَ اَصْحَابِہٖ وَلَمْ اَزَلْ اَلْتَقِطُہٗ مُنْذُ الْیَوْمِ. (بیہقی، مسند احمد)

ترجمہ: میں نے اس محرم دوپہر کے وقت خواب میں حضور ﷺ کو اس عالم میں دیکھا کہ آپ کے بال بکھرے ہوئے اور غبار آلود تھے اور خون سے بھری ہوئی ایک شیشی آپ کے ہاتھ میں تھی۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ فدا ہوں۔ ''یہ کیوں بال بکھرے ہیں یہ کیوں صورت بنی غم کی'' فرمایا: یہ میرے نورِ عین حسین اور اُس کے ساتھیوں کا خون ہے جو آج میں نے دشتِ کربلا میں جمع کیا ہے۔ جب میں نے معلومات حاصل کیں تو ٹھیک جس روز میں نے یہ خواب دیکھا تھا وہی روز امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا دن تھا۔

اُمُّ المومنین حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا اپنا مکاشفہ بیان فرماتی ہیں:

رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ وَ عَلٰی رَاْسِہٖ وَ لِحْیَتِہٖ التُّرَابُ فَقُلْتُ مَالَکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ شَھِدْتُ قَتْلَ الْحُسَیْنِ اٰنِفًا. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ کا سرِاقدس اور داڑھی مبارک گرد و غبار سے اَٹی ہوئی ہے۔ عرض کی: یارسول اللہ!

آپ اس قدر پریشان کیوں ہیں؟ فرمایا: اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا! میرا لاڈلا بیٹا قتل کر دیا گیا ہے اور میں اس وقت اپنے پیارے حسین رضی اللہ عنہ کی قتل گاہ سے آرہا ہوں۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَیِّدِنَا وَ حَبِیْبِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ وَ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰى اَعْدَائِهٖ وَ اَعْدَاءِ هِمُ الظّٰلِمِیْنَ.

شہداء کے سر نیزوں پر

لوٹ کھسوٹ کے بعد تمام اہلِ بیت اور سیدزادوں کو گرفتار کر لیا گیا اور تمام مقتولوں کے سر کاٹے گئے۔ اہلِ بیت رسول ﷺ کے ۷۲ کٹے ہوئے سر مختلف قبائل میں تقسیم کیے گئے تا کہ کافروں اور ظالموں کو اس سفاکی اور شقاوت کا ثواب ملے۔ ان لعینوں نے ان مقدس سروں کو نیزوں پر چڑھا لیا اور بڑے تزک و احتشام کے ساتھ فتح کے شادیانے بجاتے ہوئے کوفہ کو روانہ ہوئے۔ لشکر کے آگے آگے شہیدوں کے چھیدے ہوئے سر مبارک تھے اور پیچھے خانوادۂ اہلِ بیت کی عفت مآب خواتین تھیں جو اونٹ کی برہنہ پیٹھ پر رسیوں سے بندھی ہوئی تھیں اور یہ منظر کتنا اندوہناک تھا کہ جن کے نورانی چہرے آفتاب و ماہتاب بھی نہ دیکھ سکتے تھے، آج اُنہیں ہر نیک و بد دیکھ رہا تھا۔

درود و سلام

شہادت کے بعد جب شامی سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے پس ماندگان کو کوفہ لے کر چلے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ابن سعد کو فرمایا کہ تجھ سے رحم کی توقع تو نہیں لیکن ہماری آخر میں تمنا ہے کہ ہمارے قافلے کو اس راستہ سے گذارا جائے جہاں ہمارے شہداء کی لاشیں بچھی ہوئی ہیں۔ جب اہلِ بیت کا یہ ستم رسیدہ اور لٹا پٹا قافلہ شہادت گاہ کی طرف سے گذرا، بے گور و کفن اور پامال لاشوں پر جب اہلِ بیت کی بیبیوں کی نظر پڑی تو قافلہ میں ماتم بپا

ہو گیا۔ لاشوں کی حالت گھوڑوں کے سموں سے اتنی متغیر ہو چکی تھی کہ شناخت نہیں ہو سکتی تھی۔ حضرت زینب بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بڑی تلاش کے بعد اپنے مظلوم بھائی حسین رضی اللہ عنہ کی نعش مبارک کو پہچانا۔

ناگاہ چشمِ دختر زہرؓا بہ آنمیاں
بر پیکرِ شریف امامِ زماں فتاد!
بے اختیار نعرہ ہذا حسینؓ زد
سرزد چناں کہ آتش از دورِ جہاں فتاد
پس با زبانِ پر گلہ آں بضعة البتول
رُو در مدینہ کرد کہ یٰاَیُّھَا الرَّسُوْل

❁

ایں کشتہ و فتادہ بہ ہاموں حسینؓ تست
ویں صید دست و پازدہ درخون حسینؓ تست

اے نانا جان محمد ﷺ تجھ پر ملائکہ آسمانی کا درود و سلام ہو! آیئے! ہماری حالت دیکھئے! آپ کا لاڈلا اور پیارا حسینؓ چٹیل میدان میں اعضاء بریدہ خاک و خون میں آلودہ پڑا ہے۔ آپ کی عفت مآب لڑکیاں قید میں ہیں۔ آپ کی معصوم ذریت مقتول بچھی ہوئی ہے اور کربلا کی ہوا اُن پر خاک اُڑا رہی ہے۔ یہ درد بھرے کلمات سُن کر دوست و دشمن سب رو رہے تھے۔

تجہیز و تکفین

خونخوار اور وحشی شامیوں نے اپنے مردوں کو دفنایا اور خاندانِ نبوت کے ان مقدس اور معصوم نونہالوں کی پاک لاشوں کو یونہی بے گور و کفن کربلا کے چٹیل میدان میں چھوڑ کر چلے گئے تین دن تک شہداء کی لاشیں بغیر تجہیز و تکفین اس میدان میں پڑی رہیں۔

تیسرے دن غاضریہ کے باشندوں نے ان معصوم لاشوں کو سپردِ خاک کیا۔ شامی سر مبارک کو ابن زیاد کے ملاحظہ کے لیے کوفہ لے گئے تھے۔ اس لیے امام الشہداء نواسۂ رسول ﷺ جگر گوشۂ بتول رضی اللہ عنہا کا لاشہ بے سر کے دفن کیا گیا۔

کوفہ میں جلوس

جب عمرو بن سعد کا لعنتی لشکر خوشیاں مناتا ہوا اہلِ بیت کے مظلوموں کو ساتھ لے کر کوفہ کے بازاروں سے گذرا تو حالت یہ تھی کہ سڑکوں، گلیوں اور چھتوں پر ہزارہا انسان اہلِ بیت کے مظلوموں اور قیدیوں کا جلوس دیکھنے کو کھڑے تھے۔ خاندانِ نبوت کی بے کسی ومظلومی اور شہدائے کربلا کے مقدس سروں کو نیزوں پر دیکھ کر خلقت بے ساختہ زار وقطار رو رہی تھی۔

لیکن یہ رونے والے اور شور وفریاد کرنے والے وہی کوفی تھے جنہوں نے خطوط و وفود بھیج بھیج کر، خدا اور رسول کے واسطے دے دے کر اور اپنی اطاعت وفرمانبرداری کا یقین دلا دلا کر فرزندانِ رسول کو کوفہ بلایا اور جب آپ تشریف لے آئے تو بیعت سے منحرف ہو کر کچھ گھروں میں دبک گئے اور ایک جماعت ابن زیاد کی فوج میں بھرتی ہو کر کربلا پہنچ گئی۔ جس نے انتہائی شقاوت اور سنگدلی کے ساتھ چمنستانِ رسالت کی ہر کلی کو مسل دیا۔ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے جب ان بزدل اور بے وفا کوفیوں کو روتے اور نالہ وفغاں کرتے دیکھا تو غصے سے فرمایا:

"منافقو! بزدلو! بے غیرتو! سب روتے ہو، مصروفِ فریاد وشیون ہو۔ کیا تمہاری ہی تلواروں نے آلِ رسول ﷺ کے حلق وگلو کو نہیں تراشا، تمہیں نے دھوکا دے کر ہمیں تباہ وبرباد کرایا اور کربلا کے ریگ زار میں ہمارا خون اس سنگدلی کے ساتھ بہایا کہ ابتدائے آفرینش سے آج تک کسی نے اس طرح نہ بہایا ہوگا۔

قصابو! ظالمو! ہماری ناگفتہ بہ حالت پر نہیں۔ ہمارے مٹنے اور اس طرح مٹنے پر نہیں اپنے انجام پر، اپنے اعمال پر روؤ اور خوب روؤ اور اگر شرم وحیا اور غیرتِ انسانی ہو تو انہیں آنسوؤں کے سیلاب میں ڈوب جاؤ!"

حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک اونٹ پر رسی سے بندھی سوار تھیں۔ انہوں نے جو بازار والوں کو مصروف تماشا دیکھا تو نہایت درد بھری آواز میں فرمایا:

"کوفیو! لعینو! آؤ ہماری سیر دیکھو۔ ہم وہی بزرگ ہستیاں ہیں جن کو تمہارے رسولِ مقبول ﷺ نے تمہارے سپرد کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ میری اہلِ بیت کی پیروی کرو گے تو تم گمراہ نہ ہو گے۔ مگر دیکھو! ہمارے آگے خون میں لتھڑا ہوا نیزے کی نوک پر ایک مقدس سر ہے جو سید المرسلین ﷺ کے محبوب نواسے کا ہے جنتی عورتوں کی سردار بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فرزند ارجمند کا ہے اور ہم اس سید مظلوم کی بہنیں اور بیویاں ہیں، جن کو قیدی بنایا گیا ہے اور جن کا بے پردہ بازاروں میں جلوس نکالا جا رہا ہے۔ میں مولائے کائنات علی رضی اللہ عنہ شیر خدا کی بیٹی ہوں کبھی پردے سے باہر نہیں نکلی۔ میرے جن ہاتھوں کو رسی سے باندھا گیا ہے ان سے میں تمہارے لیے دعائے خیر کیا کرتی تھی۔ یہ سامنے حسین رضی اللہ عنہ کا بیمار بیٹا عابد رضی اللہ عنہ ہے۔ اپنے بیماروں پر تم ترس کھایا کرتے ہو، اس پردیسی مظلوم بیمار کو بغور دیکھ ہی لو! ترس نہ کھاؤ! دیکھو! کیسی سختی سے اس کے ہاتھ کھینچ کر باندھے گئے ہیں کہ ہل نہیں سکتا۔ بیمار کا نرم بستر بھی دیکھ لو۔ اونٹ کی ننگی پشت پر بیٹھا ہے۔ کوفی لعینو! کل قیامت میں میری ماں فاطمہ بنت محمد صلوٰۃ اللہ علیہما وسلامہٗ حسین رضی اللہ عنہ کا خون بھرا کرتہ لے کر کھڑی ہوں گی اور فریاد کریں گی۔

تمہیں اس وقت کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔"

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے اشعار اور تقریر سے پتھروں کا جگر شق ہوا جاتا تھا اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ پوری کائنات کراہ رہی ہے۔ کوفی چیخیں مار مار کر روتے تھے۔ مگر یزیدیوں کے ظلم وستم کے سبب کسی کو ان مظلوموں کی مدد کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر ابن زیاد کے دربار میں

شقاوت واستبداد کے جیتے جاگتے پیکر ابن زیاد نے اظہارِ مسرت کے طور پر ایک بڑی شان کا دربار منعقد کیا۔ تمام مقدس قیدی سامنے کھڑے کر دیئے گئے اور ایک طشت میں حضرت امام عالی مقام کا سر اقدس رکھ کر اُس کے سامنے پیش کیا گیا۔

ابن زیاد ملعون کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی امام عالی مقام کے دندانِ مبارک پر مار مار کر کہنا شروع کیا۔ "کیوں یہی وہ منہ ہے۔ جس سے تم نے خلافت کا دعویٰ کیا تھا۔"

دربار میں حضور ﷺ کے صحابی زید بن ارقم رضی اللہ عنہ موجود تھے اس گستاخی کو برداشت نہ کر سکے۔ کھڑے ہو گئے اور فرمایا:

"خبردار! یہ گستاخی نہ کر، اپنی چھڑی ہٹا۔ خدا کی قسم! میں نے ان دانتوں پر پیغمبرِ خدا ﷺ کو بوسے دیتے اور پیار کرتے دیکھا ہے۔"

پیکرِ استبداد ابن زیاد آگ بگولا ہو گیا اور یہ کہہ کر اُسی وقت اپنے دربار سے نکلوا دیا کہ تمہاری صحابیت اور بڑھاپے پر رحم کرتا ہوں۔ ورنہ ابھی تمہیں قتل کروا دیتا۔

دربار میں اہلِ بیت رسول ﷺ کے معزز اور مکرم قیدی بندھے کھڑے تھے۔ پیکرِ شقاوت ابنِ زیاد ملعون ومردود نے اہلِ بیت کرام کے مظلوموں سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ جس نے ہمیں فتح عطا کی اور ہمارے دشمنوں کو ذلیل وخوار اور تنگی ومصیبت میں گرفتار کیا۔ اے اہلِ بیت! ہمارے ارادے بارآور ہوئے اور تمہاری تمنائیں اور آرزوئیں خاک

میں مل گئیں۔"

حضرت زینب بنت فاطمہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

"خداوند قدوس کی بے حد بندہ نوازی ہے کہ جس نے ہمیں خاندانِ نبوت میں پیدا کر کے ہمیں شرف و بزرگی کا معراج عطا فرمایا اور ہمیں دونوں جہان کی طہارت ونفاست سے سرفراز فرمایا۔"

ابنِ زیاد خبیث بولا۔ دیکھ لو اپنے بھائی حسین رضی اللہ عنہ کا انجام کہ خدا نے اُسے خاک میں ملا دیا۔ (خاک بدہنش)

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہر شخص کا ایک وقت مقرر ہے جس سے کسی کو مفر نہیں۔ قرآن عظیم فرماتا ہے:

قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ. (آل عمران)

ترجمہ: تم فرما دو کہ اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے جب بھی جن کا مارا جانا لکھا جا چکا تھا اپنی قتل گاہوں تک نکل آتے۔

نیز اس شہادتِ کبریٰ کی خبر تو ہمارے جدِ امجد حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بہت پہلے ہی دے چکے ہیں۔ بابا جان مدت سے جس کا انتظار کر رہے تھے ظالمو! وہ وقت قریب ہے جب اُن کا اور تمہارا معاملہ احکم الحاکمین کے دربار میں پیش ہوگا۔ داورِ محشر کے حضور وہ تم سے انصاف طلب کریں گے۔

ملعون ابنِ زیاد اس نعرۂ حق سے بلبلا اٹھا اور جھلا کر پوچھا کہ "یہ کون ہے؟"

اور جب اس لعین کو معلوم ہوا کہ یہ سید مظلوم شہید کربلا کا لختِ جگر ہے تو فوراً حکم دیا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ کیا میں نے حکم نہیں دیا تھا کہ نسلِ حسین رضی اللہ عنہ سے کوئی نرینہ اولاد باقی نہ رکھی جائے؟ یوں معلوم ہوتا ہے کہ یزیدی ظالموں اور کوفی ملعونوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ رحمۃ للعالمین، شفیع المذنبین علیہ الصلوٰۃ رب العالمین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین کے خاندان

ذی شان کا نام ونشان ہی دنیا سے مٹ جائے اور سید کہلانے والی کوئی مقدس ہستی صفحۂ ارض پر باقی نہ رہ جائے۔

غور کیجیے کہ جن کا یہ ابلیسانہ قصد اور ناپاک عزم ہو انہیں کوئی فرد بشر بہ صحتِ ہوش وحواس ایک ثانیہ کے لیے مسلمان سمجھنے اور کہنے کے لیے تیار ہوسکتا ہے؟

اہلِ بیت اطہار کو قتل وغارت اور ذلیل ورسوا کرنے والے شیطانوں پر دنیا و آخرت میں خدا کا عذاب اور لعنت ہے اور اُن کے لیے جہنم میں سخت ترین عذاب ہوگا۔

حضرت ابی سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى مَنْ اٰذَانِيْ فِيْ عِتْرَتِيْ. (رواہ دیلمی)

ترجمہ: سب سے سخت غضب خدا کا اُس شخص پر ہوگا جو مجھ کو میری اولاد کے بارے میں ایذا دے۔

ایک بار حضور ﷺ نے قسم کھا کر ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يُبْغِضُنَا اَحَدٌ اِلَّا اَدْخَلَهُ النَّارَ.

(مستدرک حاکم، زرقانی علی المواہب)

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ جو شخص مجھ سے یا میرے اہلِ بیت سے بغض وعداوت رکھے گا وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

نیز قرآن عظیم نے اپنی الہامی زبان میں قاتلانِ حسین رضی اللہ عنہ کی یہ سزا بیان فرمائی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا. (الاحزاب)

ترجمہ: بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو اُن پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے اُن کے لیے ذلت کا عذاب تیار

کر رکھا ہے۔

ابن زیاد کے حکم پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا تڑپ گئیں اور فرمایا:

"بدبخت لعین! کیا تو خاندانِ نبوت کو دنیا سے بالکل ناپید کرنا چاہتا ہے؟ پھر انتہائی بے کسی کے عالم میں آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا اے عرش وفرش کے مالک! تیرے محبوب رسول کا معزز خاندان کا خاندان ان ظالموں کے ہاتھوں تباہ وبرباد ہوگیا۔ تیرے پیغمبر جلیل کا اولوالعزم نواسہ انتہائی بے دردی وسفاکی سے ذبح کردیا گیا اور اب یہ شیطانی ٹولہ تیرے زندۂ جاوید رسول کی مقدس نسل ہی منقطع کرنا چاہتا ہے۔ فریاد ہے اے بے کسوں کے وارث! فریاد ہے اے مظلوموں کے حامی وناصر! اس مظلوم اور قیدی پردیسن کی سن اور اپنے محبوب رسول ﷺ کی نسل قائم رکھ!"

ان الفاظ میں کچھ ایسا سوز وگداز اور خلوص تھا کہ دعا فوراً قبول ہوگئی اور پتھر دل ابن زیاد نے اپنا ابلیسانہ حکم واپس لے لیا۔ (ابن جریر)

سرِ اقدس کی شہادت وکرامت

ثقہ مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ جب ملعونوں کا یہ یزیدی لشکر اہلِ بیت رسول ﷺ کو اسیر کر کے اور کربلا کے حق پرست شہیدوں کے سر نیزوں پر چڑھا کر لے چلے تو راہ میں ہر جگہ سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ کے سرِ اقدس نے خداوند کریم کی وحدت اور بڑائی اور اپنی مظلومیت کا حال سنایا۔ چنانچہ منہال بن عمرو سے روایت ہے۔ وہ قسم کھا کر فرماتے ہیں:

واللہ! جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے سر دمشق میں لائے گئے میں وہیں موجود تھا۔ امام عالی مقام کے سر مبارک کے سامنے ایک شخص سورۂ کہف پڑھ رہا تھا جب وہ اس آیت تک پہنچا:

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا۔

یعنی اصحاب کہف کا قصہ بڑا عجیب ہے تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک سے بزبانِ فصیح یہ آواز آئی:

يَا تَالِيَ الْقُرْاٰنِ اَعْجَبُ مِنْ اَصْحٰبِ الْكَهْفِ قَتْلِيْ وَ حَمْلِيْ. (ابن عساکر، البدایہ والنہایہ)

ترجمہ: اے قرآن پڑھنے والے! اصحاب کہف کے قصے سے میری شہادت اور بے لاش سر کا نیزے کی نوک پر چڑھائے ہوئے شہر بہ شہر پھرانے کا اندوہناک افسانہ زیادہ تعجب خیز ہے۔

یزید کے دربار میں

ابن زیاد ملعون نے شمر لعین کی نگرانی میں ایک دستہ فوج کے ساتھ حضرت امام عالی مقام کا سر مبارک اور رسیوں میں بندھے ہوئے تمام اہلِ بیت اطہار کو دمشق روانہ کیا۔ لشکر کے پہنچنے سے پہلے زحر بن قیس نامی مردود یزید دربار میں پہنچا۔ یزید نے پوچھا: کیا خبر لائے ہو؟ ملعون نے کہا: فتح و نصرت کی بشارت لایا ہوں۔ اور پھر اس نے کربلا کے دردناک حوادث بڑے فخر و مباہات سے بیان کرتے ہوئے کہا کہ حسین رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں سمیت ہم تک پہنچے۔ ہم نے انہیں روکا اور مطالبہ کیا کہ ہمارے امیر یزید کی بیعت قبول کرو۔ مگر انہوں نے امیر کی اطاعت سے صاف انکار کر دیا اور باعزت موت کو ترجیح دی۔ چنانچہ ہم نے طلوعِ آفتاب کے ساتھ ہی اُن کی مٹھی بھر جماعت پر حملہ بول دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے سب کا صفایا کر دیا۔ اس وقت ان کے لاشے بے گور و کفن پڑے ہیں۔ ان کے خون آلود جسم دھوپ کی شدت اور ہوا کی تیزی سے خشک ہو رہے ہیں اور وہ گدھوں کی خوراک بن گئے ہیں۔

یہ غمناک خبر سُن کر یزید پر رقت طاری ہو گئی اور اُس کی آنکھوں میں آنسو نکل آئے اور اُس نے کہا:

"خدا اس لونڈی بچہ کو غارت کرے اور اُس پر خدا کی لعنت ہو اگر میں وہاں ہوتا تو حسین رضی اللہ عنہ سے درگزر کرتا۔ خداوندِ قدوس حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔" (ابن جریر)

لیکن ملعون کا یہ گریہ وقتی مصلحت اور یہ اظہارِ افسوس محض منافقت اور اُس کی سیاست تھی ورنہ واقعی اس کا حکم یہی تھا جس کی تعمیل ابن زیاد ملعون نے کی۔

لطف ملاحظہ ہو کہ یزید ملعون نے اس رسمی گریہ و زاری اور اظہارِ افسوس کے باوجود نہ تو قاتلانِ حسین رضی اللہ عنہ کو اس سنگین جرم پر سزا دی اور نہ ہی اُن ملعونوں سے شرعی قصاص لیا۔ ایک ذمی اور ذلیل انسان بھی ناحق قتل کیا جائے تو اسلامی مملکت کے سربراہ کا فرض ہے کہ وہ قاتل کو شرعی سزا دے۔ مگر اس لعین نے خاندانِ نبوت کے قتل و غارت کرنے والے بدبخت اور ملعون گروہ سے شرعی قصاص لینا بھی ضروری نہ سمجھا۔

لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ دشمنانِ اہلِ بیت

اہلِ بیت کا لٹا ہوا قافلہ جب یزید کے دربار میں پہنچا تو یزید بڑا متاثر ہوا اور اُسی وقت نبی زادیوں کو رسیوں سے آزاد کرا کر انہیں اپنے شاہی محل میں بھجوا دیا۔

حُسنِ اتفاق سے یزید کی بیوی ایک خدا ترس خاتون تھی۔ وہ ان پیمبر زادیوں کی تباہ حالی اور ذلت و رسوائی دیکھ کر چیخ پڑی۔ یزید کا لڑکا معاویہ بھی بے قرار ہو گیا پورے شاہی محل میں ایک کہرام مچ گیا۔

یزید ملعون نے اہلِ بیت کو کچھ دن اپنا مہمان رکھا۔ حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ شاہی دسترخوان پر کھانا کھلاتا اور اپنی نجی مجلسوں اور دربار میں اُن کا ذکر کرتا اور بار بار کہتا:

"خدا کی لعنت ابن مرجانہ (یعنی ابن زیاد) پر حسین رضی اللہ عنہ کو جس نے

لڑائی پر مجبور کیا۔ حالانکہ حسین ؓ نے کہا تھا کہ ہم اپنا معاملہ (یزید سے) خود طے کرلیں گے یا مسلمانوں کی سرحد پر جا کر جہاد میں مصروف ہو جائیں گے۔ مگر ابن زیاد نے ان کی کوئی بات بھی نہیں مانی اور قتل کر دیا۔"

جب یزید پلید اہلِ بیت اطہار کو بشیر بن نعمان ؓ کی قیادت میں مدینے بھیجنے لگا تو حضرت امام زین العابدین ؓ سے ایک مرتبہ پھر یہ کہا:

"ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت! واللہ اگر میں حسین ؓ کے ساتھ ہوتا اور وہ میرے سامنے کوئی شرط بھی پیش کرتے تو میں اُسے ضرور منظور کرلیتا۔ میں اُن کی جان ہر ممکن ذریعہ سے بچاتا۔ اگرچہ ایسا کرنے میں مَیں خود یا میرے کسی بیٹے کی جان چلی جاتی۔ لیکن خدا کو وہی منظور تھا جو ہو چکا۔ دیکھئے! آئندہ سے برابر خط و کتابت کرتے رہنا جو ضرورت بھی پیش آئے مجھے خبر دینا۔"

کسی شاعر نے کیسی سچی بات کہی ہے:

کی میرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ
ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

مدینۃ الرسول میں

اہلِ بیت کا یہ لٹا ہوا اور تباہ حال کاروانِ مدینۃ الرسول پہنچا تو مدینہ منورہ دشتِ کربلا نہ تھا، کوفہ نہ تھا دمشق نہ تھا۔ ہر طرف ایک شورِ قیامت برپا ہو گیا۔ بنی ہاشم کی خاتونوں نے تشریف آوری کی جاں گسل خبر سُنی تو اپنے گھروں سے چلاتی ہوئی نکل آئیں۔ حضرت عقیل ؓ کی صاحبزادی کے ان دلدوز شعروں سے ایک کہرام مچ گیا:

"کیا کہو گے جب تمہارے رسول تم سے سوال کریں گے کہ اے میرا

کلمہ پڑھنے والو! تم نے میری عزیز اولاد اور بزرگ خاندان سے میرے بعد کیا سلوک کیا کہ ان میں سے بعض قیدی ہیں اور بعض خون میں نہائے پڑے ہیں۔ مدینہ کے کھجوروں کی شاخیں زبانِ حال سے پوچھ رہی تھیں۔ قافلے والو! ابن رسول کہاں ہیں؟ گلستانِ رسالت کے پھول کہاں ہیں؟ مدینہ کے ذروں نے عرض کیا: کوفہ سے آنے والو! راکبِ دوشِ رسول کہاں ہیں؟ علی مرتضیٰ کی جانِ عزیز کہاں ہیں؟ جگر گوشۂ بتول ؓ کہاں ہیں؟ مدینہ کا ذرہ ذرہ رو رہا تھا۔"

ابھی مدینۃ الرسول میں وہ صحابہ کرام اور صحابیات زندہ تھیں جنہوں نے اپنی آنکھوں سے رسولِ خدا کے محبوب نواسے کو نبوت کے کندھوں پر کھیلتا اور اُس کی پشت مبارک پر سوار دیکھا تھا اور عبادت کے دوران اُن کی ناز برداریاں ملاحظہ کی تھیں اور زبانِ نبوت سے اُن کی عظمت و تقدیس کے خطبے سنے تھے۔ انہوں نے جب یہ منظر قیامت دیکھا کہ گلشنِ رسالت کے تمام شگفتہ پھول، تمام عنبر بیز غنچے اور تمام شاداب کونپلیں عین صبح بہار میں پامال کردی گئیں تو نالہ و بکا کا ایک سیلابِ عظیم اُمنڈ آیا۔ ہر قلب مضطر و دو نیم، ہر جگر پاش پاش اور ہر آنکھ اشکبار ہوگئی۔ مدینہ طیبہ کی پوری فضا شیون و فغان اور گریہ وزاری سے معمور ہوگئی۔

کتنا جگر خراش اور روح فرسا منظر ہوگا، جب قدسیوں کا یہ لٹا ہوا قافلہ مدینہ منورہ کی گلیوں، کوچوں اور بازاروں میں صفِ ماتم بچھاتا ہوا گنبدِ خضرا کے پرسکون ماحول میں پہنچا ہوگا۔ حضرت زینب، حضرت اُم کلثوم، حضرت زین العابدین ؓ اور تمام اہلِ بیت اطہار کے منہ سے چیخیں نکل گئیں اور واجداہُ و محمداہُ کی صداؤں سے مسجد نبوی گونج اٹھی۔ روضۂ اقدس کے سامنے کھڑے ہو کر یوں عرض پرداز ہوئے:

"اے بے کسوں کے والی! اے مسلمانوں کے آقا اور ہمارے پیشوا! اُٹھو! خدا کے لیے اُٹھو! اپنے شریف خاندان، اپنے محبوب اہلِ بیت اور اپنے پیاروں کا حال زار دیکھو! آپ کے جگر گوشہ حسین ؓ کو

یزیدیوں نے قتل کر دیا، اس کے اعضا الگ الگ کر دیے۔ جس
ذاتِ گرامی کو آپ نے کاندھے پر اٹھایا، اس کے لیے اپنے سجدے
طویل سے طویل کر دیے، جس کا رونا کبھی برداشت نہ کر سکے، جس
سے زیادہ کائنات میں آپ کو کوئی عزیز و محبوب نہ تھا، اُسے بھوکا پیاسا
دشتِ کربلا میں انتہائی سفاکی و درندگی سے تیرا ہی کلمہ پڑھنے والوں
نے ذبح کر دیا۔ اُٹھو! اُٹھو! اے رحمت و رأفت کے مجسم پیکر! اُٹھو!
دیکھو تمہاری بہوئیں، بیٹیاں اپنا سہاگ لُٹا کر، دشتِ کربلا کے
انگاروں پر لوٹ کر، مصیبتوں اور تکلیفوں کے پہاڑ اُٹھا کر تیرے
آستانۂ قدسیہ پر فریاد کے لیے حاضر ہوئی ہیں۔ آپ کی دکھیاری
رانڈیں آپ کی غم نصیب بیٹیاں، آپ کے یتیم بچے بڑے بڑے
دُکھ اور درد آپ کی اُمت کے ہاتھوں سہہ کر آپ تک پہنچے ہیں۔
آپ سے فریاد کر رہے ہیں۔
اے ضعیفوں کے مولا! اے بے سہاروں کے آقا! تیرے سوا ہمارا
کون ہے جس سے فریاد کریں اور اپنی دُکھ بھری کہانی سنائیں۔
ملعون یزیدیوں کے ہاتھوں گھر کے گھر بے چراغ ہو گئے۔ خاندان کا
خاندان تباہ و برباد ہو گیا۔ گلشن کا گلشن لُٹ گیا۔ تمہاری بہوؤں اور
بیٹیوں کو بے پردہ کیا گیا۔ تمہاری پیاری اولاد کی گردنیں مروڑ دی
گئیں۔ کوفی درندوں نے بڑے بڑے وجیہ نوجوانوں کو چیر پھاڑ کر
رکھ دیا۔ خدا کے لیے خوابِ استراحت سے اٹھیے اور اپنے بچوں کی
حالتِ زار تو ایک نظر دیکھیے اور ہمارے بے پردہ سروں پر اپنے دستِ
شفقت کا سایہ کیجیے اور ہماری مظلومی کی داد دیجیے!''
اس شیون و فغان نے قلب پارہ پارہ اور جگر پاش پاش کر دیے۔ ہر گھر، ہر

خاندان، ہر قبیلہ، ہر محلہ اور ہر گلی میں ایک آگ لگ گئی۔ لوگوں پر کھانا پینا حرام ہو گیا۔
چہروں سے مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ آنکھوں سے سیلاب خونیں جاری ہو گیا۔ دنوں نہیں،
مہینوں نہیں برسوں تک لوگوں کو دلوں کا سکون نصیب نہ ہوا۔

آج اس سانحۂ عظیمہ پر تقریباً چودہ سو صدیاں گذر چکی ہیں۔ آنکھوں سے برابر
آنسو جاری ہیں اور قیامت تک جاری رہیں گے۔

فَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ
اَجْمَعِيْنَ وَ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰى اَعْدَائِهٖ وَ اَعْدَاءِ هِمُ الظّٰلِمِيْنَ

کربلا کا انتقام

باغِ رسالت کی ہر شگفتہ کلی کو مسل دینے کے بعد یزید پلید اور اس کے ساتھیوں
نے اطمینان کا سانس لیا۔ ابن زیاد اور ابن سعد خوش تھے کہ ہمیں آلِ رسول کے گلے کاٹنے
اور اہلِ بیت اطہار کے ذبح کرنے کے انعام میں سونے چاندی کے انبار حاصل ہوں گے۔
شمر لعین اور اُس کے تمام کوفی مردود فخر و آرزو کا پیکر بنے پھرتے تھے کہ وفادارانِ حکومت اور
کاسہ لیسانِ سلطنت کی فہرست میں ان کے نام لکھ لیے گئے اور وہ وقت قریب ہے جب اُن
کے قدموں کے نیچے اس کارنامۂ جلیل کے عوض سونے چاندی کی اینٹوں کے پشتے ہوں
گے۔ موت اہلِ بیت کرام ہی کے لیے نہ تھی اُن کے سروں پر بھی منڈلا رہی تھی مگر اُنہیں اس
کی خبر نہ تھی۔ دنیوی فائز المرامیوں کی خوشگوار امیدوں نے عذاب آخرت کے خوف سے بھی
اُنہیں بے پروا بنائے رکھا تھا۔

تاریخ گواہ ہے کہ ابھی شہیدوں کا خون بھی خشک نہ ہوا تھا کہ قہر جلال الٰہی کی
برقِ انتقام جب چمکی تو قاتلانِ حسین رضی اللہ عنہ کو اس وسیع دنیا میں کوئی گوشۂ عافیت نہ ملتا تھا اور
نہایت مختصر سے عرصہ میں بدترین اذیتوں کا شکار ہو کر جہنم رسید ہوتے گئے۔

یزید پلید کا حشر

یزید سب سے بڑا احسان فراموش اور جابر و ظالم انسان تھا۔ جس نے اپنی حکومت کی بنیادیں مستحکم کرنے کے لیے اہل بیت رسول کو تباہ و ہلاک کرایا۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو شہید کیا گیا۔ ان کے سر نیزوں پر چڑھائے گئے۔ ان کا مال و اسباب لوٹا گیا۔ ان کے خیمے جلائے گئے۔ ان کی پاک دامن عورتوں کے سروں سے چادریں تک چھین لی گئیں۔ اہلِ بیت کی بیبیوں کو قید کر کے بے پردہ کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام تک پھرایا گیا۔ لیکن اپنی زندگی کی ۳۹ بہاریں بھی نہ دیکھنے پایا تھا اور حکومت کے عیش و عشرت سے پوری طرح لطف اندوز بھی نہ ہو سکا کہ ملک الموت نے آ دبوچا۔ یزید حمص میں بیمار ہوا اور تین شبانہ روز برابر درد قولنج میں تڑپتا رہا۔ بدبخت تین روز تک نہ کچھ کھا سکا اور نہ پی سکا۔ تڑپ تڑپ کر انتہائی کرب و اذیت میں اپنی ملعون زندگی کے دن پورے کیے۔ آخری وقت میں اپنے بیٹے معاویہ کو وصیت کے لیے طلب کیا تو وہ بھاگ گیا اور کہا:

''اللہ تعالیٰ مجھے اس سلطنت سے محفوظ رکھے جس کی بنیادیں اولادِ رسول ﷺ کے خون سے اُستوار کی گئی ہیں۔''

یہ کہہ کر وہ محل میں ایسا روپوش ہوا کہ تین ماہ بعد محل سے اس کا جنازہ نکلتا ہوا نظر آیا۔

اللہ اکبر! حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے بھرے دربار میں یزید کو جو بددعا دی تھی وہ حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ آپ نے فرمایا تھا:

''یزید! یاد رکھ تو نے جس حکومت کو حسین رضی اللہ عنہ کے خون سے سیراب کیا ہے، تجھے اس کا سکھ دیکھنا نصیب نہ ہوگا اور تیری اولاد اس پر لعنت بھیجے گی۔''

چنانچہ یہی ہوا کہ معاویہ پسر یزید کے انکار پر حکومت کا تاج و تخت مروان بن حکم کو سونپا گیا۔ اور اس طرح تین سال کے اندر اندر یزید اور اس کی اولاد سلطنت سے محروم ہو کر رہ گئی۔

ویدی کہ خونِ ناحق پروانہ شمع را
چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند

مختار بن ابو عبید ثقفی محض ایک بے حقیقت قیدی تھا، مگر اللہ تعالیٰ کا دستور یہی ہے کہ وہ بے مایہ ذروں سے آفتاب کا کام لیتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انتقام کے لیے اسی قیدی کو کوفہ کا حاکم بنا کر اس کے ہاتھوں ظالموں کو کیفرِ کردار تک پہنچایا۔

مختار ثقفی نے عنانِ حکومت سنبھالتے ہی پہلا حکم یہ دیا کہ جن لعینوں اور بدکرداروں نے کربلا میں کسی طرح کا حصہ لیا ہے اُن میں سے اگر کوئی ایک ملعون بھی کسی گھر میں پایا گیا تو مالک مکان کے ساتھ مکان کو بھی جلا دیا جائے گا۔ اہلِ کوفہ یہ حکم سن کر تھرا اٹھے۔ پہلے ہی دن دو سو چالیس سپاہی جنہوں نے معرکۂ کربلا میں حصہ لیا تھا زنجیروں میں جکڑے ہوئے مختار ثقفی کے سامنے پیش کیے گئے۔ مختار کی آنکھوں میں خون اُتر آیا اور بولا:

''دنیا کے کتو! تم نے رسولِ امین ﷺ کے بزرگ خاندان کو ایک دن میں بے چراغ کر دیا۔ تمام کوفہ والوں کا خون بھی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ایک قطرۂ خون کا ہم وزن نہیں بن سکتا۔''

کوفی سپاہیوں نے کہا کہ

''ہم نے ابن زیاد اور ابن سعد کے حکم سے مجبور ہو کر ایسا کیا۔''

مختار نے فرمایا:

''اچھا! تو میں بھی خدا اور اس کے رسول کے حکم سے مجبور ہوں اور تمہیں تڑپا تڑپا کر ماروں گا۔''

چنانچہ یہ سب کے سب عذابِ الیم کے ساتھ قتل کر دیے گئے۔

کوفہ میں قیامت قائم تھی لوگ بھاگ رہے تھے۔ شمر لعین نے بھاگنے کی کوشش کی مگر مختار کے سپاہیوں نے اسے گرفتار کر کے دربار میں پیش کیا۔ شمر نے کانپتے اور لرزتے ہوئے کہا:

"اے امیر! میں بہت پیاسا ہوں حلق خشک ہو گیا ہے۔ چند گھونٹ
پانی پلا کر قتل کیجیے۔"

مختار نے کہا:

"او ظالم! کیا تجھے اس وقت حضرت امام ؓ اور اہلِ بیت اطہار کی
پیاس بھی یاد ہے؟ کیا تو نے انہیں بھی پانی پلایا تھا؟"

شمر کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ جلاد نے ایک ہاتھ سے اس کا سر اڑا دیا اور اس کی ملعون لاش کو کتوں سے پھڑوا دیا۔

جب مختار کے سامنے مردود ازلی حرملہ پیش ہوا جس نے علی اصغر ؓ معصوم کے حلق میں تاک کر تیر مارا تھا تو مختار نے حکم دیا کہ اس کے گلے پر تیروں کی بارش شروع کر دی جائے، اس طرح کہ یہ مرنے نہ پائے اور جب خوب تڑپ لے تو پھر اس کو ہلاک کر دیا جائے۔ ابھی حرملہ تڑپ ہی رہا تھا کہ شقی ازلی خولی بن یزید حاضر کیا گیا۔ جس نے حضرت امام حسین ؓ کے جگر میں برچھا مارا تھا اور سرِ اقدس کو نیزے پر چڑھا کر پھرایا تھا۔ مختار نے غضب ناک ہو کر حکم دیا کہ پہلے اس مردود کے دونوں ہاتھ قلم کرو پھر پاؤں کاٹو اور پھر سولی پر چڑھا دو۔ چنانچہ یہ اسی عذابِ شدید سے قتل کیا گیا اور اس کے بعد اس کی لاش جلا دی گئی۔

عمرو ابن سعد کا عبرتناک انجام

اہلِ بیت اطہار کو قتل و غارت کرنے والے مردود کوفی جنگلوں، پہاڑوں اور تہ خانوں میں چھپ رہے تھے لیکن کہیں پناہ نہ ملتی تھی۔ جب یزیدی سپہ سالار عمرو بن سعد کا بیٹا حفص مختار کے دربار میں پیش ہوا تو مختار نے پوچھا:

"تمہارا باپ عمرو بن سعد کہاں ہے؟"

حفص نے کہا:

"میرا باپ اب گوشہ نشین ہو گیا ہے۔"

مختار نے کہا:

"بہت خوب! کربلا کے دن اس کو گوشہ نشین ہونا چاہیے تھا مگر اُس
روز تو نہ ہوا۔"

آخر کار عمرو بن سعد پہاڑ کے ایک تاریک غار سے گرفتار کر کے لایا گیا۔ اُس کی منحوس صورت دیکھتے ہی مختار کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ مختار نے حکم دیا کہ اس کے سامنے اس کے بیٹے حفص کو جو کہ کربلا میں آپ کا ساتھی اور مددگار تھا۔ نہایت بے دردی سے قتل کر دیا جائے۔ حکم کی تعمیل کی گئی۔ مختار نے فرمایا:

"او ظالم! دیکھ کہ امام حسین ؓ کو بھی اپنے جوان بیٹے علی اکبر ؓ اور چھ ماہ کے معصوم علی اصغر ؓ کی شہادت کا اتنا ہی صدمہ ہوا ہوگا۔ اس کے بعد مختار کے حکم سے حکومت رے کے آرزومند عمرو بن سعد کا سر اُڑا دیا گیا اور آخر میں ان تمام ملعونوں کی لاشوں پر گھوڑے دوڑائے گئے اور ان تمام قاتلوں کے سر کاٹ کر حضرت محمد بن حنفیہ ؓ کی خدمت میں مدینہ طیبہ بھیج دیئے گئے۔

رائیگاں جاتا تھا کب خونِ شہیدانِ وفا

مختار کے دربار میں ابن زیاد کا سر

ابن زیاد ملعون نے موصل کے قریب ایک عظیم فوج جمع کر لی تھی۔ جب مختار انتہائی ذلت و رسوائی اور بے بسی و بے چارگی کے عالم میں یزیدی مجرموں کو موت کے غار میں دھکیل چکا تو اس نے ابراہیم بن مالک بن اشتر کی قیادت میں ایک فوج ابن زیاد کو گرفتار کرنے کے لیے بھیجی جس نے شامی فوج کو شکست فاش دی اور ابن زیاد کی زندگی کا چراغ ایک عراقی کے ہاتھوں ہمیشہ کے لیے بجھ گیا۔

اشتر نخعی نے ابن زیاد اور دوسرے شامی سرداروں کے سر کاٹ کر مختار کے پاس کوفہ بھیج دیئے۔

عبرت وبصیرت کا عجیب منظر ہے کہ اسی قصرِ حکومت میں جہاں آج سے چھ برس پہلے جگر گوشہ بتول ؓ، راکب دوشِ رسول ﷺ کا سرِ اقدس ابن زیاد کے سامنے لایا گیا تھا، آج ابن زیاد خبیث کا سر بعینہٖ اُسی طرح اُسی تاریخ اور اسی دارالحکومت میں مختار ثقفی کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ فرق اتنا تھا کہ وہ ۶۱ھ کی دس محرم تھی اور یہ ۶۷ھ کی دس محرم ہے۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار**

ابن عمیر کہتے ہیں کہ جب ابن زیاد اور اس کے ساتھیوں کے سر فرمانروائے وقت کے سامنے پیش کیے گئے، میں اس وقت وہاں موجود تھا۔ لوگ کہہ رہے تھے وہ آ گیا وہ آ گیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک سانپ آیا اور ابن زیاد کے ایک نتھنے میں سے گھس کر دوسرے نتھنے میں سے نکلا اور چلا گیا۔ دو تین بار یوں ہی ہوا کہ سانپ نتھنے میں گھستا اور پھر باہر آ جاتا۔ (رواہ ترمذی)

ستر ہزار اشقیا مختار کے ہاتھوں قتل ہوئے اور جو بچ گئے اُن پر دوسرے قسم کے عذاب نازل ہوئے۔ کوئی پاگل ہو گیا، کسی کو کتوں نے پھاڑ ڈالا، کسی کے ہاتھ پیر شل ہو گئے، کوئی کوڑھی ہو گیا اور کوئی عارضہ تشنگی میں تڑپ تڑپ کر ہلاک ہوا، اور کسی کا چہرہ جھلس گیا۔

سدّی اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک جگہ مہمان گیا جہاں قتلِ حسین ؓ کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ میں نے کہا:

"امام حسین ؓ کے قتل میں جو بھی شریک ہوا وہ بُری موت مرا۔"

میزبان نے کہا:

"اے عراقیو! تم کتنے جھوٹے ہو۔ مجھے دیکھو میں قتلِ حسین میں شریک تھا لیکن اب تک بُری موت سے محفوظ ہوں۔"

اسی لمحہ اس نے جلتے ہوئے چراغ میں اور تیل ڈال کر بتی کو اپنی انگلی سے ذرا بڑھایا ہی تھا کہ پوری بتی میں آگ لگ گئی جسے وہ اپنے تھوک سے بجھا رہا تھا کہ اس کی داڑھی میں آگ لگ گئی۔ وہ وہاں سے دوڑا اور پانی میں کود پڑا تاکہ آگ بجھ جائے لیکن

جب اُسے دیکھا تو وہ جل کر کوئلہ ہو گیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں دکھا دیا کہ تیری شرارت کا یہ انجام ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ.

ترجمہ: ہر گز اللہ کو غافل نہ جانیو ظالموں کے کاموں سے۔

رفعتِ لازوال

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی است

ہر دور اور ہر زمانے میں حق و باطل، نیکی و بدی، اچھائی اور برائی کے مابین معرکہ آرائی ہوتی رہی۔ حق اور باطل کی یہ کشمکش کسی خاص دَور، کسی خاص ملک اور کسی خاص قوم سے مخصوص نہیں رہی ہے۔ دنیا کے ہر ملک اور ہر قوم میں اس کے نمونے موجود ہیں۔

نمرود کے مقابلے میں ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) کا نعرۂ حق، فرعون کے مقابلے میں موسیٰ کلیم اللہ (علیہ السلام) کا مجاہدہ، ہیروڈ کے مقابلے میں عیسیٰ روح اللہ (علیہ السلام) کا جہاد، ابوجہل کے مقابلے میں سیدنا محمد رسول اللہ (ﷺ) کی تبلیغی جدوجہد۔ یہ سب حق و باطل کے معرکہ آرائی کی تاریخی شہادتیں ہیں۔

امام حسین ؓ اور یزید پلید کا معرکہ بھی حق و باطل کا معرکہ تھا۔ حسین ؓ نیکی کا مبلغ، یزید بدی کا پجاری۔ حسین ؓ حق کا علمبردار اور یزید باطل کا پرستار تھا۔ یزید کو حکومت کی طاقت بھی حاصل تھی اور لشکروں کا دبدبہ بھی، جگمگاتا ہوا تاج، جواہرات سے چمکتا ہوا تخت، سر بفلک ایوان، خوبصورت محلات، چمکتی ہوئی تلواریں، لچکتے ہوئے نیزے، آہن پوش لشکری، سونے چاندی سے اُبلتے ہوئے خزانے، سبھی کچھ موجود تھا۔ امام حسین ؓ کے پاس صرف ایمان کی قوت اور اللہ تعالیٰ کا مضبوط سہارا تھا۔ اُنکا سینہ انوارِ الٰہیہ کا مخزن، ان کا دماغ ربانی تجلیات کا سرچشمہ تھا اور اُن کے ہاتھوں میں خزائنِ اسرار و معارف کی کنجیاں تھیں۔

عین اس وقت جبکہ یزیدی قہرمانیت دنیا پر دہشت وخوف برسا رہی تھی۔ کربلا کی سرزمین پر دونوں کا تصادم ہوا اور بھیانک تصادم ہوا۔ جن دو انسانوں میں زمین و آسمان کا فرق تھا وہ آپس میں ٹکرا گئے۔ یزید کے پاس کیا نہ تھا اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس دنیاوی قوت وثروت کا کتنا حصہ تھا؟ مگر عبرت پذیر آنکھوں نے یزیدیت کی آخری تڑپ بھی دیکھی، جب سطوت واقتدار کی خاکستر خاک میں دفن ہو رہی تھی۔

وہ تخت ہے کس قبر میں وہ تاج کہاں ہے؟
اے خاک بتا زورِ یزید آج کہاں ہے؟

بیشک امام عالی مقام اور اُن کے ساتھی شہید ہو گئے۔ اُن کی لاشیں روند ڈالی گئیں، اُن کی عورتیں قید کر لی گئیں، اُن کا مال واسباب لوٹ لیا گیا، مگر حقیقتاً فتح مبین امام حسین رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوئی اور ابدی ذلت و بدنامی اور شکست وہزیمت یزید کے حصہ میں آئی۔ حق کے لیے جانیں دینے اور مٹنے والے شہید کبھی فنا نہیں ہوتے۔ دنیا میں ہر چیز مر جاتی ہے کہ فانی ہے مگر خون شہادت کے اُن قطروں کے لیے جو اپنے اندر حیاتِ الٰہیہ کی غیر فانی روح رکھتے ہیں کبھی فنا نہیں ہوتے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اس فتح مبین کا روشن ثبوت یہ ہے کہ آج دنیا کے کروڑوں انسان امام حسین رضی اللہ عنہ کے نام پر جان دیتے ہیں اور امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے حق پرست ساتھیوں سے اپنی دلچسپی اور وابستگی کا مظاہرہ کرنے پر حد درجہ فخر محسوس کرتے ہیں۔

شہادت اک حقیقت زندہ و تابندہ ہے ماہر
فسانے کربلا کے آج تک دہرائے جاتے ہیں

شہادتِ عظمیٰ کے اس الم ناک سانحہ کو صدیاں گذر گئیں، گلشنِ دہر میں ہزار بار بہار وخزاں کے موسم آئے اور گذر گئے، رات نے ہزار دفعہ اپنا تاریک چہرہ بگاڑا، اور صبح نے

ہزاروں بار مطلع الفجر کو سنوارا، لیکن چشمِ فلک آج بھی اس دلخراش واقعہ کی یاد میں اُسی طرح اشک بار ہے۔ فرات کی متلاطم لہریں آج بھی شہید کربلا رضی اللہ عنہ کی مظلومیت پر اپنا سر پٹختی ہیں۔ خاکِ کربلا کا ذرہ ذرہ نبیرۂ پاک شہِ لولاک کی مجاہدانہ عظمتوں اور سرفروشانہ رفعتوں کی داستان آج بھی سنا رہا ہے اور اس مشہدِ پاک کی حسین فضا آج بھی حق وصداقت کے اس بطلِ عظیم اور صبر واستقلال کے اس کوہ مثال سرفروش کے زریں کارناموں کی یاد تازہ کر رہی ہے۔ لیکن یزید اور اس کے ساتھیوں کا احترام سے کوئی نام بھی نہیں لیتا۔ یزید اور یزیدی مٹ گئے، ان کی عظمت وحشمت کے تخت اوندھے ہو گئے اور ان کی عزت وآبرو کی تمام شوکتیں خاک میں مل گئیں۔

نہ یزید کا وہ ستم رہا نہ زیاد کی وہ جفا رہی
جو رہا تو نام حسین کا جسے زندہ رکھتی ہے کربلا

لیکن جس جگر گوشۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خون انتہائی بے بسی و بے کسی کے عالم میں فرات کے کنارے بہایا گیا تھا آج اُس کی شہنشاہی اور فرماں روائی روحوں اور دلوں پر قائم ودائم ہے۔ ہر سال عقیدت ونیازمندی کے جذبات سے سرشار ہزارہا انسان مزارِ مقدس پر حاضر ہوتے ہیں اور اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ کے عقیدت مندانہ نعروں سے ہر وقت امام حسین رضی اللہ عنہ کا روضہ پاک گونجتا رہتا ہے۔ دنیا کے گوشے گوشے میں مسلم اور غیر مسلم قومیں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی یاد میں آنسو بہاتی ہیں۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کے نام کی سبیلیں ہر جگہ لگائی جاتی ہیں دنیا کے چپے چپے پر جلسے منعقد کیے جاتے ہیں اور شہدائے کربلا کو نذرانۂ عقیدت پیش کیا جاتا ہے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کا ذکر گھر گھر میں ہوتا ہے اور ان کی بارگاہِ شہادت میں ہدیۂ درود وسلام پیش کیا جاتا ہے۔ اور جب تک آفتاب جہاں تاب چمکتا رہے گا اُن کا نام درخشندہ رہے گا اور جب تک ماہتاب ضیا پاش رہے گا محراب ومنبر سے اُن کی عظمت وجلالت کی صدائیں بلند ہوتی رہیں گی اور صبح قیامت تک انسانیت کی محفلیں اُن کے ذکرِ خیر سے آباد رہیں گی۔

لیکن یزید پلید کی قبر کا نشان بھی کسی کو معلوم نہیں بلکہ اس کا نام آتے ہی انسانیت کی پیشانی پر بل پڑ جاتے ہیں۔ شرافت وصداقت کے چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے اور دنیا کا ہر حق پرست اور انصاف پسند انسان خواہ کسی مکتبۂ فکر سے تعلق رکھتا ہو، یزید پلید پر لعنت بھیجتا ہے۔ آج دنیا میں کروڑوں شریف النفس اور نیک انسانوں کے نام امام حسینؓ کے نام پر رکھے گئے ہیں اور رکھے جاتے ہیں لیکن صدیاں گذر گئیں کسی انسان کا نام یزید نہیں رکھا گیا۔ بلکہ دنیا کے ہر سلیم العقل اور باغیرت انسان کے نزدیک یہ نام گالی کی حیثیت اختیار کر چکا ہے اور کوئی شخص کسی حال میں بھی اپنے لیے یہ لفظ سننا پسند نہیں کرتا۔ یہ ایک ایسی اخلاقی شکست ہے۔ جس کے لیے کسی ثبوت کی کوئی ضرورت نہیں۔

اس طرح جس سے ظلم سیاہ فام ہو گیا
لفظِ یزید داخلِ دشنام ہو گیا

یزیدیوں کی روحوں کو سلام کرنے والا اور اُن کی قبروں پر فاتحہ پڑھنے والا ایک انسان بھی دنیا میں نہیں ہے۔ پوری کائنات میں ایک بھی زبان نہیں جو ابن زیاد اور ابن سعد کا قصیدہ پڑھے اور کوئی قلم نہیں جو شہنشاہِ یزید اور اس کے ارکانِ حکومت کی مدح وثنا میں کوئی قصیدہ لکھے اور کوئی آنکھ نہیں جو یزیدیوں کے لیے اشک بار ہو، اور کوئی دل نہیں جو کوفیوں کے لیے مضطرب و بے چین ہو۔ زمین والے اُن کو بھلا چکے اور آسمان والوں نے ظلم وستم کی ان طاغوتی طاقتوں کو فراموش کر دیا، مگر حسین اور حسینیت اپنی عظمتوں اور رفعتوں کے ساتھ آج بھی زندہ وتابندہ ہے اور ابد الآباد تک زندہ وتابندہ رہے گی۔ ان کی پاکیزہ زندگی آفتاب سے زیادہ روشن اور ان کی حیات ابدی ماہتاب سے زیادہ منور وتاباں ہے۔ ان کی عزت ووقار اور تقدس وبزرگی کے چراغ آج تک جگمگا رہے ہیں اور ہمیشہ جگمگاتے رہیں گے۔ جریدۂ عالم پر حق وباطل، نیکی وبدی اور کفر واسلام کے درمیان جو خط اپنے خون سے کھینچا تھا وہ آج بھی اسی آب وتاب سے روشن ہے اور ہمیشہ کے لیے سینوں میں مجاہدانہ عزائم اور دلوں میں محبت کی آگ بھڑکاتا رہے گا۔

شہیدِ کربلاؓ اور ان کے ساتھی زندہ ہیں، ان کی قبریں زندہ ہیں، ان کا نام زندہ ہے، ان کا کام زندہ ہے، ان کا پیغام زندہ ہے۔

کشتگانِ خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

جب حق وصداقت کے چراغ کو باطل کی پھونکیں بجھانا چاہتی ہیں تو حسینؓ کی روحانی یاد اس کی لَو کو روشن تر کر دیتی ہے۔

جب آزادی وحریت میں انسانیت کے قدم ڈگمگاتے ہیں تو شہیدِ کربلاؓ کی مثال اُسے سہارا دیتی ہے۔

جب دولت، قوت اور اقتدار کی فرعونیت حق پرستوں کی تہی دستی وبے چارگی کا تمسخر اڑاتی ہے اور ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیتی ہے تو شہیدِ کربلاؓ کی شہادت انہیں ثباتِ قدم کا سبق دیتی ہے اور یاس وناامیدی کی کفر آفرینی سے بچاتی ہے۔

زندگی کے ہر دور میں بہادر ان کے نام کی تسبیح پڑھتے ہیں۔

اولوالعزم سرفروش اُن کے اسوۂ حسنہ سے عزم واستقلال کا درسِ حیات لیتے ہیں۔

دین کی حرمت اور نبی کی سنت پر کٹ مرنے والے ان کو اپنا قبلہ وکعبہ سمجھتے ہیں۔

دنیا کے ہر شاعر، ادیب، صوفی، عالم اور مفکر نے آپ کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

انسانیت کی ہر بینا آنکھ اُن کے لیے اشک بار اور ہر حساس دل ان کے لیے بے قرار ہے۔

ہوئیں گل سڑ کے چونا ہڈیاں اس کے حریفوں کی
مگر لاکھوں دلوں پر اب تک اس کی حکمرانی ہے

دنیا کے بڑے بڑے کشورستانوں اور عظیم الشان فاتحین عالم کو آثار قدیمہ کے کھنڈروں بوسیدہ مقبروں اور تاریخ کے کہنہ اوراق میں ضرور دیکھا جا سکتا ہے، مگر مصلحین عالم کی اس پاکیزہ جماعت میں کتنی ایسی رفیع الشان ہستیاں ہیں جن کو یہ رفعت اور عظمت

حاصل ہو کہ ہر زمانہ میں انسانیت کی بزم گاہیں اُن کی یاد سے پُر رونق اور رزم گاہیں اُن کے تذکروں سے گرم ہوں۔

محرم کی دسویں تاریخ کو دنیا کے سامنے شہیدِ کربلا رضی اللہ عنہ کی لازوال زندگی کا کیسا عجیب منظر ہوتا ہے کہ مشرق و مغرب میں کروڑوں انسانوں کا مجمع ہوتا ہے۔ جن میں سے ہر انسان اُس کی عقیدت و محبت کا مجسم پیکر بن جاتا ہے اور ہر انسان کا دل اس کی یاد سے اور زبان اس کے ذکر سے تروتازہ ہوجاتی ہے۔

نورِ نگاہِ سرورِ عالم میرا سلام
اسلام کے شہیدِ معظم میرا سلام
دینِ خدا کی حجت محکم میرا سلام
اے کربلا کے فاتحِ اعظم میرا سلام

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ اَحْيَاۤءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ
وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَ اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

❁❁❁❁

اعترافِ عجز

عمر بگذشت و حدیث درد ما آخر نہ شد
شب بآخر شد کنوں کوتاہ کنم افسانہ را

حسینیت کا شیدائی قلم ہزاروں نقوش کاغذ پر نقش کر چکا، مگر سیدنا امام الشہداء کے اسوۂ حسنہ کے پورے خدوخال پیش نہ کر سکا۔ لیکن اربابِ بصیرت کے لیے ان چند نا تمام نقوش میں بھی بہت کچھ سامانِ عبرت و بصیرت موجود ہے۔ دل میں درد اور طبیعت میں اخلاص کا جذبہ ہو تو پھول کی ایک پتی بھی فطرت کی ایک بولتی ہوئی کتاب سے کم نہیں، اور یہ اوراق تو حقائق و واقعات کا ایک زریں مرقع ہیں۔ ان واقعات میں حقانیت ہے، صداقت ہے، شہادت ہے، خلوص ہے اور زندگی ہے۔ اگر دیدۂ حق کور نہ ہو اور کسی کے دل کے گوشہ میں ایمان کی کچھ بھی روشنی ہو تو وہ ان اوراق کو پڑھ کر پکار اُٹھے گا کہ امام الشہداء کی پوری زندگی حق و صداقت، صبر و استقلال، ایثار و اخلاق کی ایک بے مثل تصویر تھی۔

طوفانِ نوح لانے سے اے چشم فائدہ
دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

محرم کی خونی صبح اپنے چہرہ سے نقاب اٹھا رہی ہے، نسیم سحری کے دلنواز جھونکے دلوں میں کیف و سرور پیدا کر رہے ہیں۔ موذن کے روح پرور نعروں نے فضا میں ایک روحانی تموج پیدا کر رکھا ہے اور شہید کربلا کا مصور بارگہ شہادت میں خلوص و عقیدت کے پھول پیش کرتا ہوا درود و سلام پڑھ رہا ہے۔

ضیائے چشمِ رسولِ خدا سلام علیک
سرورِ خاطرِ خیر النساء سلام علیک

شہیدِ خنجرِ کرب و بلا سلامٌ علیک
امیر حلقۂ اہلِ رضا سلامٌ علیک

بدرگاہِ مجیب الدعوات

الٰہی! برقِ غیرت کی تڑپ مجھ کو عطا کر دے
مجھ آتش زیرِ پا کو ساتھ ہی آتش نوا کر دے

میری تحریرِ نقص آلود میں کر وہ اثر پیدا
کہ اہلِ درد کے حلقوں میں اک محشر بپا کر دے

بتا دوں گا کہ خاکِ پاک یوں اکسیر بنتی ہے
میری پلکوں کو جاروبِ حریمِ مصطفیٰ کر دے

منشور ہزاروی
درویش بے گلیم و فقیر بے کلاہ

❁❁❁❁